يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ۝

احادیثِ ضعیفہ کا مجموعہ

جن سے اُمّتِ مسلمہ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا

تالیف الشیخ علّامہ محمّد ناصر الدّین البانی رحمہ اللہ

ترجمہ مولانا محمّد صادق خلیل رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

احادیثِ ضعیفہ کا مجموعہ

جن سے اُمتِ مسلمہ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا

جلد اوّل

تالیف

علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ

ترجمہ

مولانا محمد صادق خلیل رحمہ اللہ

تحقیق ونظر ثانی

عبد الحفیظ مدنی

ناشر

مکتبہ محمدیہ قذافی سٹریٹ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

MOb:0300- 4826023,042-37114650

نام کتاب: احادیثِ ضعیفہ کا مجموعہ

باہتمام ---------------- عبدالرحمان عابد

طبع سوم ---------------- جنوری 2012ء

تعداد ---------------- 1100

قیمت ---------------- -/200

اسٹاکسٹ

مکتبہ اہل حدیث' امین پور بازار فیصل آباد
041-2629292,2624007

اسلامی کتب خانہ' ڈاک خانہ بازار' چیچاوطنی' ضلع ساہیوال
0346-7467125,0301-4085081

مکتبہ عائشہ صدیقہ' اقبال مارکیٹ' کمیٹی چوک' راولپنڈی
051-5551014, 0321-5075075

ضیاء السنہ ادارۃ الترجمۃ والتألیف رحمت آباد (حاجی آباد) فیصل آباد
Mob.: 0322- 6054145

E:mail;maktabah_muhammadia@yahoo.com
&maktabah_m@hotmail.com
Ph,:042-37114650,Mob.: 0300- 4826023

فہرست عنوانات

صفحہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیشِ لفظ

یہ کتاب دراصل علامہ محمد ناصرالدین البانی کی عربی کتاب "سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ و الموضوعۃ و اثرھا السیئ فی الامۃ" کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ علامہ موصوف کے علمی کاموں میں ایک قابلِ قدر اور عظیم اضافہ ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی ہر طرح سے حفاظت فرمائے اور انہیں دین کی خدمت کی مزید توفیق عطا فرمائے (آمین)

اس کتاب میں ضعیف روایات اور من گھڑت احادیث کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان روایات اور احادیث کو اسلام دشمن عناصر اور بعض غیر محتاط علماء نے عوام الناس میں اس طرح پھیلا دیا ہے کہ عام لوگ ان کو بھی معتبر سمجھنے لگے ہیں۔ ایسی روایات کا بیشتر حصہ یا تو اسرائیلی روایات پر مشتمل ہے یا پھر قصہ گو واعظین' بعض صوفیاء اور غالی شیعوں کی کرشمہ سازی ہے۔

علامہ ناصرالدین البانی نے ایسی تمام روایات اور احادیث کو ایک مجموعے کی شکل دی ہے اور انہیں فن جرح و تعدیل کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد ان پر ضعیف اور موضوع کا حکم لگایا ہے نیز نہایت عمدہ علمی محاکمہ پیش کیا ہے۔ یہ کتاب اہلِ علم' خطباء اور ائمہ حضرات کے علاوہ عوام الناس کے لئے بھی اہمیت و افادیت کی حامل ہے۔ خصوصاً ان لوگوں کے لئے جو فن حدیث سے گہرا شغف رکھتے ہیں۔

قارئین کرام کی خدمت میں ہماری گزارش ہے کہ اس کتاب میں مذکورہ احادیث کا بغور جائزہ لیں اور ان ضعیف اور من گھڑت احادیث سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچانے کی پوری پوری کوشش کریں تاکہ ہمیں دین حق کی صحیح راہنمائی حاصل ہو۔
اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

ناصر محمود انور

7 فروری 1994ء

چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

(اقبال)

مقدّمہ

اللہ پاک نے اُمّتِ مسلمہ کو جہاں دیگر خصوصیات سے نوازا وہاں خاص طور پر اس اعزاز سے بھی ہم کنار کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک عالیشان کتاب کو نازل فرمایا جس کی تشریح و توضیح کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپؐ سے سن کر اور آپؐ کی عملی زندگی کو ملاحظہ کر کے امت مسلمہ تک کماحقہ پہنچایا اور اس میں ہرگز کمی بیشی کا شائبہ تک نہیں ہے یہ دونوں سرچشمے محفوظ ہیں اور قیامت تک محفوظ رہیں گے ان میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا اگر کسی دور میں اسلام دشمن عناصر یا بظاہر اسلام کا دعویٰ کرنے والوں نے دین اسلام کی شکل کو بدلنا چاہا' اس میں من گھڑت احادیث کو داخل کرنا چاہا تو وہ اپنے اس مذموم مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ اللہ پاک نے ہر دور میں ایسے مخلص اور ثقہ اہل علم کا انتظام فرمایا ہے اور قیامت تک فرماتا رہے گا جو ایسے بدطینت لوگوں کی ریشہ دوانیوں سے امت مسلمہ کو آگاہ کرتے رہے اور کرتے رہیں گے' صحیح اور موضوع احادیث کے درمیان امتیاز کرتے رہیں گے ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ

البتہ قرآن پاک وحی جلی ہے اور احادیث صحیحہ وحی خفی ہیں دونوں "الذکر" میں داخل ہیں جس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ پاک نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے ارشاد ربانی ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے لئے اللہ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے تم نے اپنی زندگی بعینہٖ اسی طرز پر گزارنی ہے جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی گزری ہے۔

مذکورہ آیت اس بات کو ثابت کر رہی ہے کہ آپؐ کی زندگی کی جملہ کیفیات

اور تمام شعبہ ہائے زندگی محفوظ ہیں اور آپؐ کی زندگی کا کوئی ورق ایسا نہیں ہے جس کو صحابہ کرامؓ نے بیان نہ کیا ہو یا وہ محفوظ نہ ہو وگرنہ اگر (معاذ اللہ) آپؐ کی زندگی کے تمام امور خواہ ان کا تعلق عبادات یا معاملات سے ہے محفوظ نہیں ہیں تو کیسے اللہ پاک قرآن پاک میں امت مسلمہ کو اس بات کا حکم دے رہے ہیں کہ تم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو اپنے لئے بہترین نمونہ سمجھو اور اس کے مطابق تمہیں چلنا چاہئے اس سے سرمو انحراف نہیں ہونا چاہیے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اُمّتِ مسلمہ نے جہاں قرآن پاک کو اصل اول قرار دیا ہے وہاں احادیثِ نبویہؐ کو اصل ثانی قرار دیا ہے اور ان دونوں میٹھے چشموں سے اپنی علمی پیاس کو بجھایا ہے اور مسائل کا حل نکالا ہے اس میں ہرگز شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ جس اہتمام کے ساتھ صحابہ کرامؓ' تابعین عظام' فقہاء اور محدثین نے آپ کے فرمودات اور آپؐ کے افعال کو اپنے اذہان میں محفوظ کر کے آگے اپنے تلامذہ تک پہنچایا ہے اس قسم کا اہتمام کسی بھی پیغمبر کے اقوال اور فرمودات کے بارے میں ان کے پیروکاروں نے نہیں کیا ہے۔

؎ یہ رتبہ ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے بلکہ اس کا چیلنج کیا جا سکتا ہے کہ دین اسلام میں ہرگز تحریف نہیں ہوئی ہے۔ عہد صحابہ کرام میں ایسے قوانین وضع کیئے گئے جن کی روشنی میں احادیث کو تحفظ حاصل ہوا ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ احادیث کے بیان کرنے میں کتنے محتاط واقع ہوئے ہیں ابوبکرؓ اور عمرؓ جیسے صحابہ کرامؓ سے بہت کم احادیث مروی ہیں انہیں یہ خطرہ لاحق رہتا تھا کہ کہیں ہماری زبان سے خطا یا نسیان کے سبب ایسی باتیں نہ نکل جائیں جو آپؐ کی زبان مبارک سے نہیں نکلی ہیں اور ہم ان لوگوں کی فہرست میں داخل نہ ہو جائیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسی باتوں کی نسبت کرتے ہیں جو آپؐ نے نہیں فرمائی ہیں وہ خوب سمجھتے تھے کہ جس شخص نے اللہ کے رسولؐ کی طرف ایسی باتوں کی نسبت کی جو آپؐ کی زبان مبارک سے نہیں نکلیں تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ سے جس قدر احادیث مروی ہیں اس قدر کسی دوسرے صحابی سے مروی نہیں ہیں اس کے باوجود حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں ان کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ عہدِ فاروقی میں بھی اسی طرح کثرت کے ساتھ احادیث بیان کرتے تھے انہوں نے نفی میں جواب دیتے ہوئے کہا کہ اگر ان کے دور خلافت میں اتنی کثرت کے ساتھ احادیث بیان کرتا تو وہ مجھ کو بھی درے لگاتے (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۷)

معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے دور میں احادیث بیان کرنے میں انتہائی محتاط انداز اختیار کیا جاتا تھا اسی طرح احادیث کو تسلیم کرنے میں بھی احتیاط کا دامن نہ چھوڑا جاتا تھا چنانچہ امام ذہبیؒ نے "تذکرۃ الحفاظ" میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حالات کے ضمن میں ذکر کیا ہے کہ ایک بوڑھی عورت حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور التجا کی کہ مجھے دادی کی حیثیت میں ورثہ ملنا چاہئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں ورثہ دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اللہ کی کتاب میں تمہارے ورثہ کا ذکر نہیں ہے اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کی وضاحت ملتی ہے کہ آپؐ نے دادی کو ورثہ دیا ہو یہ کہہ کر آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے استفسار کیا تو حاضرین میں سے مغیرہؓ بن شعبہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں موجود تھا آپؐ نے ایک دادی کو ورثے سے چھٹا حصہ دیا تھا۔ ابوبکر صدیقؓ نے مغیرہ بن شعبہؓ سے کہا کہ کیا کوئی گواہی بھی ہے؟ یہ سن کر محمدؓ بن مسلمہ صحابی کھڑے ہوئے اور گواہی دی۔ چنانچہ ان کی گواہی پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دادی کو وراثت میں حق دار بنایا (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۲)

دراصل عمرؓ بن خطاب نے احادیث کے نقل میں راویان حدیث کے لئے ایسا راستہ متعین فرما دیا ہے کہ وہ اس وقت تک کسی حدیث کی نسبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہرگز نہ کریں جب تک انہیں پختہ ثبوت نہ مل جائے کہ واقعی یہ فرمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ چنانچہ امام ذہبیؒ نے حضرت عمرؓ کے حالات کے ضمن میں ان کے ثبت اور احتیاط کے بارہ میں ایک واقعہ نقل کیا ہے۔

ابو موسیٰ اشعریؓ نے کسی کام کی غرض سے حضرت عمرؓ کے دروازے پر تین بار السلام علیکم کہا وہ اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کر رہے تھے لیکن انہیں کچھ جواب نہ ملا اس کے بعد وہ واپس لوٹے۔ حضرت عمرؓ نے ان کے پیچھے ایک شخص کو بھیجا کہ ان سے دریافت کرے کہ وہ تین بار سلام کہنے کے بعد واپس کیوں چلے گئے؟ انہوں نے جواب میں کہا' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص تین بار سلام کہے اور اس کے سلام کا کچھ جواب نہ دیا جائے تو اسے واپس لوٹ جانا چاہئے اس پر عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ سے ہم کلام ہوتے ہوئے کہا کہ اس پر آپ کو دلیل پیش کرنا پڑے گی ورنہ آپ کو سزا ملے گی۔ حضرت عمرؓ کا یہ انداز دیکھ کر ابو موسیٰ اشعریؓ کا رنگ متغیر ہوگیا وہ اپنے ساتھی صحابہؓ کی مجلس میں آئے' ان میں ابو سعید خدریؓ بھی تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ابو موسیٰ اشعریؓ نے ہمیں تمام واقعہ کہہ سنایا کہ حضرت عمرؓ میری اس بات پر گواہ کا مطالبہ کر رہے ہیں' اس وجہ سے میں پریشان ہوں۔ میری آپ سب سے التماس ہے کہ کیا آپ میں سے کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اگر کسی کو تین بار سلام کہنے پر اجازت نہ ملے تو اسے واپس چلے جانا چاہئے؟ اس پر وہاں جس قدر صحابہ کرامؓ موجود تھے سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم سب نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی ہے چنانچہ انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو ابو موسیٰ اشعریؓ کی معیت میں بھیجا اس نے حضرت عمرؓ کے ہاں جا کر اعتراف کیا کہ واقعتاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے۔ اس شہادت کے ملنے پر حضرت عمرؓ نے اطمینان کا اظہار کیا اور اس حدیث کے بیان کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔

کتبِ حدیث میں اس نوعیت کے متعدد واقعات مرقوم ہیں جن سے صحابہ کرامؓ کا احتیاط مترشح ہوتا ہے کبھی وہ بیان کردہ حدیث کو کتاب اللہ کے نصوص کی روشنی میں معلوم کرتے اگر حدیث نص صریح کے موافق ہوتی تو اس کو قبول کرتے ورنہ حدیث کو رد کرتے اور اس پر عمل نہ کرتے لیکن اس سے ہرگز یہ نہ سمجھا جائے کہ حدیث نبویؐ کو تشریعِ اسلامی میں مستقل حیثیت حاصل نہیں ہے' ہم جب احادیث صحیحہ کا جائزہ لیتے ہیں تو جہاں ایسی احادیث موجود ہیں جو قرآن پاک کے نصوص کے

موافق ہیں اور اس کے احکام کی تائید کرتی ہیں وہاں ایسی احادیث صحیحہ سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ پانچوں نمازوں کی رکعات کتنی ہیں؟ اور نمازیں کس کیفیت کے ساتھ ادا کی جائیں؟ بلکہ ایسی احادیث بھی ہیں جو قرآن پاک کی مطلق آیات کو مقید اور عام آیات کی تخصیص کرتی ہیں جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ چور کے ہاتھ کو ہتھیلی کے جوڑ سے کاٹا جائے جب کہ قرآن پاک میں مطلق ہاتھ کاٹنے کا ذکر ہے نیز ایسی احادیث بھی ہیں جن میں ایسے احکام مذکور ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں نہیں ہے جیسا کہ اگر مقتول کے ورثاء قصاص معاف کر دیں تو قاتل اور اس کے عصبہ رشتہ داروں پر ضروری ہے کہ وہ دیت ادا کریں۔ ایسے تمام احکام پر عمل کرنا ضروری ہے اس لئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"مجھے قرآن پاک عطا ہوا اور اس کی مثل عطا ہوئی ہے۔"

جس طرح قرآن پاک پر عمل ضروری ہے اسی طرح سنت پر بھی عمل ضروری ہے اور شریعتِ اسلامیہ کے اصل ماخذ یہ دونوں ہی ہیں ارشاد نبویؐ ہے:

تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابُ اللهِ وَسُنَّتِي

میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم ان دونوں کے ساتھ وابستگی رکھو گے تم ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔

صحابہ کرامؓ کے دور میں بھی اگرچہ احادیث کے بیان کرنے میں زبردست احتیاط برتی گئی تاہم جرح و تعدیل کے علم کی ضرورت اس لئے محسوس نہ کی گئی کہ صحابہ کرامؓ کی عدالت پر نہ صرف یہ کہ اجماع ہے بلکہ کتاب اللہ اور احادیثِ صحیحہ کی صریح نصوص ان کی عدالت پر دال ہیں چنانچہ حافظ ابنِ صلاحؒ نے "علوم الحدیث" میں صحابہ کرامؓ کے عادل ہونے پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں (علوم الحدیث صفحہ ۲۶۴)

البتہ حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد جب اُمّتِ مسلمہ میں اختلاف رونما ہوا اور فتنوں نے امت مسلمہ کو پریشان کیا اور ایسے گروہ دیکھنے میں آئے جنہوں نے اسلام کے روشن چہرے کو مسخ کرنا چاہا اور اسلام کی تعلیمات میں اپنی آراء کو داخل کرنا چاہا اور اپنے مطلب کی احادیث وضع کرکے احادیثِ صحیحہ کے

مجموعہ میں ان کو مدغم کرکے اپنی خواہشات کو تسکین دینے کے لئے میدان میں اتر آئے اور متعدد قسم کی بدعات کو فروغ دینے کے لئے موضوع احادیث کا سہارا لیا تو صحابہ کرامؓ نے لوگوں کو اہلِ بدعت فرقوں کی ریشہ دوانیوں سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا اور احادیث کے نقل کرنے میں زبردست احتیاط کرنے کی ضرورت پر زور دیا اور برملا کہا کہ صرف ایسے لوگوں سے مروی احادیث کو قبول کیا جائے جن کے تدیّن اور حافظہ پر اعتماد ہے چنانچہ اس دور میں اس قول کو قانون کی حیثیت حاصل ہو گئی:

"اِنّمَا ھٰذا الاَحادِیثُ دِیْنٌ فَانْظُرُوا عَمَّنْ تَاخُذُوْنَھَا"

چونکہ احادیث نبویہؐ دین اسلام ہیں اس لئے تم احتیاط کرو کہ کن لوگوں سے احادیث نقل کر رہے ہو۔ (الجرح و التعدیل لابن ابی حاتم جلد ا صفحہ ۱۵)

ان حالات میں جرح و تعدیل کے قواعد کا منضبط ہونا ضروری تھا تاکہ احادیث صحیحہ کو ضعیف اور موضوع احادیث سے الگ کیا جا سکے اور امت مسلمہ کو اس سے آگاہ کرکے دین اسلام کا تحفظ کرکے اللہ پاک کی خوشنودی حاصل کی جائے اس سلسلہ میں بطور شہادت کے ہم ابن عباسؓ کا قول ذکر کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہم پر ایسا وقت بھی گزرا ہے کہ جب ہم کسی شخص کی زبان سے یہ کلمات سنتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا... تو خوشی سے ہماری نظریں نہایت تیزی کے ساتھ اس کا تعاقب کرتیں اور ہم اپنے کانوں کو اس کا کلام سننے کے لئے جھکاتے اور پوری توجہ سے اس کی بات سنتے تھے لیکن جب لوگوں نے احادیث صحیحہ کے ساتھ ساتھ ضعیف اور من گھڑت احادیث بیان کرنا شروع کر دیں اور انہیں احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنا شروع کر دیا تو پھر ہم نے صرف ان لوگوں کی بیان کردہ احادیث کو سنا اور اس کو قابلِ عمل سمجھا جن کو ہم اچھی طرح جانتے پہچانتے تھے اور جن کی عدالت و دیانت سے ہم باخبر تھے۔
(مقدّمہ مسلم شریف صفحہ ۱۰)

معلوم ہوا کہ پہلی صدی ہجری میں دو قسم کی احادیث پائی جاتی تھیں۔

پہلی قسم میں وہ احادیث تھیں جنہیں قبول کیا جاتا تھا ان کا نام مقبول رکھا گیا جن کو بعد ازاں صحیح اور حسن کہا جانے لگا۔

دوسری قسم میں وہ احادیث تھیں جنہیں رد کیا جاتا تھا ان کا نام مردود رکھا گیا جن کو بعد ازاں ضعیف اور موضوع کا نام دیا گیا۔ مصطلحات الحدیث کی کتابوں میں ان کی متعدد اقسام ہیں۔

اصولِ حدیث کی غرض وغایت

صحیح اور حسن احادیث کو ضعیف احادیث سے الگ کرنے کے لئے اصول حدیث کے قواعد و قوانین مرتب کئے گئے تاکہ احادیث صحیحہ کی روشنی میں دین اسلام کے احکام کا استدلال کیا جائے اگر یہ علم وضع نہ ہوتا تو احادیثِ صحیحہ کا احادیثِ ضعیفہ سے امتیاز کرنا ممکن نہ تھا اور یہ معلوم نہ ہو سکتا تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کونسی ہے؟ اور دیگر لوگوں کے اقوال کون سے ہیں' جو شریعت اسلامی میں داخل ہو گئے ہیں؟ چونکہ اللہ پاک نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو محفوظ فرمانے کی ذمہ داری لی تھی تو اس امت میں ایسے فقہاء اور محدثین کا انتظام فرمایا جنہوں نے اصولِ حدیث کے قوائد وضع فرما کر اس اختلاف کو یکسر ختم کر دیا چنانچہ فقہاء اور محدثین نے احادیث کی اسانید کی طرف خاص طور پر توجہ مبذول کی۔

عبداللہ بن مبارک" کا قول ہے

اَلْاِسْنَادُ مِنَ الدِّیْنِ لَوْلَا الْاِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَآءَ مَا شَآءَ

اسناد معلوم کرنا اور اس کے رواۃ کو زیر بحث لانا دین اسلام کی خدمت ہے اگر اسانید نہ ہوتیں تو ہر شخص جو چاہتا اسے آپؐ کی طرف منسوب کر دیتا اور اپنے اقوال کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کی شکل میں پیش کر دیتا۔ اس طرح آپؐ پر افتراء باندھنے کے سبب دین اسلام کی حقیقت نظروں سے اوجھل ہو جاتی۔

خیال رہے کہ ہر شخص کے لئے کذب بیانی کبیرہ گناہ ہے لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا اکبرا لکبائر سے ہے بلکہ بعض علماء سے صراحتاً منقول ہے کہ ایسے شخص کی توبہ قبول نہیں ہوتی جب کہ شیخ ابو محمد جوینی" نے ایسے شخص کو

کافر قرار دیا ہے جیسا کہ "المقاصد الحسنہ" صفحہ ۳۶ میں امام ابن جوزیؒ نے اس کی وضاحت کی ہے۔

امام ترمذیؒ نے "کتاب العلل" میں ابن سیرینؒ کا قول پیش کیا ہے کہ اسلام کے دور اول میں (تقریباً سن چالیس ہجری سے قبل) احادیث کی اسناد کے بارہ میں دریافت نہیں کیا جاتا تھا' جب فتنوں نے اُمّتِ مسلمہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تو اسناد معلوم کرنے کی طرف خاص طور پر توجہ دی گئی تاکہ اہل سنت راویوں کی بیان کردہ احادیث کو قبول کیا جائے اور انہیں قابلِ عمل سمجھا جائے اور اہلِ بدعت کی بیان کردہ احادیث کو ترک کیا جائے اور انہیں کچھ حیثیت نہ دی جائے (العلل صفحہ ۲۳۶)

دراصل حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان جب اختلاف رونما ہوا بلکہ اختلاف لڑائی کی شکل اختیار کر گیا اور اہلِ اسلام مختلف گروہوں میں بٹ گئے' سیاسی اختلاف کو دینی رنگ دیا گیا' ہر گروہ نے اپنے موقف کو سچا ثابت کرنے کے لئے قرآن پاک کے الفاظ کے غلط معانی کئے اور اپنے قائدین کے فضائل و مناقب میں احادیث وضع کیں چنانچہ شیعانِ علیؓ نے اہل بیت کے فضائل میں احادیث وضع کیں اور شیعان معاویہؓ نے بھی ان کا مقابلہ کرتے ہوئے احادیث گھڑیں۔ مشہور شیعہ عالم ابن ابی الحدید کہتے ہیں "فضائل پر مشتمل احادیث میں دراصل کذب بیانی شیعہ کی جانب سے ہے" (شرح نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۴)

اہلِ علم ہی کا فرض نہیں بلکہ اُمّتِ مسلمہ کے ہر فرد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس وقت تک کسی حدیث کی نسبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہ کرے جب تک کہ اس حدیث کی سند کے رواۃ کے بارہ میں محدّثین کے ذکر کردہ قواعد و اصول کی روشنی میں یقین نہ ہو جائے کہ وہ ثقہ ہیں اور حدیث صحت کے اصولوں پر پوری اترتی ہے۔ کسی ضعیف حدیث کو ضعیف سمجھتے ہوئے اس حدیث کی نسبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرکے بیان کرنا درحقیقت آپؐ پر جھوٹ باندھنے کے مترادف ہے اور یہ سمجھنا کہ ترغیب و ترہیب اور فضائل و اعمال کے مسائل میں ضعیف احادیث سے استدلال کرنا درست ہے انتہائی احمقانہ بات ہے۔ غور کیجئے کہ ترغیب و ترہیب اور فضائل و اعمال بھی تو شریعتِ اسلامیہ کا ایک

حصہ ہیں اس لئے ہرگز جائز نہیں کہ شریعتِ اسلامیہ کے احکام میں کسی ضعیف حدیث سے استدلال کیا جائے۔

میں ان اہلِ علم اور خطیب حضرات سے استفسار کرتا ہوں جو ضعیف اور موضوع احادیث کی نسبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتے ہوئے اپنی مقبولیت میں اضافہ کرتے ہیں اور غلط احادیث بیان کرکے عوام الناس کو خوش کرتے ہیں اور اپنی خطابت کا سکہ ان کے دلوں میں بٹھاتے ہیں۔ کیا ان سے میدان حشر میں یہ سوال نہیں ہو گا کہ آپ نے فلاں حدیث کی نسبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتے ہوئے کیوں بیان کی؟ حالانکہ آپؐ نے یہ حدیث بیان نہیں کی تھی اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ الٰہی میں کہہ دیا کہ میں نے تو یہ حدیث بیان نہیں کی' مجھ پر افتراء باندھا گیا ہے تو بتایا جائے کہ اس روز ایسے لوگوں کا کیا حال ہو گا اور وہ کیا جواب دیں گے؟ جب کہ صحیح حدیث میں مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا "جو شخص مجھ پر جھوٹ باندھ کر حدیث بیان کرتا ہے اس کا ٹھکانا دوزخ ہے" اور ایک دوسری حدیث میں اس کو کاذب قرار دیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ محدثین نے اصول حدیث کے قواعد وضع فرما کر احادیثِ صحیحہ کو احادیثِ ضعیفہ اور موضوعہ سے الگ کیا ہے اور محدثین کی مساعی اس سلسلہ میں قابلِ ستائش ہیں اور جن محدثین نے قواعد کے مطابق صحیح احادیث کے مجموعے مرتب فرمائے انہوں نے بھی امت اسلامیہ پر ایسا عظیم احسان فرمایا ہے جس کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا اللہ پاک ان کی مساعی کو شرفِ قبولیت سے نوازے۔

علامہ ناصر الدّین البانی کی علمی شخصیت

موجودہ دور میں علامہ ناصر الدّین البانی کا شمار ان ثقہ اہلِ علم میں نمایاں ہے جنہوں نے علم حدیث کی خدمت میں اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے ان کی علمی اور تحقیقی کاوشوں کو بنظر استحسان دیکھا جاتا ہے اور ان کی تالیفات' حواشی اور تخریج سے پوری دنیا کے اہلِ علم استفادہ کر رہے ہیں بالخصوص فن رجال' جرح و تعدیل اور تخریج احادیث کے موضوعات پر ان کی تحقیق کو حرفِ آخر سمجھا جاتا ہے۔ راقم

الحروف ان کی علمی خدمات کے پیش نظر ان کا مداح اور ثنا خواں ہے اور ان کی بعض کتب تحذیر السّاجد عن اتخاذ القبور المساجد، صلوۃ التراویح، حجۃ النبیؐ صلّی اللہ علیہ وسلم اور صفۃ صلوۃ النبیؐ صلّی اللہ علیہ وسلم کا اُردو زبان میں ترجمہ اور ان کی طباعت سے فارغ ہو چکا ہے بلکہ الحمدللہ ان کتابوں کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور قارئین سے داد تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

علامہ ناصر الدین البانی کی علمی اور تحقیقی تالیفات میں "سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ واثرھا السیّئ فی الاُمّۃ" ایک گرانقدر اور نہایت مفید اضافہ ہے جو کہ بلا مبالغہ امتِ مسلمہ پر ایک عظیم احسان ہے۔

(اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز فرمائے اور ان کی اس علمی کاوش کو قبولیت عطا فرمائے)

اس کتاب کی عظمت اور علمی ریسرچ نے مجھ جیسے خادم العلم والعلماء کو اس کے اُردو ترجمہ کی طرف راغب کیا اس کتاب میں جن زاویوں سے احادیثِ ضعیفہ اور موضوعہ پر تنقید کی گی ہے اور اہل علم کو ان کی اصل حقیقت سے آگاہ کیا گیا ہے وہ انتہائی قابلِ ستائش ہے۔ اس سے قبل اگرچہ اس موضوع پر متعدد کتابیں موجود ہیں اور ہر صدی میں بعض ثقہ اہلِ علم نے ملحد، زندیق، متصوفین اور شعبدہ باز لوگوں کی وسیہ کاریوں کو نہایت شگفتہ انداز میں پیش فرما کر اُمّتِ مسلمہ پر بہت بڑا احسان کیا ہے اور اسلامی شریعت کی خدمت کے میدان میں ان کی مساعی یقیناً ان کے اعمال میں مندرج ہو کر ان کے لئے توشہ آخرت بن چکی ہیں لیکن علامہ ناصر الدّین البانی نہ صرف یہ کہ ان کی تحقیق کو اس مجموعہ میں شامل فرمایا ہے بلکہ علماء اور محققین کی مختلف آراء پر مشتمل ایسا علمی محاکمہ پیش فرمایا ہے کہ جس کے مطالعہ سے قارئین یقیناً اطمینان کا اظہار کریں گے اور ان کی بیان کردہ معلوماتِ انیقہ پر صدائے تحسین بلند کریں گے اور بلاشبہ قارئین حیران ہوں گے کہ ان کا دائرہ تحقیق کس قدر وسیع ہے اور انہوں نے کتنی محنت اور جانفشانی سے اس بحرِ بے کنار میں غواصی کر کے بیش قیمت جواہرات سے کتاب کے صفحات کو مزین کیا ہے نیز تحقیق و تنقید کا اتنا اونچا معیار مقرر فرمایا ہے کہ دشمنانِ اسلام، مستشرقین، منکرینِ حدیث اور یہودی علماء کے افکارِ خبیثہ کا استیصال کر کے اسلام کے روشن اور تابناک چہرے کو کسی قسم کی آلودگی

میں ملوث نہیں ہونے دیا اور مناظرانہ انداز سے میدان میں اتر کر مخالفین اسلام کے تمام باطل اعتراضات کے ایسے مسکت جواب دیئے۔ جن سے ان کے حوصلے پست ہوگئے اور ان کی زبانیں گنگ ہو گئیں اور انشاء اللہ رہتی دنیا تک ان کے اس علمی کام سے آئندہ آنے والی نسلیں بھی شاد کام ہوتی رہیں گی اور ان کے علمی تفوق کو بنظر استحسان دیکھتی رہیں گی۔

اس مختصر کتاب میں صرف ایک سو ضعیف اور موضوع احادیث کی تحقیق کو سلیس اُردو میں پیش کیا گیا ہے' علامہ ناصر الدّین البانی کی تحقیق کا دائرہ اگرچہ بعض احادیث میں خاصا طویل ہے پھر بھی ان کو اسی طرح پیش کیا جا رہا ہے' اس میں اختصار کی خاطر بعض اقوال کو حذف نہیں کیا گیا ہے اگرچہ بعض اہلِ علم نے یہ مشورہ بھی دیا کہ حدیث ذکر کرنے کے بعد مختصر الفاظ میں اس کی تحقیق ذکر کر دی جائے اور ائمہ کے اقوال اور علامہ البانی کا محاکمہ قلم زد کر دیا جائے لیکن میں نے اس مسئلہ پر طویل غور و فکر کیا اور یہی مناسب سمجھا کہ چونکہ یہ کام تحقیقی انداز میں کیا گیا ہے اس لئے جوں کا توں اسے اُردو دان اہلِ علم اور عوام کے سامنے پیش کیا جائے اور پھر علمی دیانت بھی اسی بات کی متقاضی تھی۔

میں قارئین کرام سے پر امید ہوں کہ وہ گہرے غور و فکر کے ساتھ اس کتاب کو زیر مطالعہ لا کر اپنے قیمتی مشوروں سے نوازیں گے اور تنقیدانہ نظر سے جائزہ لے کر اس کے حسن و قبح اور اغلاط سے راقم الحروف کو مطلع فرمائیں گے۔

کتاب میں مذکور اصولِ حدیث کی اصطلاحات کا اردو ترجمہ اور وضاحت ذکر کرنے سے قارئین کو کچھ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا اس لئے اصطلاحات کی تشریح کتاب کے آخر میں الگ سے دے دی گئی ہے اور ترجمہ میں اصطلاحات کو عربی ناموں سے ہی ذکر کر دیا گیا ہے۔ امید ہے کہ اس انداز سے قارئین کرام کو سہولت رہے گی اور وہ اس پر مسرت کا اظہار کریں گے اور راقم الحروف اور دیگر معاونین کو اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔

قارئین کرام کی خدمت میں اس کتاب کی تمام مجلدات کو اردو کا لباس پہنا کر پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جائے گی لیکن لمحہ فکریہ ہے کہ نہ صرف عوام الناس

بلکہ علماء کرام میں بھی دینی کتب کے خریدنے کا ذوق نہ ہونے کے برابر ہے اور اشاعت کا سلسلہ اس وقت تک جاری نہیں رہ سکتا جب تک کہ شائع شدہ کتب کی فروخت کا معقول انتظام نہ ہو اور خصوصیت کے ساتھ مخیر احباب اس طرف خاص توجہ نہ فرمائیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ جس طرح دینی مدارس کی بقا کے لئے فنڈز کی ضرورت ہے اس کے بغیر ان کا وجود برقرار نہیں رہ سکتا اسی طرح اشاعتِ کتبِ اسلامیہ کے لئے بھی ضروری ہے کہ مخیّر احباب تعاون فرما کر کتاب کے کچھ نسخے خرید کر مستحق اہلِ علم اور عوام میں تقسیم کریں۔

علماءِ کرام جو خطابت کے میدان میں مصروف عمل ہیں جن کا عوام النّاس کے ساتھ گہرا رابطہ رہتا ہے ان کی خدمت میں نہایت ادب و احترام کے ساتھ گزارش کرتا ہوں کہ وہ بھی اشاعتی اداروں کے ساتھ تعاون کرنے میں فراخ دلی کا مظاہرہ کیا کریں تاکہ اشاعتِ اسلام کا یہ شعبہ بھی زندہ و تابندہ رہے اور لوگ اس چشمہ صافی سے اپنی علمی پیاس بجھاتے رہیں۔

محمد صادق خلیل

ضیاء السنۃ
ادارۃ الترجمہ و التالیف
فیصل آباد

مقدمہ پہلا ایڈیشن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ، نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ، وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنْ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَحْدَہٗ لاَ شَرِیْكَ لَہٗ، وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ:

یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلاَ تَمُوْتُنَّ اِلاَّ وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ [1]

یَآ اَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَ بَثَّ مِنْھُمَا رِجَالاً کَثِیْرًا وَّ نِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَاءَلُوْنَ بِہٖ وَ الْاَرْحَامَ ط اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا [2]

یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلاً سَدِیْدًا یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا [3]

ذکر کردہ خطبہ ہی وہ خطبہ ہے جو خطبۃ الحاجہ کے نام سے معروف ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو اس کی تعلیم فرماتے اور انہیں ہدایت کرتے کہ وہ دینِ اسلام کے جملہ معاملات میں خواہ خطبہ نکاح ہو یا خطبہ عام ہو ان میں یہی خطبہ

پڑھیں۔ اس مسئلہ میں میرا ایک مختصر سا رسالہ ہے جو اولاً مجلّہ "التمدن الاسلامی" میں اشاعت پذیر ہوا ۵۔ لیکن یہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ میرے علم کے مطابق تمام علماء نے مسنون خطبہ چھوڑ رکھا ہے۔ میں پرامید ہوں کہ وہ خطبہ مسنونہ کے احیاء کی طرف توجہ فرمائیں گے اور اس کو عام کرنے کی کوشش کریں گے۔

اما بعد! بلاشبہ سب سے سچی کتاب اللہ کی کتاب ہے اور سب سے بہتر طریقہ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کا طریقہ ہے اور (دین اسلام میں) سب سے برے کام نئے جاری کردہ کام ہیں اور ہر نیا جاری کردہ کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں ہے۔٦۔

چند سال پہلے کی بات ہے کہ میں نے مجلّہ "التمدن الاسلامی" میں "الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ واثرھا السیّئ فی الامّۃ" کے عنوان کے تحت مسلسل چند مقالات شائع کرنے کا آغاز کیا اور پھر میں نے اس سلسلہ کو جاری رکھا۔ نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس سلسلہ کی احادیث کثرت کے ساتھ پائی جاتی ہیں۔ ان کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہو کر ہزاروں تک پہنچ چکی ہے اس میں حیرانی کی کچھ بات نہیں جب کہ صرف ایک ملحد زندیق نے تقریباً چار ہزار احادیث وضع کیں اور تین شخص جو احادیث کے وضع کرنے کے میدان میں معروف ہیں انہوں نے دس ہزار سے زائد احادیث وضع کیں۔

لیکن ان احادیث کے بارہ میں قارئین کرام کیا رائے رکھتے ہیں جن کو دیگر وضاعین نے مختلف اغراض و مقاصد کے پیش نظر وضع کیا' کسی نے سیاسی اغراض کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور کسی نے قومی عصبیّت یا مذہبی حمیّت کو فروغ دینے کے لئے احادیث کو وضع کیا۔ بعض نے اپنے خیال میں تقرب الی اللہ کے جذبے کے ساتھ جھوٹ کا پلندا تیار کیا اور بعض نادان صوفیاء نے جان بوجھ کر نہیں بلکہ غلطی سے ایسی احادیث سے عوام الناس کو اپنا گرویدہ بنایا جن کی حقیقت کچھ نہیں تھی۔ اسی طرح کچھ ایسے فقہاء کا بھی نشان ملتا ہے جن کا حافظہ کمزور تھا اور جنہیں علم حدیث کے ساتھ کچھ زیادہ تعلق نہ تھا۔ ان کی جانب سے بھی موضوع احادیث کے بیان کرنے کا پتہ چلتا ہے۔ یہی وجہ ہے کثرت کے ساتھ فقہ' تفسیر' ترغیب و ترہیب' فضائل و

اعمال اور وعظ وغیرہ کی کتب میں موضوع احادیث کا سراغ ملتا ہے لیکن اللہ پاک نے ایسے علماء کو تیار کیا جنہوں نے موضوع اور ضعیف احادیث کے اسباب ضعف اور وضع کو بیان فرمایا راویوں کے عیوب کو واضح کیا اور ان کی کذب بیانیوں سے پردہ اٹھایا۔ یہی وجہ ہے کہ جب امام عبداللہ بن مبارک سے احادیث موضوعہ کے بارہ میں دریافت کیا گیا کہ ان کا موضوع ہونا کیسے معلوم ہوگا؟ تو انہوں نے فرمایا:

امام عبداللہ بن مبارکؒ کا قول: احادیثِ موضوعہ کو معلوم کرنے اور عام مسلمانوں کو ان سے آگاہ کرنے کے لئے ایسے علماء ہر دور میں موجود ہوں گے جن کی زندگی کا مشن ہی یہی ہوگا۔

علامہ ابن جوزیؒ کا قول: جب کسی شخص کے لئے ممکن نہ رہا کہ وہ قرآن پاک میں ایسی آیات کا اضافہ کرے جو فی الحقیقت قرآن میں داخل نہیں ہیں تو کچھ لوگوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں ایسی باتوں کو شامل کرنے کی کوشش کی جو باتیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہ تھیں۔ چنانچہ اللہ پاک نے ہر دور میں ایسے علماء کو پیدا فرمایا جنہوں نے احادیث کا دفاع کیا۔ صحیح کو غیر صحیح سے الگ کیا۔ البتہ اس دور میں ایسے علماء بہت کم ہیں بلکہ عنقا ہیں۔

وَقَدْ كَانُوْا اِذَا عُدُّوْا قَلِيْـلاً ،
فَقَدْ صَارُوْا اَعَزَّ مِنَ الْقَلِيْلِ

(جب ان کو شمار کیا جاتا ہے تو ان کی تعداد کم ہے لیکن (اب تو) اور زیادہ کم ہیں۔)

خیال کیجئے کہ جب علامہ ابن جوزیؒ کے دور میں ضعیف اور موضوع احادیث سے پردہ کشائی کرنے والے علماء کم تعداد میں تھے تو اس دور میں ان کی تعداد کتنی ہو گی؟ کچھ شبہ نہیں کہ وہ نہایت قلیل تعداد میں ہیں۔ اس وجہ سے ہم نے ضروری سمجھا کہ ہم امتِ مسلمہ کو ضعیف اور موضوع احادیث سے روشناس کرائیں اور مسلسل ان کی اشاعت میں سرگرم عمل رہیں تاکہ لوگ ایسی احادیث سے کنارہ کش

رہیں۔ نیز اہلِ علم کی ذمہ داری ہے کہ وہ شریعتِ اسلامی سے لوگوں کو خبردار رکھیں، کہیں وہ علم کے چھپانے کے گناہ میں ملوث نہ ہو جائیں۔ اور مجھے اس بات کے اظہار میں کچھ حجاب نہیں کہ وہ اہلِ علم جن کی بصیرت کو خواہشات کے ارتکاب نے اندھا نہیں کیا ہے وہ اس کی حقیقت سے کماحقہٗ واقف ہیں، انہوں نے علم کی شمع کو روشن رکھا ہے۔ ایسے لوگ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی احادیث کے ذخیرہ کو جھوٹ گھڑنے والوں اور دیگر لوگوں کے اقوال وغیرہ سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ خاموش تماشائی بنے رہیں اور صحیح کو غیر صحیح سے متمیّز نہ کریں چنانچہ امام عبدالرحمان بن مہدیؒ فرماتے ہیں:

امام عبدالرحمان بن مہدیؒ کا قول: مجھے یہ بات پسند ہے کہ میں اس حدیث کی علت سے واقفیت حاصل کرو جو حدیث میرے علم میں ہے بہ نسبت اس کے کہ میں ایسی حدیث کو احاطہ تحریر میں لاؤں جس کا مجھے علم نہیں تھا۔

اس کے ساتھ ساتھ اسی مناسبت سے میں یہ بات قارئین کے علم میں لانا ضروری سمجھتا ہوں کہ جب میں احادیث پر کوئی حکم لگاؤں تو میں محدثین کے وضع کردہ قواعد کے مطابق ایسا کروں گا۔ نیز محدّثین نے جس طرح احادیث پر صحت یا ضعف کے احکام صادر کئے ہیں، میں بھی ان کی روش پر چلوں گا البتہ کسی حدیث پر حکم لگانے پر ہرگز کسی کی تقلید نہیں کروں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے سامنے اسلام کا وہ درخشاں دور ہے جس میں علم حدیث کا آفتاب نصف النہار پر تھا، جس میں قواعد وضع کئے گئے اور میں اللہ پاک سے پرامید ہوں کہ وہ مجھے محدثین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے گا اور اہل اسلام کو تمام ذخیرہ احادیث یا بعض سے روشناس کرانے کی صلاحیتوں سے نوازے میرا وجدان مجھے خبردار کر رہا ہے کہ اس دور میں بھی یقیناً ایسے اہل علم سے اللہ کی زمین خالی نہیں ہے جو احادیث کے سلسلہ میں محدثین کے وضع کردہ قواعد کے مطابق احادیث پر احکام لگائیں گے۔ اور ہمیشہ محدثین کی محنت اور جدوجہد کو احترام کی نگاہ سے دیکھیں گے کہ انہوں نے انسانیت کی راہنمائی کے لئے مختلف ادوار میں گہرے غور و فکر کے بعد جو علمی منہج پیش کیا ہے وہ

اس لائق ہے کہ اس کی روشنی میں احادیث پر صحت یا ضعف کا حکم لگایا جائے۔ جب کہ مستشرقین اور دیگر اہل اسلام کے مخالف سکالرز بھی محدثین کے وضع کردہ قوانین کے بارہ میں اچھی رائے رکھتے ہیں اور ان کی جامعیت کے معترف ہیں۔ سچ ہے کہ

اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ

وہ کام یقیناً اچھا ہے جس کے اچھا ہونے کی شہادت دشمن بھی دیں۔

مختلف شہروں اور قصبوں میں رہنے والے علماء اور فضلاء کی اکثریت کے سامنے ان مقالات کی اہمیت و افادیت واضح ہو چکی ہے جب کہ ان مقالات نے انہیں بہت سی ایسی احادیث کے ضعف اور وضع کے بارہ میں معلومات بہم پہنچائی ہیں جن کو وہ صرف اس لئے صحیح سمجھتے تھے کہ وہ حدیث کی کتب میں پائی جاتی تھیں اور عوام الناس کے تمام طبقات کی زبانوں پر بھی رائج تھیں۔

اس دور میں جدید قسم کے ذرائع ابلاغ مثلاً ریڈیو' کثیرالاشاعت روزناموں اور ماہناموں وغیرہ نے مقالات کے پھیلانے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ پس غیرت مند علماء کا فرض ہے کہ وہ سنّت محمّدیہ کے تحفظ کے لئے احادیث بیان کرتے وقت یا کتابوں میں ان کا حوالہ دیتے وقت احادیث کی تحقیق میں پوری کوشش کیا کریں۔

میں نے محسوس کیا کہ علماء اور طلباء کی کثیر تعداد ان مقالات کا بڑے ذوق و شوق سے مطالعہ کرتی ہے جو احادیث ضعیفہ کے سلسلہ میں مجلّہ "التمدّن الاسلامی" میں شائع ہوتے ہیں بلکہ اس کے مستقل خریدار بن چکے ہیں تاکہ انہیں احادیث ضعیفہ کا علم ہو سکے۔ اس سے میرا حوصلہ جواں ہوا چنانچہ مقالات قسط وار شائع ہوتے رہے اور قارئینِ کرام کے خطوط میرا حوصلہ بڑھاتے رہے کہ ہمیں آپ کے مقالات کے مطالعہ سے احادیثِ ضعیفہ کا علم ہو رہا ہے۔ اب اس کے بعد ہم کبھی بھی گوارا نہیں کریں گے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کذب بیانی سے کام لیا جائے یا کم از کم آپؐ کی طرف ایسی حدیث کی نسبت کی جائے جس کی نسبت آپؐ کی طرف کرنا صحیح نہیں۔

مقالات کی افادیت کے پیش نظر کثیر تعداد میں فاضل احباب نے مجھ پر زور دیا

کہ میں ان مقالات کی اشاعت کا الگ مستقل کتاب میں اہتمام کروں تاکہ وہ اہل علم جو اس مجلّہ کا مطالعہ نہیں کر سکے ہیں انہیں بھی اس سے واقفیت حاصل ہو اور ضرورت کے وقت آسانی کے ساتھ کتاب سے استفادہ ہو سکے۔ میں یقیناً ان کے مطالبے کو شرف قبولیت سے نوازتا اور ان کی خواہش کی تکمیل کرتا اگر رکاوٹیں نہ ہوتیں۔ جب رکاوٹیں ختم ہو گئیں اور میرے لئے ان کے مطالبہ کو پورا کرنا آسان ہو گیا تو میں نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے بارہ میں ان کے حسنِ ظن کی قدر کرتے ہوئے اس کام کو سرانجام دینے کا عزم کر لیا۔

جب مجلّہ "التمدّن الاسلامی" میں چار سو سے زائد احادیث کی تحقیق اشاعت پذیر ہو گئی تو میں نے محسوس کیا کہ مسلسل اجزاء کی صورت میں ان کی طباعت کا اہتمام کیا جائے۔ ہر جزء میں ایک سو احادیث ہوں اگر مصلحت زیادہ کی متقاضی ہو تو زیادہ بھی درج کر دی جائیں۔ ایک جزء کی اشاعت کے بعد دوسرے جزء کی اشاعت کی جائے۔ علی ھذا القیاس پانچ اجزاء کو ایک جلد میں شائع کیا جائے۔

البتہ کچھ ایسی احادیث بھی تھیں جو مجلّہ "التمدّن الاسلامی" میں شائع ہو چکی تھیں ان کی تحقیق میں کچھ نئی وضاحتوں کا اضافہ مقصود تھا۔ کہیں کلام کے اسلوب میں تبدیلی ناگزیر تھی اور کہیں کسی حدیث پر پہلے حکم کو تبدیل کرنا ضروری تھا اس لئے کہ پہلا حکم درست نہ تھا یا مرجوح تھا۔ مثال کے طور پر پہلے میں نے ایک حدیث پر ضعیف کا حکم لگایا اب مزید تحقیق کے بعد اس پر ضعیفٌ جدًّا یا اس کے برعکس حکم لگایا ہے اور کہیں موضوع کی جگہ ضعیف یا اس کے برعکس کا حکم لگایا ہے اگرچہ یہ تبدیلی کچھ زیادہ نہیں تاہم دو وجوہ کی بنا پر ضروری ہو گیا کہ میں قارئین کو اس سے آگاہ کروں۔

پہلی وجہ: کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ تبدیلی مطبع کی غلطی ہے۔

دوسری وجہ: اہل علم کو یہ بتانا مقصود ہے کہ علم جمود کا متقاضی نہیں ہے علم میں مسلسل ارتقاء ہوتا رہتا ہے۔ بعض باتیں غلط ثابت ہوتی ہیں پھر راہ صواب سے آگاہی حاصل ہوتی ہے اور جب ہمیں کسی غلطی پر اطلاع حاصل ہو جاتی ہے تو ہم

غلطی پر اصرار نہیں کرتے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم نہایت خوشی کے ساتھ اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ احادیثِ ضعیفہ کے عنوان کے تحت جو مقالات نشر ہوئے اور اسلامی ممالک کے علماء کی نظروں سے گزرے ہمیں معلوم نہ ہو سکا کہ ان پر کسی عالم نے تنقید کی ہو۔ میں محسوس کرتا ہے کہ ہمیں راہِ صواب کی توفیق حاصل ہوئی ہے اور اللہ کے فضل و کرم سے ہمارا موقف صحیح ثابت ہوا اور اس کو تقویت حاصل ہوئی۔ اس لئے ہم تنقید سے محفوظ رہے یا یہ بھی ممکن ہے کہ اس دور میں اس علم کی واقفیت کم لوگوں کو حاصل ہے خصوصیت کے ساتھ اسانید پر نقد کرنا آسان کام نہیں اس میں بحث و تمحیص کا میدان خاصا وسیع ہے یا ان کے علاوہ کوئی اور سبب بھی ہو سکتا ہے۔

البتہ فضیلۃ الشیخ عبداللہ الحبشی الہروی جو دمشق میں سکونت پذیر ہیں انہوں نے ہمارے ان مقالات کو ہدف تنقید بنایا ہے چنانچہ ان کی جانب سے ایک رسالہ شائع ہوا ہے جس کا نام "التعقب الحثیث علی من طعن فیما صح من الحدیث" ہے اس رسالہ میں انہوں نے خصوصیت کے ساتھ "الاحادیث الضعیفہ" میں ذکر کردہ حدیث "نِعْمَ الذِّکرُ السبحہ" ۸ کہ تسبیح کے ساتھ ذکر کرنا بہت بہتر ہے' کو موضوع بحث بنایا ہے جس پر میں نے وضع کا حکم لگایا ہے اس حدیث کو زیر بحث لاتے ہوئے میں نے اس ضمن میں مروی دو احادیث پر جو صفیہؓ اور سعدؓ سے مروی ہیں ضعیف ہونے کا حکم لگایا ہے۔ لیکن شیخ نے کہا ہے کہ پہلی حدیث موضوع نہیں' ضعیف ہے اور دوسری دو احادیث صحیح ہیں۔ ضعیف نہیں ہیں۔ میں نے مجلہ "التمدن الاسلامی" میں اس کا رد کیا اور نہایت علمی انداز میں ان کی غلطیوں کو بیان کیا۔ بعد ازاں میں نے اس پر ایک مستقل رسالہ تالیف کیا جس کا نام "الرد علی التعقب الحثیث" رکھا۔ جو شخص حقائق سے آگاہی حاصل کرنا چاہتا ہے وہ اس رسالہ کا مطالعہ کرے۔

شیخ حبشی نے تالیف کردہ رسالہ "التعقب الحثیث" میں تحقیقی انداز میں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ایمان دار لوگ تسبیح کے دانوں پر اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ محدثین کے قواعد کی روشنی میں ہم پر تنقید کرتے جن کا ذکر

اشارتاً" پہلے گزر چکا ہے لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ شیخ حبشی اگرچہ قواعدِ علمیہ کا خیال رکھنا بھی چاہیں تب بھی ہمیشہ قواعدِ علمیہ کی روشنی میں فیصلے ثبت فرمانا ان کے لئے مشکل ہے۔ اس لئے کہ وہ ان علماء کی تقلید میں پیش پیش رہتے ہیں جن کے اقوال ان کی رائے کے مطابق ہیں اور ہمارے بارہ میں ان کا ہمیشہ سے یہی رویہ رہا ہے کہ ہم پر ان کی مخالفت کا الزام لگا کر ہمیں بدنام کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ہم ان کے کلام کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور نہایت دیدہ دلیری کے ساتھ ہم پر الزامات کی بارش کرتے ہیں۔

نیز شیخ حبشی نے اپنے اس رسالے میں غیر متعلقہ امور پر کثیر صفحات سیاہ کیے ہیں۔ جن کا ہمارے مابین ہونے والے نزاع سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے باوجود اس کے کہ رسالہ کا حجم چھوٹا ہے انہوں نے اس میں کثرت کے ساتھ ضعیف احادیث اور آثار مدرج کر دیئے ہیں۔ جن کا مفہوم یہ ہے کہ حلال کو حرام قرار دینے والا اس شخص کی مانند ہے جو حرام کو حلال قرار دینے والا ہے۔ اس حدیث کا بھی مرفوع ہونا صحیح نہیں بلکہ یہ حدیث موقوف ہے۔

شیخ حبشی کے رسالہ کا رد ہماری طرف سے مجلّہ "التمدّن الاسلامی" میں شائع ہوتا رہا۔ ابھی ہمارا رد تکمیل پذیر نہیں ہوا تھا کہ شیخ حبشی کی جانب سے "نصرۃ التعقّب" کے عنوان سے ہمارے خلاف ایک اور مراسلہ شائع ہوا اور جو درحقیقت مغالطات' گالی گلوچ اور جھوٹ کا پلندا ہے نیز ہمارا رد کرنے سے گریز کیا گیا ہے بس الٹی سیدھی باتوں سے رسالہ بھر دیا گیا ہے۔ بلکہ آخر میں مجھے خوفزدہ کیا گیا کہ اگر میں ان کی مخالفت سے باز نہ آیا اور جس علمی نہج پر میں رواں دواں ہوں اس پر چلتا رہا تو میرا خاتمہ خراب ہو گا۔

ان کے اس انداز کی وجہ سے میں نے یہی مناسب خیال کیا کہ اب ان کے رد میں قلم نہ اٹھایا جائے اور قیمتی وقت کو ضائع ہونے سے بچایا جائے۔ اس کا ذکر میں نے رد کے آخر میں کیا ہے اور ہم ان کے بعض شبہات کا ذکر اس مقام میں کریں گے جب ہم اس حدیث پر کلام کریں گے جس کا ہم نے اشارتاً ذکر کیا ہے۔

آخر میں میرے لئے ضروری ہے کہ میں اس انسان کا شکریہ ادا کروں جو اس کتاب میں ان مقالات کے دوسری بار اشاعت پذیر ہونے کا سبب بنا اور خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں کا شکریہ ادا کروں جو مجلّہ "التمدن الاسلامی" کی اشاعت میں سرگرم عمل رہتے ہیں۔ ان میں سب سے مقدم الاستاذ احمد مظہر العظمہ ہیں۔ کہ سب سے پہلے انہی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ انہوں نے مجلّہ "التمدن الاسلامی" میں ان مقالات کی اشاعت کا اہتمام فرمایا تو قارئین کو مقالات کی قدروقیمت کا احساس ہوا اور انہوں نے مستقل کتاب کی صورت میں دوبارہ ان کی اشاعت کے لئے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ ان مقالات کی اشاعت کے سلسلہ میں مجلّہ "التمدن الاسلامی" کے ناشرین اور ذمہ دار افراد کو شدید مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اور جامد قسم کے شیوخ وغیرہ (جو پسند نہیں کرتے کہ لوگوں کو اصل حقائق سے آگاہی ہو کہ کہیں شریعتِ اسلامیہ اور سنّتِ محمّدیہ سے ان کی جہالت اور ناواقفیت کا پردہ چاک نہ ہو جائے) کی طرف سے تنقید کی بوچھاڑ ہوئی لیکن بحمدِ اللہ مجلّہ کے ذمہ دار افراد نے ان مخالفتوں کو پرکاہ کی حیثیت بھی نہ دی اور نہایت خوشی کے ساتھ ان علمی مقالات کو شامل اشاعت فرماتے رہے جن کی اشاعت کو وہ اسلام کے اصولوں کے مطابق سمجھتے تھے۔

مجلّہ "التمدن الاسلامی" کے کار پردازوں کا ذکر کرتے ہوئے میں ان کی اس عظمت کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا کہ انہوں نے قارئین کی آسانی کے لئے ہمارے مقالات احادیثِ صحیحہ کو شائع کرنے کا آغاز ۱۹۷۹ء کے پہلے شمارے سے کیا۔ میں قارئین کی توجہ اس طرف مبذول کرانا مناسب سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کا بہتر بدلہ اور اسلام کی خدمت کا صلہ عطا فرمائے نیز میں اللہ پاک سے سوال کرتا ہوں کہ وہ میرے تمام عمل کو صالح اور اپنی ذات کے لئے خالص کرے اور اس میں کسی کا کچھ حصہ نہ ہو۔ بلاشبہ اللہ پاک سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔

محمد ناصرالدین الالبانی

دمشق، شام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ دوسرا ایڈیشن

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولنا محمد والہ وصحبہ اجمعین ـــــ اما بعد!

سلسلہ الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ کا یہ پہلا حصہ ہے۔ پہلے ایڈیشن کے قریب الاختتام ہونے سے قبل اس کا یہ دوسرا ایڈیشن پیش خدمت ہے۔

دمشق کے مکتب اسلامی نے اس کی دوبارہ اشاعت کا اہتمام کیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو مزید توفیق عطا فرمائے اور ایسے اہل علم کو جو اخلاص کے ساتھ اس طرح کے علمی کام میں منہمک رہتے ہیں، اللہ پاک انہیں خیر و برکت سے نوازے۔ خصوصیت کے ساتھ فاضل دوست برادر مکرم استاذ زھیر شاویش کو اللہ پاک بہتر بدلہ عطا فرمائے جو مسلسل ایسی نفع بخش اسلامی کتابوں اور اسلاف کے علمی ورثہ کی نشرواشاعت اور احیاء میں گامزن رہتے ہیں جن سے عقائد کی اصلاح ہوتی ہے نیز خرافات، بدعات جمود اور عقائد کی کمزوری سے دل و دماغ کے زنگ آلود ہونے کو صاف کرتی ہیں۔ پس ہم اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہیں کہ اللہ پاک استاذ شیخ زہیر شاویش کو مزید قوت اور نشاط عطا فرمائے اور ہماری جانب سے انہیں بہتر اجر و ثواب سے نوازے۔

محمد ناصر الدین البانی

جمعرات ۲۸/۱۲/۱۳۸۴ھ

دمشق

احادیثِ ضعیفہ اور موضوعہ کے سلسلہ میں

چند تمہیدی گذارشات

اسلام کے ابتدائی دور سے ہی مسلمانوں کو جن کٹھن مصائب سے دوچار ہونا پڑا' ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے درمیان ضعیف اور موضوع احادیث عام پھیل گئیں۔ امت کے علماء بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکے البتہ اللہ پاک نے بعض علماء کو اس سے محفوظ فرمایا۔ جن میں امام بخاریؒ' امام احمد بن حنبلؒ' امام یحییٰ بن معینؒ' امام ابوحاتم رازیؒ وغیرہ ائمہ حدیث اور ناقدین فن حدیث ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ضعیف اور موضوع احادیث کے عام پھیلنے سے بہت سے مفاسد نے جنم لیا چنانچہ اعتقادی اور غیبی امور اور تشریعی امور میں ضعیف اور موضوع احادیث عام ہو گئیں۔ آئندہ اوراق میں قارئین کے مطالعہ میں کثرت کے ساتھ ایسی احادیث آئیں گی جو ہمارے اس دعویٰ کی تصدیق کریں گی (انشاء اللہ تعالیٰ)

اللہ تعالیٰ کی ذات پاک جو علیم اور حکیم ہے' اس نے چاہا کہ وہ ایسے انسانوں کو مقرر فرمائے جو عوام الناس کے سامنے ایسے لوگوں کے حقائق کی پردہ کشائی کریں اور ان کے معاملہ کو واضح کریں جنہوں نے بعض احادیث کو اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کے لئے وضع کیا ہے اور ایسی احادیث مسلمانوں کے درمیان رواج پذیر ہو رہی ہیں۔ یہی وہ انسان ہیں جو ائمہ حدیث کے لقب سے متعارف ہیں اور سنتِ نبویہؐ کے علم بردار ہیں۔ جن کے حق میں دعا فرماتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ اس انسان کو تروتازگی عطا فرمائے جو میرے قول کو سنتا ہے اور اس کو محفوظ کر کے آگے پہنچاتا ہے' ایسے لوگ کثرت کے ساتھ موجود ہیں جو علم حدیث کو ایسے لوگوں تک پہنچاتے ہیں جو ان سے زیادہ فہم اور سمجھ رکھتے ہیں"۔[۹]

چنانچہ مذکورہ ائمہ کرامؒ نے اکثر احادیث کے احوال بیان کرنے کا اہتمام کیا اور ان کی صحت' ضعف اور وضع سے خبردار کیا اور فن حدیث کے لئے جامع اصول اور قواعد بنائے جو شخص ان اصولوں کو حفظ کرے گا اور معرفتِ تامہ حاصل کرے گا

تو اس کو تمام احادیث کے مراتب کا علم حاصل ہو جائے گا اگرچہ محدثین نے ان پر صراحتًا کوئی حکم بھی نہ لگایا ہو۔ اس علم کا نام اصولِ حدیث یا مصطلح الحدیث ہے۔

متاخرین محدثین نے احادیث کے احوال سے واقفیت حاصل کرانے کے لئے خاص کتابیں تالیف کیں۔ ان میں سے زیادہ شہرت کی حامل اور وسیع معلومات پر مشتمل حافظ سخاویؒ کی کتاب "المقاصد الحسنہ فی بیان کثیر من الاحادیث المشتہرۃ علی الالسنہ" ہے اور اس کی مثل تخریج کی دوسری کتابیں ہیں جو ان احادیث کے احوال کی خبر دیتی ہیں جو ایسے مولفین کی کتابوں میں مندرج ہیں جو محدثین کی فہرست میں شامل نہیں ہیں نیز جن احادیث کا اصل نہیں ہے جیسے حافظ زیلعیؒ کی "نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ" اور حافظ عراقی کی "المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار فی تخریج ما فی الاحیاء من الاخبار" اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی "التلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر" اور "تخریج احادیث الکشاف" اور شیخ امام سیوطیؒ کی "تخریج احادیث الشفاء" ہیں۔ یہ تمام کتابیں مطبوع ہیں۔

مزید برآں ان ائمہ کرامؒ نے (اللہ تعالیٰ ان کو جزاء خیر عطا فرمائے) بعد میں آنے والے علماء اور طلبہ کے لئے راستہ کھول دیا کہ وہ ان کتابوں کی راہنمائی میں ہر حدیث کے مرتبہ کو معلوم کریں لیکن نہایت افسوس کے ساتھ ہم اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ انہوں نے مذکورہ کتب کے مطالعہ سے روگردانی کی اور وہ ان احادیث کی کیفیت کو معلوم نہ کر سکے جن کو انہوں نے اپنے اساتذہ سے سنا تھا یا ایسی کتابوں میں دیکھا تھا جو صحیح اور ثابت شدہ احادیث کے ذکر کا اہتمام نہیں کرتے یہی وجہ ہے کہ تقریبًا جب بھی آپ کسی واعظ کی وعظ یا کسی استاذ کے خطاب یا کسی خطیب کی تقریر سنیں گے تو اس میں کچھ نہ کچھ ضعیف اور موضوع احادیث پائیں گے اور یہ مرحلہ نہایت خطرناک ہے۔ خطرہ ہے کہ کہیں وہ اس وجہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ اس وعید میں نہ آ جائیں کہ جو شخص مجھ پر جھوٹ باندھتا ہے وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنائے ۱؎۔ اس حدیث کے صحیح اور متواتر ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

یہ لوگ جو ضعیف اور موضوع احادیث لوگوں کے سامنے ذکر کر رہے ہیں

اگرچہ وہ اصالتاً تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ نہیں باندھ رہے لیکن تبعاً تو اس کے مرتکب ہو رہے ہیں اس لئے کہ وہ ایسی احادیث کو نقل کر رہے ہیں جن کے بارے میں وہ علم رکھتے ہیں کہ ان میں ایسی احادیث بھی ہیں جو ضعیف ہیں اور وہ بھی ہیں جو بالکل جھوٹ ہیں۔ اسی مقصود کی طرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی اشارہ کر رہا ہے کہ کسی انسان کے لئے اسی قدر جھوٹ کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو بیان کرے[۱۱]۔

اس کے ساتھ ساتھ امام مالکؒ اور ابن حبانؒ کا قول بھی قابل ذکر ہے۔

امام مالکؒ کا قول: حقیقت یہ ہے کہ وہ انسان محفوظ نہیں رہتا جو ہر سنی سنائی بات کو بیان کرتا ہے اور وہ شخص کبھی امام نہیں رہتا جو ہر سنی سنائی بات کو بیان کرتا ہے۔

امام ابن حبانؒ کا قول: صحیح ابن حبان میں ہے کہ وہ شخص یقیناً جہنم رسید ہو گا جو کسی بات کی نسبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتا ہے حالانکہ وہ اس کی صحت سے بے خبر ہے[۱۲]۔

اس کے بعد انہوں نے سند ذکر کرکے ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث ذکر کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا "جس شخص نے مجھ پر ایسی بات کہی جس کو میں نے نہیں کہا تو وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے۔"

اس حدیث کی سند حسن ہے اور اس کا اصل بخاری و مسلم میں ہے بعد ازاں وہ بیان کرتے ہیں کہ اب ہم وہ حدیث بیان کرتے ہیں جو اس حدیث کی صحت پر دلالت کرتی ہے۔ جس کو ہم نے پہلے باب میں اشارتاً ذکر کیا ہے۔ پھر سند ذکر کرکے سمرۃؓ بن جندب سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص میری طرف سے کوئی حدیث بیان کرتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ حدیث جھوٹ ہے تو وہ جھوٹے لوگوں میں شمار ہوگا" یہ حدیث صحیح ہے[۱۳]۔

اس کے بعد ابن حبانؒ نے کہا: دوسری حدیث کا بیان ہمارے نظریہ کی صحت پر دلالت کناں ہے۔ اس کے بعد ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی پہلی حدیث کو بیان

کیا۔

جو احادیث ہم نے ذکر کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ احادیث کی نشرواشاعت اور ان کو بیان کرنا اس وقت تک درست نہیں جب تک کہ ان کی صحت کا یقین نہ ہو جائے اور جس شخص نے اس کے برعکس کیا اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ کہا جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' "مجھ پر جھوٹ کہنا کسی عام آدمی پر جھوٹ کہنے کے برابر نہیں ہے جس شخص نے مجھ پر جھوٹ کہا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے"[۱۴]۔

اس کام کی اہمیت کے پیشِ نظر میں نے ضروری سمجھا کہ میں خود کو اس کام میں لگاؤں اور میں ایسی احادیث کے بارہ میں (عوام النّاس کو) مطلع کروں جن کو ہم اس دور میں سن رہے ہیں یا کسی متداول کتاب میں پڑھ رہے ہیں جن کا محدّثین کرامؒ کے ہاں کچھ اصل نہیں یا اصل میں ہی وہ من گھڑت ہیں شاید اس طرح وہ لوگ خیر خواہی قبول کریں یا اللہ کے عذاب سے ڈر جائیں۔

میں نے احادیثِ ضعیفہ کو کسی خاص ترتیب کے ساتھ جمع نہیں کیا بلکہ جیسے اتفاق ہوا انہیں ذکر کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اس مجموعہ کے آغاز میں دو احادیث ذکر کی ہیں جو ایک مقالہ کے مطالعہ میں مجھے معلوم ہوئیں وہ مقالہ روزنامہ "العلم" اشاعت نمبر ۲۴۰۴ میں بعض اہل علم و فضل کی طرف سے ایسی بحث کے ضمن میں اشاعت پذیر ہوا تھا جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسراء اور معراج کا تذکرہ تھا۔

وَاللّٰهُ وَلِيُّ التَّوْفِيْقِ

محمد ناصر الدین البانی

رمضان ۷۴ھ

دمشق

۱- اَلدِّيْنُ هُوَ الْعَقْلُ، وَمَنْ لاَ دِيْنَ لَهُ؛ لاَ عَقْلَ لَهُ!

دین اسلام عقل کے مطابق ہے اور جو شخص اسلام میں داخل
نہیں اس میں عقل نہیں۔

تحقیق: یہ حدیث باطل ہے' امام نسائیؒ نے اس حدیث کو "الکنی" میں ذکر کیا ہے اور امام نسائیؒ سے دولابی نے الکنی والا سماء ۲/۱۰۴" میں ابی مالک بشر بن غالب سے' اس نے زہری سے' اس نے مجمع بن جاریہ سے' اس نے اپنے چچا سے پہلے جملے "الدِّیْنُ ھُوَ الْعَقْلُ" کے علاوہ مرفوعاً ذکر کیا ہے۔ امام نسائیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث باطل اور منکر ہے۔

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں اصل آفت بشر راوی ہے جو مجہول ہے جیسا کہ ازدی نے کہا ہے اور امام ذہبیؒ نے "میزان الاعتدال فی نقد الرجال" اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "لسان المیزان" میں اس کا اقرار کیا ہے۔

اور حارثؒ بن اسامہ نے اپنی "مسند" میں داؤد بن محبر سے عقل کی فضیلت میں تیس سے کچھ اوپر احادیث ذکر کی ہیں ان تمام احادیث کو حافظ ابن حجرؒ نے موضوع قرار دیا ہے اور یہ حدیث بھی ان سے ہے جیسا کہ امام سیوطیؒ نے "ذیل اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ" ۵ف میں اس کا ذکر کیا ہے اور امام سیوطیؒ سے علامہ محمد طاہر ہندی نے "تذکرۃ الموضوعات" میں ذکر کیا ہے ۱۹ف۔

اور داؤد بن محبر "العقل" کے مؤلف کے بارہ میں امام ذہبیؒ نے کہا ہے کہ کاش! وہ اس کتاب کو تالیف نہ کرتا۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں داؤد بن محبر کو علم حدیث کا کچھ پتہ نہیں تھا۔ ابو حاتمؒ نے کہا کہ وہ "ذاہب الحدیث" ہے ثقہ نہیں ہے۔ امام دارقطنیؒ نے اسے متروک کہا ہے اور عبدالغنی بن سعید نے امام دارقطنیؒ سے بیان کیا اس نے کہا "کتاب العقل" کو میسرہ بن عبد ربہ نے وضع کیا۔ اس سے داؤد بن محبر نے اس کو چوری کیا۔ میسرہ کی اسانید کو ختم کر کے اپنی اسانید اس کے ساتھ ملا دیں اس سے عبدالعزیز بن ابی رجاء نے چوری کیا اس سے سلیمان بن عیسٰی

سجزی نے چرایا۔

اور اس بات سے آگاہ کرنا نہایت مناسب ہے کہ عقل کی فضیلت میں جس قدر احادیث وارد ہوئیں ہیں ان میں سے کوئی بھی، صحیح نہیں بلکہ یہ احادیث ضعف اور وضع کے درمیان دائر ہیں۔ ان میں سے جن احادیث کو ابوبکر بن ابی الدنیا نے اپنی تالیف "العقل و فضلہ" میں ذکر کیا' میں نے ان کی تحقیق کی تو مجھے معلوم ہوا کہ ان میں سے ایک حدیث بھی صحیح نہیں جیسا کہ میں نے اس کا پہلے ذکر کیا ہے لیکن اس کتاب کی تصحیح کرنے والے شیخ محمد زاہد الکوثری سے تعجب ہے کہ وہ ان احادیث کے بارے میں کیسے خاموش رہے ہیں جب کہ انہوں نے مؤلف کے حالات ذکر کرتے وقت ۱۷۔ اس اختلاف کی طرف اشارہ بھی کیا ہے جس کا علمی تحقیق تقاضا کرتی ہے۔ علامہ ابن قیمؒ نے "المنار" ۱۸۔ میں کہا ہے کہ عقل کی تمام احادیث جھوٹی ہیں۔

۲ - مَنْ لَمْ تَنْهَهُ صَلَاتُهُ عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ؛ لَمْ يَزْدَدْ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا بُعْدًا.

جس شخص کو اس کی نماز بے حیائی اور برے کاموں سے نہیں روکتی وہ اللہ تعالیٰ سے مزید دور ہو جاتا ہے۔

تحقیق: یہ حدیث باطل ہے' باوجود اس بات کے کہ حدیث کی شہرت زبان زد عام ہے' سند و متن کے لحاظ سے بھی یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ سند کے لحاظ سے اس حدیث کو امام طبرانیؒ نے "المعجم الکبیر" ۱۹۔ میں اور امام قضاعیؒ نے "مسند الشہاب" ۲۰۔ میں اور ابن ابی حاتمؒ نے (الجرح والتعدیل میں ذکر کیا ہے) جیسا کہ تفسیر ابن کثیر ۲۱۔ میں ہے اور "الکواکب الدراری" ۲۲۔ میں لیث سے اس نے طاؤس سے اس نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ لیکن بوجہ لیث بن ابی سلیم کے سند ضعیف ہے اس لئے حدیث ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے "تقریب التہذیب" میں لیث کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ صدوق ہے لیکن عمر کے آخری حصے میں اس کے ذہن میں

اختلاط ہو گیا۔ اور اس سے روایت کردہ احادیث میں امتیاز نہیں ہو سکتا (کہ کونسی احادیث ذہن کی خرابی سے پہلے کی ہیں اور کون سی بعد کی ہیں) اس لئے وہ متروک راوی ہے۔ اسی وجہ سے امام ہیثمیؒ نے "مجمع الزوائد" ۲۳؎ میں اس کو معلول قرار دیا ہے اور اس کے شیخ حافظ عراقیؒ نے "تخریج الاحیاء" ۲۴؎ میں اس کی سند کو لین قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس حدیث کو حافظ ابن جریرؒ ۲۵؎ نے دوسرے طریق سے ابن عباسؓ سے موقوفاً اس کا قول ذکر کیا ہے۔ یہ روایت ممکن ہے صحیح ہو اگرچہ اس کی سند میں ایسا راوی ہے جس کا نام معلوم نہیں نیز اس حدیث کو امام احمدؒ نے "کتاب الزہد" ۲۶؎ میں اور امام طبرانیؒ نے "معجم الکبیر" میں ابن مسعودؓ سے موقوفاً ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

مَنْ لَمْ تَأْمُرْهُ الصَّلَاةُ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَاهُ عَنِ الْمُنْكَرِ لَمْ يَزْدَدْ بِهَا إِلَّا بُعْدًا

جس شخص کو اس کی نماز امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم نہیں دیتی وہ اس نماز کی وجہ سے اللہ سے زیادہ دور ہوتا ہے۔

اس کی سند صحیح ہے جیسا کہ حافظ عراقیؒ نے کہا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ حدیث موقوف ہے پھر میں نے "معجم ابن الاعرابی" ۲۷؎ میں دیکھا۔ اس نے کہا، ہمیں عبداللہ بن ایوب مخرمی نے بتایا اس نے کہا، ہمیں یحییٰ بن بکیر نے اسرائیل سے اس نے اسماعیل سے اس نے حسن سے اس نے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۲۸؎

بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ... (اور سابقہ حدیث ذکر کی)

یہ حدیث مرسل ہے اور اسماعیل سے مراد اسماعیل بن مسلم ہے اگر یہ راوی ابو محمد بصری ہے تو پھر ثقہ ہے اور اگر ابو اسحاق مکی ہے تو ضعیف ہے لیکن حافظ عراقیؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث کو علی بن معبد نے "کتاب الطاعۃ والمعصیۃ" میں حسن سے مرسل، صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کی سند حسن بصریؒ راوی تک صحیح ہے لیکن اس سے

حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔ اس لئے کہ مصطلح الحدیث میں یہ بات ثابت ہے کہ جمہور علمائے حدیث کے نزدیک مرسل حدیث ضعیف حدیث کی قسم سے ہے۔ خاص طور پر جب کہ حسن بصریؒ کی مرسل حدیث ہو۔ ابن سعدؒ نے ان کے حالات بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ حسن بصریؒ عالم، فاضل اور جامعیت کا مالک تھا، عظمت والا، شان والا اور ثقہ تھا لیکن اس کی بیان کردہ مرسل روایات حجت نہیں ہیں۔

یہاں تک کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ حسن بصریؒ نے حدیث کو موصول اور مسند بیان کیا ہے اور صراحتاً لفظ "حدثنا" بیان نہیں کیا یا اس شخص سے جس سے مسند بیان کیا ہے اس سے صراحتاً سننے کا ذکر نہیں کیا جیسا کہ جب اس نے "عن سمرۃ" یا "عن ابی ہریرۃؓ" کہا ہے تو اس کی حدیث حجت نہیں ہوگی تو اس وقت حدیث کیسے حجت ہو سکتی ہے جب وہ اس کو مرسل بیان کرے؟ جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے "میزان الاعتدال" میں ذکر کیا ہے کہ حسن بصریؒ کثرت کے ساتھ تدلیس کرتے ہیں۔ جب وہ کسی حدیث میں کہیں "عن فلان" تو اس سے استدلال ضعیف ہو گا خاص طور اس شخص سے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ انہوں نے اس سے نہیں سنا۔ جیسے ابوہریرۃؓ اور اس کی مثل صحابہ ہیں پس ان کی وہ روایات جو ابوہریرۃؓ سے مروی ہیں ان کو محدثین نے منقطع کی قبیل میں شمار کیا ہے۔

علاوہ ازیں یہ حدیث حسن درجہ کی سے ہے اس کا قول بھی منقول ہے کہ اس کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں ہے۔ اسی طرح اس کو امام احمدؒ "الزہد" ۲۹ء میں لائے ہیں اور اس کی سند صحیح ہے اسی طرح ابن جریرؒ ۳۰ء نے متعدد طرق کے ساتھ حسن بصریؒ سے بیان کیا ہے اور وہ صحیح ہے۔

بعد ازاں اس حدیث کو میں نے "مسند الشہاب" ۳۱ء میں مقدام بن داؤد کے طریق سے دیکھا اس نے کہا کہ ہمیں علی بن محمد بن معبد نے (اس سند کے ساتھ جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے) حسن بصریؒ سے مرفوعا روایت کیا ہے۔ مقدام کے بارہ میں امام نسائیؒ نے کہا کہ وہ ثقہ نہیں ہے پس اگر اس روایت کو مقدام کے علاوہ کسی اور نے علی بن معبد سے روایت کیا ہے اور وہ ثقہ ہے تو سند مرسلا صحیح ہے جیسا کہ عراقیؒ سے اس طرح کا قول پہلے ذکر ہو چکا ہے ورنہ صحیح نہیں ہے۔ خلاصہ یہ

ہے کہ اس حدیث کی نسبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا درست نہیں البتہ ابن مسعودؓ اور حسن بصریؒ کا قول کہنا صحیح ہے نیز یہ ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ اسی لئے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس کا ذکر "کتاب الایمان" ۳۲۔ میں ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ سے موقوفاً کیا ہے نیز ابن عروہ نے "الکواکب" میں اس کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔

پھر میں نے دیکھا کہ حافظ ابن کثیرؒ نے اس حدیث کو عمرانؓ بن حصین' ابن عباسؓ' ابن مسعودؓ اور حسنؒ سے مرفوعا بیان کیا۔ ان تمام میں سے زیادہ صحیح ابن مسعودؓ' ابن عباسؓ' حسنؒ' قتادہؒ' اور اعمشؒ وغیرہ سے موقوف روایات ہیں۔

میں کہتا ہوں: حدیث نمبر (۱۰۰۰) میں انشاء اللہ عمرانؓ بن حصین سے حدیث ان الفاظ کے ساتھ ذکر ہوگی۔ البتہ اس میں "لَمْ يَزْدَدْ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا بُعْدًا" کی بجائے "فَلَا صَلٰوةَ لَهٗ" کے الفاظ ہیں جب کہ حدیث منکر ہے اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت شامل حال رہی تو وہاں اس کا ذکر ہو گا۔

متن حدیث کی تحقیق: حدیث کا متن صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ حدیث کا ظاہر ان لوگوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جو نماز کی ادائیگی اس کی شرائط اور ارکان کے ساتھ کرتے ہیں اس لئے کہ شریعت ایسی نماز کو صحیح کہتی ہے اگرچہ اس طرح نماز ادا کرنے والا ہمیشہ بعض گناہوں کا مرتکب ہوتا رہتا ہے پس کیسے ان کے سبب اس نما کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مزید دور ہوتا ہے؟ یہ ایسی بات ہے جو عقل کے خلاف ہے اور شریعتِ اسلامی بھی اس کی شہادت نہیں دیتی۔ اسی لئے شیخ الاسلام امام ابن تیمہ نے اس کی تاویل کی ہے کہ یہ جملہ "کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مزید دور ہو جاتا ہے" اس وقت ہے جب اس نے نماز سے جس واجب کو چھوڑا ہے وہ اس سے زیادہ عظمہ والا ہے جس کو اس نے ادا کیا ہے۔ اس کو اکثر واجب کے چھوڑنے نے اللہ تعا سے زیادہ دور کر دیا ہے بہ نسبت اس کے کہ اس کو واجب اقل کے عمل نے قریب کیا ہے۔

مؤلف کا موقف: لیکن میرے نزدیک یہ بعید از فہم ہے اس لئے کہ زیادہ

عظمت والے واجب کو چھوڑنے سے مقصود یہ ہے کہ اس نے ایسی چیز کو چھوڑا جس کے چھوڑنے سے نماز صحیح نہیں ہوتی جیسا شروط اور ارکان نماز۔ اس وقت شرعاً اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی اور یہ ظاہر نہیں ہے کہ مرفوع اور موقوف حدیث میں یہ نماز مقصود ہے بلکہ صحیح نماز مقصود ہے جس سے وہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس قول میں کیا ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ۳۳۔

اور اس کی تاکید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ جب آپؐ سے دریافت کیا گیا کہ فلاں شخص تمام رات نوافل پڑھتا رہتا ہے جب صبح ہوتی ہے تو چوری کرتا ہے آپؐ نے فرمایا' عنقریب وہ اس سے رک جائے گا جو تم کہہ رہے ہو یا آپؐ نے فرمایا' عنقریب اس کی نماز اس کو روک دے گی ۳۴۔ اس حدیث کو امام احمدؒ امام بزارؒ نے اور امام طحاویؒ نے "مشکل الآثار" ۳۵۔ میں اور امام بغویؒ نے علی بن جعد کی حدیث ۳۶۔ اور ابوبکر کلاباذی نے "مفتاح معانی الآثار" ۳۷۔ میں صحیح سند کے ساتھ ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔

غور کیجئے! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شخص بوجہ نماز کے چوری سے باز آجائے گا بشرطیکہ وہ اکمل طریقہ سے نماز ادا کرے گا۔ نماز میں خشوع اور قرأت میں غوروفکر کرے گا۔ لیکن یہ نہیں کہا کہ وہ مزید اللہ سے دور ہو جائے گا حالانکہ ابھی وہ چوری کرنے سے باز نہیں آیا۔ اس بحث سے حدیث کا سند اور متن کے لحاظ سے ضعیف ہونا ثابت ہو گیا (واللہ اعلم)

بعد ازاں مجھے معلوم ہوا کہ شیخ احمد بن محمد عزالدین بن عبدالسلام نے ابن عباسؓ سے منقول اس اثر کو اپنی کتاب "النصیحہ بما ابدتہ القریحہ" ۳۸۔ میں امام جاربردیؒ کی تفسیر سے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ ان جیسی بات کو تہدید پر محمول کرنا مناسب ہے اس لئے کہ یہ بات ارکان اور شرائط سے نہیں ہے پھر اس پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہے۔ "کہ عنقریب اس کی نماز اس کو روک دے گی" نیز شیخ احمد نے امام جاربردیؒ کے اس کلام کو درست قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس کو ظاہر پر محمول کرنا صحیح نہیں اس لئے کہ اس کا ظاہر اس مفہوم کے مخالف

ہے جو احادیث صحیحہ بیان شدہ میں ثابت ہے کہ نماز گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے۔ پس کیسے کفارہ ہوگی؟ جب کہ وہ نماز کی وجہ سے مزید اللہ سے دور ہو رہا ہے یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے۔ بعد ازاں اس نے بیان کیا کہ میں کہتا ہوں کہ حدیث کو مبالغہ اور تہدید پر محمول کرنا ممکن ہے' اس لحاظ سے کہ وہ ابن عباسؓ یا اس کے علاوہ کسی دوسرے سے موقوف ہے لیکن یہ سمجھنا کہ یہ کلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے میرے نزدیک بعید ہے (واللہ اعلم)

شیخ احمد نے بیان کیا کہ اس کی شاہد وہ حدیث ہے جو بخاری شریف میں ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کا بوسہ لیا' اس کا تذکرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا پس اللہ پاک نے یہ آیت نازل فرمائی۔

"اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ"

بلاشبہ نیک کام برے کاموں کو ختم کر دیتے ہیں۔

پھر مجھے معلوم ہوا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا ہے کہ

"یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے البتہ نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے جیسا کہ اللہ نے اس کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے۔ بہرحال نماز اس کے ادا کرنے والے کو اللہ سے دور نہیں کرتی بلکہ وہ شخص جو نماز ادا کرتا ہے وہ اس شخص سے بہتر ہے جو نماز ادا نہیں کرتا اور اس سے زیادہ اللہ کا مقرب ہوتا ہے اگرچہ وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو۔"

گویا کہ یہ ایک اشارہ ہے کہ حدیث معنی کے لحاظ سے بھی ضعیف ہے اور یہی مذہب صحیح ہے اس کا یہ کلام جس کا ذکر ہوا ہے ظاہریہ کتب خانہ میں ایک مخطوط میں محفوظ ہے۔ اور امام ذہبیؒ نے "میزان الاعتدال" میں ابن جنید سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ اس حدیث میں کذب بیانی اور ملمع سازی سے کام لیا گیا ہے۔

۳ - هِمَّةُ الرِّجَالِ تُزِيْلُ الْجِبَالَ.

لوگوں کی ہمت پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہلا دیتی ہے۔

تحقیق: یہ حدیث نہیں ہے' چنانچہ اسماعیل عجلونی "کشف الخفاء" میں فرماتے ہیں مجھے معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ حدیث ہے لیکن بعض لوگوں نے شیخ احمد غزالیؒ سے نقل کیا ہے اس نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' لوگوں کی ہمت پہاڑوں کا قلع قمع کر دیتی ہے۔ البتہ اس کی تحقیق کے لئے کتبِ حدیث کی طرف مراجعت کی جائے۔

میں کہتا ہوں: ہم نے کتب السنہ میں اس حدیث کے ان ماخذ کو تلاش کیا جہاں سے اس کے ملنے کا امکان تھا لیکن ہم اس کا اصل نہ حاصل کر پائے البتہ شیخ احمد غزالیؒ کا شمار محدثین میں نہیں ہوتا۔ وہ اپنے بھائی محمد غزالیؒ کی طرح فقہاءِ صوفیاء سے ہیں۔ ان کے بھائی کی کتاب "الاحیاء" میں ایسی احادیث کثرت کے ساتھ ہیں کہ جن کی نسبت انہوں نے یقین کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب کی ہیں۔ جب کہ وہ احادیث حافظ عراقیؒ وغیرہ کے قول کے مطابق ان احادیث میں سے ہیں جو بے اصل ہیں۔

۴ - اَلْحَدِيْثُ فِي الْمَسْجِدِ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ الْبَهَائِمُ الْحَشِيْشَ.

مسجد میں باتیں کرنا نیک اعمال کو ضائع کر دیتا ہے جیسا کہ چارپائے گھاس کو کھا جاتے ہیں۔

تحقیق: اس حدیث کا کچھ اصل نہیں ہے' امام غزالیؒ نے اس کا ذکر "الاحیاء" میں کیا ہے ۱/۱۳۶۔ "الاحیاء" کی تخریج کرنے والے حافظ عراقیؒ نے کہا ہے کہ مجھے اس کا اصل نہیں مل سکا۔ اور عبدالوہاب بن تقی الدین سبکیؒ نے "طبقات الشافعیہ" ۴/۱۴۵ میں لکھا ہے کہ مجھے اس کی سند نہیں مل سکی نیز عام طور پر زبانوں پر یہ بھی مشہور

ہے کہ مسجد میں جائز کلام کرنا بھی نیک اعمال کو ضائع کر دیتا ہے جیسا کہ آگ لکڑی کو جلا دیتی ہے اس حدیث کے باطل ہونے میں کسی عقل مند کو کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔ یہ کیسی بات ہے کہ جائز باتیں بھی مسجد میں نہیں ہو سکتیں؟

۵ - مَا تَرَكَ عَبْدٌ شَيْئًا لِلّٰهِ، لَا يَتْرُكُهُ إِلَّا لِلّٰهِ؛ إِلَّا عَوَّضَهُ مِنْهُ مَا هُوَ خَيْرٌ لَهُ فِيْ دِيْنِهِ وَدُنْيَاهُ.

جو شخص صرف اللہ کی رضا کے لئے کسی کام کو چھوڑتا ہے تو اللہ اس کے بدلے اس کو دنیا اور آخرت میں بہتر چیز سے نوازے گا۔

تحقیق: ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث موضوع ہے، میں نے اس حدیث کو دمشق کے ریڈیو سے رمضان المبارک کے مہینہ میں بھی بعض فضلاء سے سنا۔ اس حدیث کو ابو نعیمؒ نے "حلیۃ الاولیاء" ۲/۱۹۶ میں اور السلفیؒ نے "الطیوریات" ۲/۲۴۴ میں اور ابن عساکرؒ ۲/۴۵ نے عبداللہ بن سعد رقی کے طریق سے اس نے بیان کیا کہ مجھے میری والدہ مروہ بنت مروان نے بتایا اس نے کہا کہ مجھے میری والدہ عاتکہ بنت بکار نے اپنے باپ سے بیان کیا اس نے کہا کہ میں نے زہری سے سنا، وہ سالم بن عبداللہ سے بیان کرتے ہیں وہ ابن عمرؓ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (حدیث کا ذکر کیا) ابو نعیمؒ نے حدیث کے آخر میں کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

میں کہتا ہوں: اس حدیث کی سند موضوع ہے اس لئے کہ امام زہریؒ سے نیچے راویوں کا حدیث کی کسی کتاب میں ذکر نہیں ہے البتہ عبداللہ بن سعد رقی کذب بیانی میں مشہور ہے ایسا حافظ ذہبیؒ نے "میزان الاعتدال فی نقد الرجال" میں کہا ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے اس کی متابعت کرتے ہوئے "لسان المیزان" میں کہا کہ زہریؒ نے اس کو جھوٹا قرار دیا اور کہا کہ وہ احادیث وضع کیا کرتا تھا نیز احمد بن عبدان نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ اس میں ایک اور علت ہے اور وہ بکار بن محمد کا مجہول ہونا ہے۔ ابن عساکرؒ نے اس کے احوال میں اس کا ذکر کیا ہے البتہ اس کے بارہ میں جرح و تعدیل کا ذکر نہیں کیا جب کہ آخری حصہ "فِيْ دِيْنِهِ وَدُنْيَاهُ" کے علاوہ حدیث

صحیح ہے اس حدیث کو وکیع نے "الزھد" ۴۶؎ اور احمدؒ ۴۷؎ نے اور القضاعیؒ نے "مسند الشہاب" ۴۸؎ میں ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

إِنَّكَ مَنْ تَدَعْ شَيْئًا لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ إِلَّا بَدَّلَكَ اللّٰهُ بِهِ مَا هُوَ خَيْرٌ لَكَ مِنْهُ

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جب تو کسی چیز کو چھوڑ دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے تجھے بہتر صلہ عطا فرمائے گا۔

۶ - تَنَكَّبُوا الْغُبَارَ؛ فَإِنَّهُ مِنْهُ تَكُوْنُ النَّسَمَةُ.

غبار سے کنارہ کش رہو کیونکہ غبار سے سانس کی بیماری لاحق ہوتی ہے۔

تحقیق: مجھے اس حدیث کے اصل کا علم نہیں ہے' ابن الاثیرؒ نے "النہایہ" میں نسم کی تحتی میں اس کا ذکر کیا اور بیان کیا کہ یہ حدیث ہے مجھے اس کا اصل مرفوع نہیں مل سکا البتہ ابن سعدؒ نے "الطبقات الکبریٰ" ۴۹؎ میں بیان کیا کہ عبداللہ بن صالح مصری نے حرملہ بن عمران سے انہوں نے اس سے جس نے ان کو حدیث سنائی اس نے ابن سندر سے اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام سے اس نے بیان کیا کہ عمروؓ بن عاص آئے اور ابن سندر ان کے ساتھ تھا پس ابن سندر اور اس کے ساتھ ایک جماعت عمروؓ بن عاص کے آگے چل رہی تھی انہوں نے گرد و غبار اڑائی عمروؓ نے اپنی پگڑی کا کنارہ اپنے ناک پر رکھا پھر کہا کہ گرد و غبار سے بچو' یہ نہایت تیزی کے ساتھ جسم میں داخل ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ دیر کے بعد جسم سے خارج ہوتی ہے اور جب گرد و غبار پھیپھڑوں پر اثر کر جائے تو اس سے سانس کی بیماری پیدا ہوتی ہے۔ یہ موقوف حدیث بھی سند کے لحاظ سے چند اسباب کی وجہ سے صحیح نہیں ہے۔

پہلا سبب: ابن سعدؒ نے اس کو معلق بیان کیا ہے اپنے اور عبداللہ بن صالح کے درمیان واسطہ کا ذکر نہیں کیا۔

دوسرا سبب: ابن صالح راوی میں ضعف ہے اگرچہ وہ بخاری کا راوی ہے چنانچہ ابن حبانؒ نے کہا ہے کہ ابن صالح فی نفسہٖ صدوق راوی ہے اس کی احادیث میں منکر روایات اس کے ایک پڑوسی کی وجہ سے ظہور پذیر ہوئیں۔ میں نے ابن

خزیمہ" سے سنا اس نے بیان کیا کہ ابن صالح اور اس کے پڑوسی کے درمیان دشمنی تھی۔ پڑوسی ابن صالح کی طرف نسبت کرکے احادیث وضع کیا کرتا تھا اور اسے ایسے خط کے ساتھ لکھتا جو ابن صالح کے خط کے مشابہ ہوتا تھا اور لکھنے کے بعد تحریر کو ابن صالح کے گھر اس کی کتابوں میں پھینک دیتا۔ اس سے عبداللہ وہم میں مبتلا ہو جاتا اور اس کی تحریر کو اپنی سمجھ کر اس کی لکھی ہوئی احادیث اپنے نام سے بیان کرتا۔

تیسرا سبب: حرملہ اور ابن سندر کے درمیان راوی کا نام ذکر نہیں کیا گیا وہ مجہول الذات ہے۔

۷- اِثْنَتَانِ لَا تَقْرَبْهُمَا: اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ، وَالْاِضْرَارُ بِالنَّاسِ.

دو کاموں کے قریب نہ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا' اور لوگوں کو اذیت پہنچانا۔

تحقیق: اس حدیث کا کچھ اصل نہیں ہے' البتہ یہ الفاظ مشہور ہیں۔ جب کہ سنت کی کتب میں بھی مجھے یہ الفاظ نہیں مل سکے شاید اس کا اصل وہ ہے جو امام غزالیؒ کی کتاب "الاحیاء" ۵۰۔ میں ہے کہ

> نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' دو خصلتیں ایسی ہیں جن سے زیادہ بری خصلت کوئی دوسری نہیں ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور دوسرا اللہ تعالیٰ کے بندوں کو تکلیف دینا۔ اور دو خصلتیں ایسی ہیں جن سے زیادہ بہتر کوئی خصلت نہیں ایک اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنا اور دوسرا اللہ تعالیٰ کے بندوں کو فائدہ پہنچانا۔

اس حدیث کا اصل معلوم نہیں۔ حافظ عراقیؒ نے اس کی تخریج میں کہا ہے اس حدیث کو "الفردوس" کے مولف نے حضرت علیؓ کی احادیث میں ذکر کیا ہے۔ لیکن اس کے بیٹے نے اس کو اس کی مسند میں ذکر نہیں کیا۔ اسی لئے سبکیؒ نے اس حدیث کو ان احادیث میں ذکر کیا ہے جو "الاحیاء" میں مذکور ہیں اور ان کی اسانید نہیں

ہیں۔ ۵۱۔

۸۔ اِعْمَلْ لِدُنْيَاكَ كَأَنَّكَ تَعِيْشُ أَبَدًا، وَاعْمَلْ لِآخِرَتِكَ كَأَنَّكَ تَمُوْتُ غَدًا.

اپنی دنیا کے حصول کے لئے اس طرح عمل کیجئے کہ جیسے آپ نے
ہمیشہ زندہ رہنا ہے اور اپنی آخرت کے حصول کے لئے اس طرح
عمل کیجئے کہ جیسے آپ نے کل فوت ہو جانا ہے۔

تحقیق: اس حدیث کا مرفوعاً کچھ اصل نہیں ہے' اگرچہ بعد کے دور میں یہ زبانوں پر مشہور ہوئی۔ یہاں تک کہ شیخ عبدالکریم عامری غزی نے اس کو اپنی تالیف "الجد الحثیث فی بیان مالیس بحدیث" میں ذکر نہیں کیا البتہ میں نے اس کا اصل موقوف روایت سے معلوم کیا ہے۔ اس کو ابن قتیبہؒ نے "غریب الحدیث" ۵۲۔ میں ذکر کیا ہے کہ مجھے امام سجستانیؒ نے حدیث بیان کی' اس نے بیان کیا کہ مجھے اصمعی نے بتایا اس نے حماد بن سلمہ سے اس نے عبید اللہ بن عیزار سے' اس نے عبداللہؓ بن عمرؓ سے اس نے موقوفاً ذکر کیا البتہ "اعمل" کی بجاء لفظ "احرث" ذکر کیا ہے جب کہ عبید اللہ بن عیزار کے حالات بھی معلوم نہیں ہو سکے اور اس کو ابن المبارکؒ نے "الزھد" ۵۳۔ میں دوسرے طریق سے بیان کیا کہ ہمیں محمد بن عجلان نے خبر دی کہ عبداللہؓ بن عمروؓ بن عاص نے بیان کیا راوی نے اس کو موقوفاً ذکر کیا اور یہ منقطع ہے نیز وہ حدیث مرفوعاً بھی ہے۔ بیہقی نے "سنن" ۵۴۔ میں ابو صالح کے طریق سے اس نے کہا کہ ہمیں لیث نے بتایا اس نے ابن عجلان سے اس نے عمرؒ بن عبدالعزیز کے غلام سے اس نے عبداللہؓ بن عمروؓ بن عاص سے اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ آپؐ نے فرمایا مکمل اول حدیث کی مثل بیان کیا' البتہ اس کے آغاز میں درج ذیل الفاظ ہیں کہ

"یہ دین مضبوط ہے اس میں ترقی اختیار کر' اور اپنے رب کی عبادت کو برا نہ سمجھ' بے شک وہ انسان جو تھک کر سفر کرنے سے انکار کر دیتا ہے' نہ

اس نے غرکو پورا کیا اور نہ ہی اپنی سواری کا خیال کیا۔ پس اس انسان جیسا عمل کر جو خیال کرتا ہے کہ وہ کبھی فوت نہیں ہوگا اور اس انسان کی مانند احتیاط کر جو کل فوت ہو جائے گا۔"

لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ اس میں دو علتیں ہیں۔ مولیٰ عمر بن عبدالعزیز مجہول راوی ہے اور ابوصالح بھی ضعیف راوی ہے اور یہ عبداللہ بن صالح ہے جو لیث کا کاتب ہے جیسا کہ حدیث نمبر۶ میں اس کا بیان ہوا۔

پھر اس حدیث کا سیاق اس بات میں صریح نہیں ہے کہ عمل مذکور سے مراد دنیا کا عمل ہے بلکہ بظاہر آخرت کا عمل ہے اور مقصود اس سے استمرار اور دوام پر رغبت دلانا ہے کہ عمل صالح کرتے رہو اور اس کو ترک نہ کرو۔ اس کی مثل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہتر عمل ہیشگی والا ہے اگرچہ وہ قلیل ہو" ۵۵۔ (واللہ اعلم)

اس کے ساتھ ساتھ ابن عمروؓ کی حدیث کا اول نصف جس کو بزارؒ نے "کشف الاستار" میں جابرؓ کی حدیث سے بیان کیا۔ امام ہیثمیؒ نے "مجمع الزوائد" میں کہا کہ اس کی سند میں یحیٰی بن متوکل ابوعقیل ہے اور وہ کذّاب ہے لیکن اس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مستغنی کر رہا ہے کہ دینِ اسلام آسان ہے کوئی شخص دینِ اسلام پر تکلف کے ساتھ چلنا چاہے گا تو دینِ اسلام پر غالب آ جائے گا پس صحیح راہ اختیار رکھو' میانہ روی اختیار کرو اور خوش رہو۔ اس کو امام بخاریؒ نے "صحیح" میں ابوہریرہؓ سے مرفوعاً ذکر کیا۔

نیز یہ حدیث اس طرح دوسرے طریق سے بھی مروی ہے اور آئندہ اوراق میں "أَصْلِحُوْا دُنْيَاكُمْ" اپنی دنیا کی اصلاح کرو' کے الفاظ کے ساتھ ذکر ہوگی ۵۶۔

۹ - أَنَا جَدُّ كُلِّ تَقِيٍّ.

میں تمام پرہیزگاروں کی خوش بختی کا محور ہوں۔

تحقیق: اس حدیث کا کچھ اصل نہیں ہے' اس حدیث کے بارہ میں امام سیوطیؒ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا' میں اس کو نہیں جانتا' اس بات کا ذکر ان کی

کتاب "الحاوی للفتاوی" ۵۷ میں ہے۔

۱۰- اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يَرٰى عَبْدَهٗ تَعِبًا فِى طَلَبِ الْحَلَالِ.

بے شک اللہ تعالیٰ محبوب جانتا ہے کہ وہ اپنے بندے کو طلبِ
حلال میں تھکا ہوا دیکھے۔

تحقیق : یہ حدیث موضوع ہے' اس حدیث کو ابو منصور دیلمیؒ نے "مسند الفردوس" میں علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ذکر کیا ہے۔ حافظ عراقیؒ نے بیان کیا ۵۸۔ کہ اس کی سند میں محمد بن سہل عطار ہے۔ امام دارقطنیؒ نے کہا کہ محمد بن سہل احادیث وضع کیا کرتا تھا۔

میں کہتا ہوں : یہ ان موضوع احادیث میں سے ہے جن کو درج کرکے امام سیوطیؒ نے اپنی کتاب "الجامع الصغیر" کو محدثین کی نظروں سے گرا دیا ہے۔ ان کا یہ طرزِ عمل اس شرط کے خلاف ہے جس کا انہوں نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔ امام سیوطیؒ نے کہا کہ میں نے کتاب کو ان احادیث سے محفوظ رکھا ہے جن میں راوی وضّاع' کذّاب یا متفرّد ہے بلاشبہ امام سیوطیؒ (اللہ پاک ہم کو اور ان کو معاف فرمائے) نے اپنے اوپر عائد کردہ شرط کا ایفاء نہیں کیا۔ میرا پختہ ارادہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں توفیق دی تو ہم اس کتاب کو ان احادیث سے پاک صاف کر دیں گے اور ان کو ایک کتاب میں جمع کرکے اس کی طباعت کا انتظام کریں گے تاکہ لوگ اس سے کنارہ کش رہیں ۵۹۔

اس کے ساتھ ساتھ شیخ عبدالرؤف مناویؒ نے "فیض القدیر شرح الجامع الصغیر" میں اس حوالہ کو نقل کرنے کے بعد (جس کو میں نے عراقی سے نقل کیا ہے) کہا ہے' مصنف کے لئے ضروری تھا کہ اس کو حذف کرتے۔

۱۱- اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا.

مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔

تحقیق : یہ حدیث ضعیف ہے' اس حدیث کو امام دارمیؒ ۶۰ نے عبداللہ بن یزید

کے طریق سے اور وہ ابو عبدالرحمان المقری ہے اور ابن وہبؒ نے "المسند"۶۱ میں اور عبداللہ بن مبارکؒ نے "الزہد"۶۲ میں اور ان سے حارثؒ نے اپنی "مسند"۶۳ میں اس کے زوائد سے اور طیالسیؒ ۶۴ سب نے عبدالرحمان بن زیاد بن انعم سے اس نے عبدالرحمان بن رافع سے اس نے عبداللہؓ بن عمروؓ سے' اس نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو مجلسوں کے پاس سے گزرے جو مسجد نبویؐ میں تھیں آپؐ نے فرمایا' دونوں مجلسیں خیر پر ہیں اور ان دونوں میں سے ایک مجلس دوسری مجلس سے بہتر ہے البتہ ایک مجلس والے اللہ سے دعا کرتے ہیں اور اس کی طرف میلان رکھتے ہیں' اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کو دیتا ہے اگر چاہے تو روک لیتا ہے اور دوسری مجلس والے علم و فقہ سیکھتے ہیں اور جاہلوں کو تعلیم دیتے ہیں لہذا یہ افضل ہیں اور مجھے بھی تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔

اس حدیث کی سند ضعیف ہے اس لئے کہ عبدالرحمان بن زیاد اور ابن رافع دونوں راوی ضعیف ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے "تقریب" میں ذکر کیا ہے۔ اور اس حدیث کو ابن ماجہؒ ۶۵ نے داؤد بن زبرقان کے طریق سے اس نے بکر بن خنیس سے اس نے عبدالرحمان بن زیاد سے اس نے عبداللہؓ بن عمروؓ سے اس کو ذکر کیا۔

لیکن اس کی سند پہلی حدیث کی سند سے بھی زیادہ ضعیف ہے اس لئے کہ عبداللہ بن یزید سے نیچے جتنے رواۃ ہیں وہ سب ضعیف ہیں انہوں نے ثقہ رواۃ کی مخالفت کی ہے۔ ان تمام نے یا ان میں سے ایک نے عبداللہ بن یزید المعافری (ثقہ راوی) کو عبدالرحمان بن رافع ضعیف راوی کی جگہ پر رکھا ہے۔ امام بوصیریؒ نے "الزوائد"۶۶ میں ذکر کیا ہے کہ اس حدیث کی سند میں داؤد' بکر اور عبدالرحمان ضعیف راوی ہیں۔ عراقیؒ نے "تخریج الاحیاء" میں اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

موجودہ دور میں بعض صوفیاء حلقے باندھ کر ہائے ہو کرتے ہیں اور دائیں بائیں اور آگے پیچھے جسم اور سر گھماتے ہیں اس پر وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ یہ طریقہ باتفاق فقہاء متقدمین جائز نہیں نیز حدیث بھی صحیح نہیں ہے جیسا کہ آپ معلوم کر چکے ہیں' حدیث میں مخصوص انداز میں حلقہ بندی کا ذکر نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس حدیث سے اجتماعی ذکر کے جواز کا ثبوت ملتا ہے جب کہ اس کے

اثبات میں احادیثِ صحیحہ بھی ملتی ہیں جو مسلم شریف اور دیگر کتب احادیث میں موجود ہیں وہ ہمیں اس ضعیف حدیث سے مستغنی کر دیتی ہیں ان احادیث سے صرف مطلق اجتماع کا ثبوت ملتا ہے اور حلقہ باندھ کر ذکر کرنا نیز رقص کرنا یہ سب بدعات اور گمراہی کے کام ہیں' اسلامی شریعت ان سے محفوظ ہے۔

۱۲- اَوْحَى اللّٰهُ اِلَى الدُّنْيَا اَنِ اخْدِمِىْ مَنْ خَدَمَنِىْ، وَاتْعِبِىْ مَنْ خَدَمَكِ.

اللہ نے دنیا کو وحی کی کہ تو اس کی خادم بن جو میرا خادم بنا اور اس کو تھکا دے جو تیرا خادم بنے۔

تحقیق: یہ حدیث موضوع ہے' اسے خطیب بغدادیؒ نے "تاریخ بغداد" ۶۷ے میں مذکور الفاظ کے ساتھ اور امام حاکمؒ نے "معرفۃ علوم الحدیث" ۶۸ے میں کئی طرق کے ساتھ حسین بن داؤد بن معاذ البلخی سے اس نے کہا کہ ہمیں منصور نے بتایا اس نے ابراہیم سے اس نے علقمہ سے' اس نے عبداللہؓ بن مسعود سے مرفوعا ذکر کیا۔ خطیب بغدادیؒ نے کہا کہ اس روایت میں حسینؒ' فضیل سے روایت بیان کرتا ہے' وہ متفرد ہے اور یہ حدیث موضوع ہے۔ حسین بن داؤد کے علاوہ سب راوی ثقہ ہیں البتہ حسین بن داؤد ثقہ نہیں ہے۔ اس نے یزید بن ہارون سے ایک کتابچہ ذکر کیا اس نے حمید سے اس نے انسؓ سے ... اس کتابچے کی اکثر احادیث موضوع ہیں۔

۱۳- اَهْلُ الشَّامِ سَوْطُ اللّٰهِ فِىْ اَرْضِهٖ يَنْتَقِمُ بِهِمْ مِمَّنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَحَرَامٌ عَلٰى مُنَافِقِيْهِمْ اَنْ يَّظْهَرُوْا عَلٰى مُؤْمِنِيْهِمْ، وَلَا يَمُوْتُوْا اِلَّا غَمًّا وَهَمًّا.

شام کے باشندے اللہ کی زمین پر اس کا دُرّہ ہیں۔ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس سے چاہتا ہے انتقام لیتا ہے ان کے منافقین ان کے ایمانداروں پر غلبہ نہیں پا سکتے وہ اس سے روکے

گئے ہیں اور وہ فکر و غم ہی کی حالت میں مریں گے۔

تحقیق: یہ حدیث ضعیف ہے' امام طبرانیؒ نے اسے "معجم الکبیر" میں دو طریق سے روایت کیا ہے۔ ولید بن مسلم سے' اس نے محمد بن ایوب بن میسرہ بن حلبس سے' اس نے اپنے والد سے' اس نے خریمؓ بن فاتک اسدی سے جو صحابی ہیں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپؐ فرماتے تھے... (مذکورہ حدیث ذکر کی)

یہ سند ظاہراً صحیح ہے۔ شاید اسی لئے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس کے ساتھ "فضائل الشام" کی فصل ۶۹۔ میں استدلال کیا ہے لیکن یہ حدیث صحیح نہیں ہے اس کے دو سبب ہیں۔

پہلا سبب: ولید راوی مدلس ہے اور وہ لفظ عن سے روایت کرتا ہے۔ امام ذہبیؒ نے "میزان" میں کہا ہے کہ جب ولید' ابن جریج یا اوزاعی سے لفظ عن کے ساتھ روایت بیان کرے تو وہ لائق اعتبار نہیں ہے اس لئے کہ وہ کذاب راویوں سے بھی تدلیس کے ساتھ روایت بیان کرتا ہے البتہ جب وہ "حدثنا" کہے تو وہ حجت ہے نیز حافظؒ نے "تقریب" میں بیان کیا ہے کہ یہ راوی ثقہ ہے لیکن کثرت کے ساتھ تدلیس کرتا ہے۔

دوسرا سبب: اس کا موقوف ہونا ہے۔ اس حدیث کو ہیثم بن خارجہ نے موقوفاً بیان کیا ہے اس نے کہا کہ ہمیں محمد بن ایوب نے خریم سے موقوفاً بیان کیا ہے۔

اس کو احمدؒ ۷۰۔ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے نیز امام ابن تیمیہؒ کو وہم ہوا ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے جب کہ یہ مرفوع نہیں ہے نیز اس حدیث کو امام منذریؒ نے "الترغیب و الترہیب" ۷۱۔ میں ذکر کیا اور کہا کہ اس حدیث کو امام طبرانیؒ نے مرفوعاً اور امام احمدؒ نے موقوفاً ذکر کیا ہے اور اس حدیث کا موقوف ہونا صحیح معلوم ہوتا ہے جب کہ ان دونوں کے رواۃ ثقہ ہیں۔

۱۴ - اِیَّاکُمْ وَخَضْرَاءَ الدِّمَنِ، فَقِیْلَ وَمَا خَضْرَاءُ الدِّمَنِ؟ قَالَ: اَلْمَرْاَۃُ الْحَسْنَاءُ فِی الْمَنْبِتِ السُّوْءِ.

تم خود کو بظاہر سبزہ زاروں سے بچاؤ۔ آپؐ سے دریافت کیا گیا کہ بظاہر سبزہ زاروں سے کیا مقصود ہے؟ آپؐ نے فرمایا' اس سے مقصود حسین عورت ہے جس کے اخلاق اچھے نہیں ہیں۔

تحقیق: یہ نہایت ضعیف روایت ہے' اسے امام قضاعیؒ نے "مسند الشہاب" میں واقدی کے طریق سے بیان کیا ہے' اس نے کہا کہ ہمیں یحیٰی بن سعید بن دینار نے بیان کیا اس نے ابو وجزہ یزید بن عبید سے اس نے عطاء بن یزید لیثی سے' اس نے ابوسعید خدریؓ سے بیان کیا۔ نیز امام غزالیؒ نے اس کو "الاحیاء" ۲/۷۔ میں ذکر کیا ہے اور "الاحیاء" کی تخریج کرنے والے عراقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو امام دار قطنیؒ نے "الافراد" میں اور رامہرمزیؒ نے "الامثال" میں ابوسعید خدریؓ سے بیان کیا ہے۔ امام دارقطنیؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں واقدی راوی متفرد ہے اور وہ ضعیف ہے۔ اس کی مثل ابن الملقنؒ نے "خلاصہ البدر المنیر" ۳/۷۔ میں بیان کیا۔

میں کہتا ہوں: واقدی راوی متروک ہے۔ اس راوی کو امام احمدؒ' امام نسائیؒ اور ابن المدینیؒ وغیرہ نے کذاب کہا ہے لیکن آپ اس دھوکے میں نہ آئیں کہ بعض متعصب قسم کے علماء جنہوں نے ان کی بعض کتب پر پیش لفظ تحریر کئے اور دیگر حنفی علماء جو اس کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ محدثین کے ہاں مشہور قاعدے کے خلاف ہے کہ "واضح جرح کو تعدیل پر مقدم کیا جائے۔"

۱۵۔ اَلشَّامُ كِنَانَتِي، فَمَنْ اَرَادَهَا بِسُوْءٍ؛ رَمَيْتُهُ بِسَهْمٍ مِنْهَا.

شام کا ملک میرا ترکش ہے جو شخص اس کے ساتھ برا سلوک کرنے کا ارادہ کرے گا میں اس پر اس ترکش سے ایک تیر پھینکوں گا۔

تحقیق: اس حدیث کا اصل مرفوعاً ثابت نہیں ہے' شاید یہ حدیث اسرائیلی روایات سے ہے چنانچہ ابوالحسن ربعیؒ نے "فضائل الشام" ۳۳ میں عون بن عبداللہ بن عتبہ سے بیان کیا اس نے کہا میں نے ان کتابوں میں دیکھا ہے جن کو اللہ

تعالیٰ نے بعض انبیاء علیہ السلام پر نازل فرمایا کہ اللہ عز و جل نے فرمایا' "شام کا ملک میرا ترکش ہے جب میں کسی قوم پر ناراض ہوتا ہوں تو اس ترکش سے ایک تیر پھینک دیتا ہوں۔" اس کی سند میں مسعودی ہے اس کا نام عبدالرحمان بن عبداللہ ہے اور وہ ضعیف ہے اس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا' اسے اختلاط ہو جاتا تھا۔ نیز سند میں دیگر راویوں کے حالات کا مجھے علم نہیں ہو سکا۔ اسی مفہوم کی ایک ضرب المثل مصر کے بارہ میں بھی مروی ہے مرفوع طور پر اس کا بھی کچھ اصل نہیں جیسا کہ امام سخاویؒ نے "المقاصد الحسنہ" میں اس کا اشارہ کیا ہے۔

۱۶- صِنْفَانِ مِنْ أُمَّتِیْ إِذَا صَلُحَا صَلُحَ النَّاسُ: اَلْاُمَرَاءُ وَالْفُقَهَاءُ، وَفِیْ رِوَایَةٍ: اَلْعُلَمَاءُ.

میری اُمّت میں دو قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ جب وہ درست ہوں گے تو لوگ بھی درست رہیں گے' وہ امراء اور فقہاء ہیں۔ ایک روایت میں صرف علماء کا لفظ ہے۔

تحقیق : یہ حدیث موضوع ہے' اس حدیث کو تمامؒ نے "الفوائد" ۷۵۔ میں' ابونعیمؒ نے "الحلیہ" ۷۶۔ میں اور ابن عبدالبرؒ ۷۷۔ نے "جامع بیان العلم" میں محمد بن زیاد یشکری سے اس نے میمون بن مہران سے' اس نے ابن عباسؓ سے مرفوعاً بیان کیا۔

اس حدیث کی سند من گھڑت ہے' امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ محمد بن زیاد کذاب' بھینگا اور احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ اور ابن معینؒ اور امام دارقطنیؒ نے اس کو کذاب کہا ہے نیز ابوزرعہؒ وغیرہ نے بھی اس کو کذّاب کہا ہے۔

اس حدیث کو امام سیوطیؒ نے "الجامع" میں اپنے شرائط کے خلاف ذکر کیا ہے اور امام غزالیؒ نے "الاحیاء" ۷۸۔ میں یقین کے ساتھ اس کی نسبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی ہے اور اس کی تخریج کرنے والے حافظ عراقیؒ نے اس حدیث کی نسبت ابن عبدالبرؒ وغیرہ کی طرف کرتے ہوئے اس کی سند کو ضعیف کہا

ہے۔

تنبیہ: حافظ عراقیؒ کے قول اور ہمارے قول ایک دوسرے کی نفی نہیں کرتے اس لئے کہ موضوع حدیث بھی ضعیف حدیث کی اقسام سے ہے جیسا کہ یہ بات مصطلح الحدیث کی کتابوں میں ثابت شدہ ہے۔

۱۷- مَنْ أَذْنَبَ وَهُوَ يَضْحَكُ، دَخَلَ النَّارَ وَهُوَ يَبْكِيْ.

جو شخص گناہ کرتا ہوا ہنستا رہا وہ روتا ہوا دوزخ میں داخل ہوگا۔

تحقیق: یہ حدیث محمد بن زیاد کی من گھڑت احادیث میں سے ہے' اس حدیث کو بھی ابو نعیمؒ نے بیان کیا ہے اس نے کہا' ہمیں محمد بن زیادہ یشکری نے بتایا کہ مذکورہ سند کے ساتھ یہ روایت ان احادیث سے ہے جن احادیث کو ذکر کرکے امام سیوطیؒ نے اپنی کتاب "الجامع الصغیر" کو عیب ناک بنایا ہے اور اس کے شارح امام مناویؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے راویوں میں عمر بن ایوب ہے۔ امام ذہبیؒ نے بیان کیا کہ ابن حبانؒ نے اس کو مجروح قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس عمر سے مراد مزنی ہے جس کو امام دارقطنیؒ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ جیسا کہ "میزان" اور "لسان المیزان" میں ہے پس اس کو یشکری کہنا زیادہ مناسب ہے۔ پھر میں نے اس کو "الحلیہ" ۹/۷ میں دیکھا کہ یہ حدیث بکر بن عبداللہ مزنی کا قول ہے اور یہی بات درست ہے۔

۱۸- اِتَّخِذُوا الْحَمَامَ الْمَقَاصِيْصَ، فَإِنَّهَا تُلْهِي الْجِنَّ عَنْ صِبْيَانِكُمْ.

پر کٹے کبوتروں کو پال رکھو اس لئے کہ وہ تمہارے بچوں سے جنوں کو غفلت میں ڈالیں گے۔

تحقیق: یہ حدیث بھی محمد بن زیاد یشکری کی احادیث سے ہے' جو کذاب ہے۔ اس حدیث کو ابن عدیؒ نے "الکامل" میں ۸۰ ۔ اور خطیب بغدادیؒ ۸۱ ۔ نے محمد بن

زیاد کے طریق سے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث بھی "الجامع الصغیر" کی احادیث سے ہے اس نے اس کی نسبت خطیب بغدادیؒ کی طرف کی ہے اور دیلمیؒ نے "مسند الفردوس" میں ابن عباسؓ سے اور ابن عدیؒ سے بیان کیا ہے۔

"الجامع الصغیر" کے شارح امام مناویؒ اس کا تعاقب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "اس حدیث میں وضاحت یہ ہے کہ اس کی تخریج کرنے والے خطیب بغدادیؒ نے اس کی تخریج کی ہے اور خاموشی اختیار کی ہے جب کہ حقیقت اس کے خلاف ہے" اس نے حدیث کو احمدؒ' ابن معینؒ اور ان کے علاوہ (کئی دوسروں) سے نقل کرتے ہوئے کہا کہ محمد بن زیاد راوی کذاب ہے' وہ احادیث وضع کیا کرتا تھا نیز حافظ ابن حجرؒ نے اس کے بارہ میں کہا ہے کہ اس حدیث میں محمد بن زیاد یشکری راوی کو محدثین نے کذاب کہا ہے اور "میزان" میں کذاب اور وضاع کے الفاظ ہیں بعد ازاں اس سے مروی اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور ابن عدیؒ نے اس روایت کو عثمان بن مطر سے اس نے ثابت سے اس نے انسؓ بن مالک سے روایت کی۔ امام ذہبیؒ نے "میزان الاعتدال" میں ابن حبانؒ سے اس کی سند ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ وہ ثقہ راویوں سے احادیث وضع کرتا تھا اسی لئے ابن جوزیؒ نے اس پر احادیث وضع کرنے کا حکم لگایا ہے اور مؤلف نے "مختصر الموضوعات" میں اس کی پیروی کی ہے اور خاموشی اختیار کی ہے اور اس سے اس حدیث کو "الکبیر" میں بیان کیا ہے اور اس کو برقرار رکھا حالانکہ اسے چاہئے تھا کہ وہ کتاب سے اسے حذف کرتا' شرائط کا تقاضا بھی یہی تھا۔ جن محدثین نے اس کے موضوع ہونے کو یقینی کہا ہے ان میں ابن عراقؒ اور ہندیؒ وغیرہ ہیں۔

میں کہتا ہوں: ان میں امام ابن قیمؒ بھی شامل ہیں تفصیل کے لئے المنار دیکھیں ۸۱۔

۱۹- زَيِّنُوْا مَجَالِسَ نِسَائِكُمْ بِالْمِغْزَلِ.

تم اپنی عورتوں کی محفلوں کو چرخے سے آراستہ کرو۔

تحقیق: یہ حدیث موضوع ہے' اس حدیث کو ابن عدیؒ ۸۲۔ اور خطیب بغدادیؒ ۸۳۔ نے یشکری (کذاب) سے متقدم سند کے ساتھ ابن عباسؓ سے مرفوعا ذکر کیا

ہے۔ ابن عدیؒ کا قول ہے کہ یشکری (کذاب) راوی کا معاملہ ضعیف ہونے کے لحاظ سے ظاہر ہے۔ وہ میمون سے منکر روایات ذکر کرتا ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا (اس سے منکر روایات ذکر) نہیں کرتا نیز ثقہ راویوں میں سے کوئی راوی اس کی ان روایات کی متابعت نہیں کرتا۔

اور ابن جوزیؒ نے "موضوعات" میں خطیب بغدادیؒ کے طریق سے اس کا ذکر کیا ہے۔ اور امام سیوطیؒ ۸۵ نے "اللآلی" میں اس کا ذکر کیا ہے۔

۲۰- زَیِّنُوْا مَوَائِدَكُمْ بِالْبَقْلِ؛ فَإِنَّهُ مَطْرَدَةٌ لِلشَّيْطَانِ مَعَ التَّسْمِيَةِ.

دسترخوان کو سبزیوں سے سجایا کرو۔ اس سے اور بسم اللہ پڑھنے سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔

تحقیق: یہ حدیث موضوع ہے' اس حدیث کو عبدالرحمٰن بن نصر دمشقی نے "الفوائد" ۸۶ میں' ابو نعیمؒ نے "اخبارِ اصبہان" ۸۷ میں اور ان کے علاوہ (کئی دوسروں نے) علاء بن مسلم کے واسطہ سے اس نے اسماعیل بن مغراء کرمانی سے اس نے ابن عباسؓ سے اس نے برد سے اس نے مکحول سے اس نے ابو امامہؓ سے مرفوعاً بیان کیا۔

میں کہتا ہوں: یہ حدیث موضوع ہے' اس کا اصل سبب علاء راوی ہے۔ امام ذہبیؒ نے "میزان الاعتدال" میں ازدی کا قول ذکر کیا ہے کہ علاء راوی سے روایت کرنا درست نہیں اس لئے کہ وہ جو حدیث بھی بیان کرتا اسے کچھ خیال نہ ہوتا تھا کہ وہ کیا بیان کر رہا ہے۔ ابن طاہر نے کہا کہ وہ احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ راویوں سے وضع کرتا تھا۔ اور ابن حبانؒ کا تمام قول جیسا کہ "تہذیب" میں ہے اس سے دلیل پکڑنا جائز نہیں۔ اس حدیث کے ساتھ امام سیوطیؒ نے اپنی کتاب "جامع" کو عیب ناک کیا ہے۔ اس نے "ضعفاء" میں ابن حبانؒ کے طریق اور دیلمیؒ نے "مسند الفردوس" میں ابو امامہؓ سے روایت کیا ہے اس کے شارح امام مناویؒ کا قول ہے کہ اس حدیث میں اسماعیل بن عیاش راوی مختلف فیہ

ہے جو برد بن سنان سے روایت کرتا ہے۔ امام ذہبیؒ نے اس کا ذکر "ضعفاء" میں کیا ہے اور ابو نعیمؒ نے اس سے روایت کیا ہے اور اس نے دیلمیؒ سے بالصراحت لیا۔ اگر وہ اس روایت کو اس کی طرف منسوب کر دیتا تو نہایت مناسب تھا۔

میں کہتا ہوں : شارح امام مناویؒ نے دور کا راستہ اختیار کیا ہے۔ دراصل حدیث کی علت کا سبب وہ راوی ہیں جو ان رواۃ سے نیچے ہیں۔ جن کا اس نے ذکر کیا ہے جیسا کہ آپ معلوم کر چکے ہیں۔ نیز ابن جوزیؒ نے اس کو "موضوعات" میں ابن حبان کے طریق سے اس نے علاء بن مسلمہ سے بیان کیا ہے۔ پھر ابن جوزیؒ نے کہا کہ اس حدیث کا اصل نہیں ہے' علاء راوی احادیث وضع کرتا ہے..... لیکن امام سیوطیؒ نے "اللآلی" ۸۸۔ میں اس کا تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں : یہ تعاقب بے فائدہ ہے جب کہ راوی کا مجروح ہونا ثابت ہے۔ امام ترمذیؒ کا اس سے روایت کرنا اس کی تعدیل نہیں کر سکتا۔ امام ترمذیؒ کے رواۃ میں کتنے راوی ایسے ہیں جو مجروح اور متہم ہیں جیسا کہ حدیث کے راویوں کے حالات کا علم رکھنے والوں سے یہ بات مخفی نہیں ہے۔

پھر امام سیوطیؒ نے "اللآلی" میں اس کی تقویت کے لئے ایک دوسرا طریق واثلہ بن اسقع سے مرفوعا ذکر کیا۔ اس میں حسن بن شبیب مکتب کے بارہ میں امام ذہبیؒ نے "میزان" میں کہا کہ اس حدیث کی آفت یہی راوی ہے۔ ابن عدیؒ نے اس کے بارہ میں کہا کہ یہ راوی ثقہ راویوں سے باطل باتیں روایت کرتا ہے۔ اور ابن القیمؒ نے "المنار" ۸۹۔ میں یقین کے ساتھ کہا ہے کہ یہ حدیث من گھڑت ہے انہوں نے اس حدیث کو ایسے امور کلیہ کے ساتھ تنبیہ کرتے ہوئے کہا ہے' جن کے ساتھ حدیث کے موضوع ہونے کا علم ہوتا ہے۔ پھر امام ابن القیمؒ نے ۹۰۔ کہا ہے کہ حدیث کے موضوع ہونے سے مراد کسی حدیث کا قبیح ہونا اور باعث استہزاء ہونا ہے چنانچہ یہ حدیث بھی ان سے ہے۔

۲۱ - حَسْبِيْ مِنْ سُؤَالِيْ عِلْمُهٗ بِحَالِيْ.

مجھے سوال کرنے سے یہ بات کفایت کرتی ہے کہ وہ میرے حال کو جانتا ہے۔

تحقیق : اس حدیث کا کچھ اصل نہیں ہے' بعض محدثین نے اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول قرار دیا ہے۔ دراصل یہ روایت اسرائیلی روایات سے ہے' مرفوعا اس کا کچھ اصل نہیں۔ چنانچہ امام بغویؒ نے سورت انبیاء کی تفسیر میں اس کے ضعف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ کعب احبار سے منقول ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق کی وساطت سے آگ میں پھینک دینا چاہا تو آپ سے جبرئیل علیہ السلام ملے اور دریافت کیا اے ابراہیمؑ! کیا تجھے (مدد کی) ضرورت ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا' آپ کی ضرورت نہیں۔ جبرئیلؑ نے کہا' تو پھر اپنے پروردگار سے سوال کیجئے۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا' مجھے سوال کرنے سے یہ بات کفایت کرتی ہے کہ وہ میرے حال سے باخبر ہے۔

چنانچہ بعض لوگ جنہوں نے حکمت و فلسفہ کے میدان میں صوفیاء کے طریق پر اس معنی کا ذکر کیا تو کہہ دیا کہ اللہ سے سوال کرنا دراصل اللہ پر الزام دینا ہے کہ وہ ہمارے حال سے بے خبر ہے اور یہ بہت بڑی گمراہی ہے۔ بھلا آپ بتائیں کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور تمام انبیاء علیہ السلام جنہوں نے اپنے پروردگار سے مختلف قسم کے سوال کئے وہ اپنے پروردگار کے بارہ میں یہ رائے رکھتے ہیں کہ ہمارے پروردگار کو ہمارے حال کا علم نہیں ہے؟ اس لئے ہم اپنے پروردگار سے سوال کر رہے ہیں۔ ہرگز نہیں' دیکھئے! یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں جو یہ دعا کرتے ہیں۔

رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ.... (ابراھیم:۳۷)

یہ سب دعائیں ہیں اور کتاب و سنت میں انبیاء علیہم السلام کی دعائیں بے شمار ہیں۔ غالباً وہ شخص جو اس بات کا قائل ہے جس کی طرف پہلے اشارہ کیا گیا ہے (کہ

اللہ سے سوال کرنا دراصل اللہ پر الزام دینا ہے کہ وہ ہمارے حال سے بے خبر ہے۔) درحقیقت وہ اس بات سے بے خبر ہے کہ اللہ پاک سے تضرع سے دعا کرنا اور اس سے التجا کرنا دراصل بہت بڑی عبادت ہے کہ جس حاجت کا سوال کیا ہے اس کی ماہیت سے نظر کو نیچا رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "دعا دراصل عبادت ہی ہے" ۹۱۔ پھر آپؐ نے اس ارشادِ الٰہی کی تلاوت فرمائی۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ. (غافر: ٦٠)

اور تمہارے پروردگار کا اعلان ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو' میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ بلاشبہ جو لوگ میری عبادت سے روگردانی کرتے ہیں وہ شتابِ جہنم میں ذلت کے ساتھ داخل ہوں گے۔

یہ اس لئے کہ اللہ سے دعا کرنے سے بندے کی عبودیت' اس کی ضرورت ۹۲۔ اور اس کی مسکنت کا اظہار ہوتا ہے پس جس شخص نے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے سے اعراض کیا گویا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اعراض کیا۔

بلاشبہ ایسی احادیث کثرت کے ساتھ مروی ہیں جن میں تاکید کرتے ہوئے دعا کی جانب رغبت دلائی گئی ہے اور دعا مانگنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ ارشاد نبویؐ ہے "جو شخص اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کرتا اللہ اس پر ناراض ہو جاتے ہیں" ۹۳۔

امام حاکمؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے نیز حافظ ذہبیؒ نے امام حاکمؒ کی موافقت کی ہے اور حدیث بھی حسن ہے نیز ارشاد نبویؐ ہے "اللہ سے ہر چیز کا سوال کرو یہاں تک کہ جوتے کے تسمہ کا بھی اسی سے سوال کرو اس لئے کہ اگر اللہ اس کو اس کے لئے مہیا نہیں فرمائے گا تو وہ میسر نہیں آ سکے گا" ۹۴۔ اس حدیث کا شاہد انسؓ کی حدیث ہے جو کہ ترمذی میں ہے ۹۵۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مذکورہ کلام جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس قسم کے کلمات تو ایک ایسے عام مسلمان کی زبان سے صادر نہیں ہو سکتے جو اسلام میں دعا کے مقام سے آشنا ہے۔ تو (سوال یہ ہے کہ) اس قسم کے کلمات اس انسان کی زبان پر کیسے آ سکتے ہیں جو اسلام کی نعمت کا اظہار کرتے

ہوئے فرماتا ہے کہ "اللہ پاک نے ہمارا نام مسلمان رکھا ہے۔"

نیز اس حدیث کو ابن عراقؒ نے "تنزیہ الشریعہ المرفوعہ عن الاخبار الشنیعہ الموضوعہ" میں ذکر کیا ہے اور نقل کیا ہے کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔ ٩٦۔

٢٢ - تَوَسَّلُوْا بِجَاهِيْ؛ فَاِنَّ جَاهِيْ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ.

تم میرے مقام کا وسیلہ اختیار کرو یقیناً میرا مقام اللہ کے نزدیک عظیم ہے۔

تحقیق : یہ حدیث بے اصل ہے' شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے "القاعدۃ الجلیہ" میں اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے' اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اللہ کے ہاں بہت بڑا ہے چنانچہ اللہ پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ٩٧۔

اور وہ اللہ تعالٰی کے نزدیک بڑے معزز تھے۔

اور ظاہر ہے کہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں تو بلاشبہ آپؐ اللہ سبحانہ وتعالٰی کے ہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ معزز ہوں گے جب کہ یہ ایک الگ مسئلہ ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جاہ و جلال کے ساتھ وسیلہ اختیار کرنا بالکل دوسرا مسئلہ ہے ان دونوں کو ایک دوسرے سے ملانا مناسب نہیں جیسا کہ بعض نے ان دونوں کو اکھٹا کر دیا ہے۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ کے ساتھ وسیلہ پکڑنا ایسا عمل ہے کہ جو شخص اس کا قصد کرتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اس طرح وسیلہ پکڑنے سے اس کی دعا قبول ہونے کی زیادہ امید ہے لیکن یہ ایسا سبب ہے جس کو عقل کے ذریعہ معلوم کرنا ممکن نہیں اس لئے کہ یہ ان پوشیدہ امور سے ہے جن کے ادراک سے عقل قاصر ہے تو پھر صحیح نقل کا علم ضروری ہے تاکہ دلیل ہو سکے لیکن صحیح نقل موجود نہیں ہے۔

اس لئے کہ وہ احادیث جن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وسیلہ پکڑنے کا ذکر ہے وہ دو قسم کی ہیں، کچھ صحیح اور کچھ ضعیف ہیں۔ صحیح سے مدّعا ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ صحابہ کرامؓ نے بارش طلب کرنے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ اختیار کیا اور ایک اندھے انسان نے آپؐ کی ذات کو وسیلہ لیا۔ بہرحال یہ تو آپؐ کی دعا کے ساتھ وسیلہ اختیار کیا گیا ہے آپؐ کی شخصیت اور مقام کا وسیلہ نہیں لیا گیا لیکن آپؐ کے رفیق اعلیٰ کی طرف منتقل ہونے کے بعد آپؐ کی دعا کے ساتھ بھی وسیلہ پکڑنا ممکن نہ رہا۔ اسی طرح آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کے مقام کے ساتھ وسیلہ پکڑنا بھی ممکن نہ رہا اور نہ اس کا کچھ جواز رہا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں بارش کی دعا کرانے میں آپؐ کے چچا عباسؓ کا وسیلہ پکڑا تھا اور آپؐ کا وسیلہ نہیں لیا تھا۔ اس لئے کہ صحابہ کرامؓ مشروع وسیلہ کی حقیقت کو خوب سمجھتے تھے اور مشروع وسیلہ آپؐ سے آپؐ کی زندگی میں دعا کرانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کے چچا کی دعا کا وسیلہ اختیار کیا ہے اس لئے کہ یہ وسیلہ جائز اور ممکن تھا۔ اسی طرح یہ بھی منقول نہیں کہ کسی اندھے نے اس "اندھے انسان" کی دعا کا وسیلہ اختیار کیا ہو۔ اس لئے کہ اصل راز اس اندھے کے اس قول میں نہیں ہے (جس میں اندھے نے کہا) "اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری بارگاہ میں تیرے نبیؐ کو متوجہ کرتا ہوں" بلکہ اصل راز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دعا کرنا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دعا کرنے کا وعدہ فرمایا اور آپؐ نے اس کے حق میں دعا کرتے ہوئے فرمایا "اے اللہ! میرے حق میں اس کی سفارش قبول فرما اور اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما" یعنی میرے بارہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول فرماتے ہوئے میری دعا قبول فرما۔ پس اس حدیث کا مضمون دعا کے گرد گھوم رہا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ مختصر سی وضاحت کی روشنی میں قارئین کرام کے سامنے اصل حقیقت واضح ہو رہی ہے اس لحاظ سے اس حدیث کا ہرگز اس وسیلہ کے ساتھ کچھ تعلق نہیں ہے جو اپنی طرف سے بنا لیا گیا ہے اسی لئے امام ابوحنیفہؒ نے اس کا انکار کیا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا قول: "میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ اللہ سے اللہ کے علاوہ کسی اور کا وسیلہ لا کر سوال کیا جائے۔" درمختار اور دیگر کتب حنفیہ میں اسی طرح مذکور ہے۔

وسیلہ کے بارہ میں ایک شبہ اور اس کا رد

کوثری کا قول: امام شافعیؒ کا امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ وسیلہ پکڑنا "تاریخ بغداد" کے شروع میں صحیح سند کے ساتھ مذکور ہے ۹۸۔ یہ قول نہ صرف مبالغہ آمیز ہے بلکہ کوثری کے مغالطات میں سے ایک مغالطہ ہے۔ اشارتاً اس کا علم اس حکایت سے ہو رہا ہے جس کو خطیب بغدادیؒ ۹۹۔ نے عمر بن اسحاق کے طریق سے بیان کیا اس نے کہا، ہمیں علی بن میمون نے بتایا اس نے کہا کہ میں نے امام شافعیؒ سے سنا۔

امام شافعیؒ کا قول: کہ "میں امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ تبرک حاصل کرتا ہوں اور روزانہ ان کی قبر کی زیارت کے لئے آتا ہوں جب مجھے کوئی ضرورت لاحق ہوتی ہے تو دو رکعت نفل ادا کرتا ہوں اور امام ابوحنیفہؒ کی قبر پر جاتا ہوں۔ قبر کے پاس کھڑے ہو کر میں اللہ تعالیٰ سے اپنی ضرورت کا سوال کرتا ہوں کچھ زیادہ وقت نہیں گزرتا کہ میری ضرورت پوری ہو جاتی ہے" لیکن یہ حکایت نہ صرف بلحاظ سند ضعیف ہے بلکہ باطل ہے اس لئے کہ عمر بن اسحاق بن ابراہیم مشہور راوی نہیں ہے اور رجال کی کتابوں میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے۔

اور ممکن ہے کہ اس عمر سے مراد عمرو بن اسحاق بن ابراہیم بن حمید بن سکن ابو محمد تیونسی ہو، جن کے خطیب بغدادیؒ نے حالات بیان کئے ہیں ۱۰۰۔ اس نے ذکر کیا ہے کہ اس سے مراد بخاری ہے۔ جو ۳۴۱ھ میں جب حج کرنے آیا تو بغداد میں بھی آیا اور اس کے بارہ میں جرح و تعدیل کا ذکر نہیں کیا پس وہ مجہول الحال ہے لیکن یہ محال ہے کہ اس سے مراد وہ ہو اس لئے کہ اس کے شیخ علی بن میمون کی وفات اکثر اقوال کے لحاظ سے ۲۴۷ھ ہے اس لحاظ سے ان دونوں کی وفات کے درمیان تقریباً سو سال کا فاصلہ ہے پس ممکن نہیں کہ اس نے اس کو پایا ہو۔

بہرحال یہ روایت ضعیف ہے اس کی صحت پر دلیل موجود نہیں اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے "اقتضاء الصراط المستقیم" میں اس روایت کا مفہوم ذکر کر کے اس

کو باطل ثابت کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ۱۰۱۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا قول: یہ روایت جھوٹی ہے جو شخص روایت الحدیث کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اس پر اس کا کذب ظاہر ہے۔ اس لئے کہ امام شافعیؒ جب بغداد میں آئے تو بغداد میں ایسی کوئی قبر نہ تھی جس کے ہاں دعا کے لئے آنے جانے والے لوگوں کا تانتا بندھا رہتا ہو بلکہ امام شافعیؒ کے زمانہ میں یہ بات معلوم نہیں ہے اور امام شافعیؒ نے حجاز، یمن، شام، عراق اور مصر میں انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کی قبروں کو دیکھا کہ ان کے اور دوسرے لوگوں کے نزدیک ان قبروں میں مدفون لوگوں میں سے کئی ایسے بھی تھے جو امام ابوحنیفہؒ اور ان جیسے علماء سے کہیں افضل تھے تو کیا وجہ ہے کہ امام شافعیؒ نے ان قبروں کا قصد نہیں کیا صرف امام ابوحنیفہؒ کی قبر کا رخ کیا ہے؟ نیز امام ابوحنیفہؒ کے شاگردان عظام ابویوسفؒ، محمدؒ، زفرؒ، حسن بن زیادؒ اور ان کے دور کے لوگ نہ امام ابوحنیفہؒ اور نہ ہی کسی دوسرے کی قبر کی زیارت کا قصد کرتے تھے۔ نیز امام شافعیؒ کی کتب سے ثابت ہے جس کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ قبروں کی تعظیم کرنا مکروہ ہے کہ کہیں فتنے میں نہ مبتلا ہو جائیں اور اس قسم کی حکایات وہ لوگ وضع کرتے ہیں جن کا دینی علوم سے ہرگز کچھ واسطہ نہیں ہے اور پھر اس قسم کی کہانیاں ایسے مجہول الحال لوگوں سے نقل کی جاتی ہیں جن کا کچھ اتا پتہ نہیں ہوتا۔

۲۳ - اَللّٰہُ الَّذِیْ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ، وَھُوَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ، اِغْفِرْ لِاُمِّیْ فَاطِمَةَ بِنْتِ اَسَد، وَلَقِّنْھَا حُجَّتَھَا، وَوَسِّعْ عَلَیْھَا مَدْخَلَھَا، بِحَقِّ نَبِیِّكَ وَالْاَنْبِیَاءِ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِیْ؛ فَاِنَّكَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ ...

اللہ تعالیٰ وہ ہے جو زندہ کرتا ہے نیز مارتا ہے اور وہ ہمیشہ زندہ ہے اس پر موت طاری نہیں ہوگی (اے اللہ!) میری والدہ فاطمہؓ بنت اسد کو معاف فرما۔ اور اس کو دلیل کی تلقین فرما، اس کے داخل ہونے کی جگہ یعنی قبر کو اس پر فراخ فرما، اپنے نبیؐ اور ان انبیاء

کے طفیل جو مجھ سے پہلے ہوئے ہیں۔ یقیناً آپ تمام رحم کرنے والوں میں سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔

تحقیق: یہ حدیث ضعیف ہے' اسے امام طبرانیؒ نے "الکبیر" اور "الاوسط" میں بیان کیا اور اس کے طریق سے ابونعیمؒ نے "الحلیہ" ۳/۱۲۱ میں بیان کیا۔ امام طبرانیؒ نے کہا کہ ہمیں احمد بن حماد زغبہ نے حدیث بیان کی اس نے کہا' ہمیں روح بن صلاح نے حدیث بیان کی اس نے کہا' ہمیں سفیان ثوریؒ نے حدیث بیان کی' اس نے عاصم احول سے' اس نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی۔ انہوں نے کہا کہ جب فاطمہؓ بنت اسد بن ہاشم' حضرت علیؓ کی والدہ فوت ہوئیں تو آپؐ نے اسامہؓ بن زید' ابو ایوب انصاریؓ' عمرؓ بن خطاب اور سیاہ رنگ کے ایک نوجوان کو بلایا کہ وہ قبر کی کھدائی کریں جب قبر کھودی جا چکی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں داخل ہوئے اور لیٹ گئے تو آپؐ نے فرمایا۔۔۔۔ مکمل حدیث بیان کی۔

امام طبرانیؒ نے کہا کہ اس حدیث کی سند میں روح بن صلاح راوی متفرد ہے۔
میں کہتا ہوں: اسی طرح امام ہیثمیؒ نے "مجمع الزوائد" ۹/۲۵۷ میں بیان کیا کہ اس حدیث کی سند میں روح بن صلاح راوی ہے جس کو ابن حبانؒ اور امام حاکمؒ نے ثقہ قرار دیا ہے حالانکہ اس میں ضعف پایا جاتا ہے اور اس کے باقی رواۃ صحیح کے رواۃ ہیں۔ امام ہیثمیؒ کا یہ قول کہ "اس کے باقی رواۃ صحیح کے رواۃ ہیں" غایت درجہ محلِّ نظر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زغبہ صحیح (کتب) کے رواۃ سے نہیں ہے۔ صرف امام نسائیؒ نے اس سے روایت بیان کی ہے۔

میں کہتا ہوں: اس سے معلوم ہوا کہ وہ فی نفسہٖ ثقہ ہے اب روح بن صلاح کے حال پر غور کرنا باقی ہے اور وہ اس روایت کے بیان کرنے میں اکیلا ہے جیسا کہ طبرانیؒ نے بیان کیا اور اس کو ابن حبانؒ اور امام حاکمؒ نے ثقہ قرار دیا جیسا کہ امام ہیثمیؒ نے ذکر کیا ہے۔ لیکن اس کا ضعف طبرانیؒ کے قول سے ان دونوں کے قول کی نسبت دو سبب کی وجہ سے وزنی ہے۔

پہلا سبب: یہ ہے کہ انہوں نے جرح کی ہے اور جرح کو تعدیل سے بلحاظ شرط کے مقدم رکھا جاتا ہے۔

دوسرا سبب: یہ ہے کہ ابن حبانؒ اس کی توثیق میں تساہل ہیں اس لئے کہ وہ کثرت کے ساتھ مجہول راویوں کو ثقہ قرار دے دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض ایسے رواۃ جن کے بارہ میں وہ خود صراحت کرتے ہیں کہ ان رواۃ کا مجھے کچھ علم نہیں کہ وہ کون ہیں؟ اور نہ ان کے والد کا علم ہے کہ کون ہے؟ ان کی بھی توثیق کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ ابن عبدالهادیؒ نے "الصارم المنکی" میں اس کا ذکر کیا ہے اور اس کی بعض مثالیں "الرد علی التعقب الحثیث" میں بھی مذکور ہیں۔ ۱۰۴؎

نیز ابن حبانؒ کی طرح امام حاکمؒ بھی تساہل ہیں یہ بات ان لوگوں پر مخفی نہیں جو رجال اور تراجم کے فن سے گہرا رابطہ رکھتے ہیں لہٰذا مقام تعارض میں ان کے قول کا کچھ وزن نہیں یہاں تک کہ اگر کسی راوی کے بارہ میں جرح مبہم بھی ہو اور اس کے کسی سبب کا ذکر نہ بھی ہو تو تب بھی ابن حبانؒ اور امام حاکمؒ کی تعدیل پر اس کو غلبہ ہوگا۔ لیکن اگر جرح واضح ہو جیسا کہ ابن صلاح راوی کے بارہ میں جرح واضح ہے۔ (تو پھر صورت مختلف ہوگی) چنانچہ ابن عدیؒ نے اس کو ضعیف کہا ہے اور ابن یوسف نے کہا ہے کہ اس سے منکر روایات مروی ہیں۔ امام دارقطنیؒ نے اس کو فن حدیث میں ضعیف قرار دیا۔ ابن ماکولاؒ کا قول ہے کہ محدّثین نے اس کو ضعیف کہا ہے اور ابن عدیؒ نے اس سے دو احادیث ذکر کرنے کے بعد کہا کہ اس راوی سے کثرت کے ساتھ روایات مروی ہیں بعض میں نکارت ہے۔

قارئین کو علم ہو رہا ہے کہ ائمہ جرح کی عبارتیں اس راوی کو ضعیف قرار دینے میں متفق ہیں اور اس کا سبب انہوں نے یہ بتایا ہے کہ اس کی بیان کردہ روایات منکر ہیں۔ پس اس وصف کا راوی جب منکر حدیث کے بیان کرنے میں متفرّد ہو تو اس کی حدیث قابل حجت نہیں ہوتی۔ پس اس وضاحت کے بعد ان ائمہ کی توثیق سے (جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے) صرف وہی شخص دھوکہ کھا سکتا ہے جو اس علم سے ناواقف ہے یا پھر اسے کوئی ذاتی فائدہ ہے۔

بیان کردہ وضاحت سے منصف مزاج انسان کے سامنے یہ بات واضح ہے کہ

شیخ زاہد کوثری نے جب اس حدیث پر گفتگو کی ہے تو اس فن کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ کوثری نے اس حدیث کو قوی ثابت کرنا چاہا ہے جب کہ اس نے روح بن صلاح راوی کے بارہ میں صرف اس کی توثیق پر اکتفاء کیا ہے اور بحث کرتے ہوئے معمولی سا اشارہ بھی نہیں کیا کہ اس کو ضعیف کہنے والے کثرت سے ہیں اور بنسبت ان کے زیادہ ثقہ ہیں جنہوں نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے۔ ۱۰۵ء

کوثری کا حال عجیب ہے کہ باوجودیکہ یہ شخص علم میں فراوانی رکھتا ہے لیکن اس پر خواہشِ نفس' انصار السنۃ اور اہلحدیث کے خلاف عصبیت غالب ہے۔ چنانچہ وہ اہلِ حدیث پر زیادتی کرتے ہوئے انہیں حشویہ قرار دیتا ہے۔ ۱۰۶ء چنانچہ آپ ملاحظہ فرمائیں کہ وہ ابن حبانؒ پر اعتماد کرتے ہوئے اس حدیث کی تقویت کی طرف رجحان رکھتا ہے لیکن اس وقت جب کہ حدیث انصار السنۃ کے خلاف ہو۔ اور جب حدیث خود اس کے خلاف ہو اس کے حق میں نہ ہو تو اس حدیث کو رد کر دیتا ہے اگرچہ ابن حبانؒ نے اس کو صحیح کہا ہو یا اس کے راویوں کو ثقہ قرار دیا ہو۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیں' وہ حدیث جس میں ناپاک جوتوں کے اتارنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم برابر نماز ادا فرماتے رہے اور جس کو ابن حبانؒ اور امام حاکمؒ نے اپنی **صحیحین** میں ذکر کیا ہے۔ اس کے بارہ میں کوثری نے کہا ہے کہ امام حاکمؒ اور ابن حبانؒ کا حدیث کو صحیح قرار دینے میں تساہل مشہور ہے۔ ۱۰۷ء اس کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں کہ انہوں نے اوعال کی حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ بلاشبہ یہ حدیث ضعیف ہے اور ان کی رائے صائب ہے۔ ۱۰۸ء اس حدیث کو ضعیف قرار دینے میں کوثری نے کہا ہے کہ اس حدیث کا راوی عبداللہ بن عمیرہ راوی مجہول ہے۔ مزید "تعلیق" میں کوثری کہتا ہے ۱۰۹ء البتہ ابن حبانؒ نے اس کو ثقہ راویوں میں ذکر کیا ہے لیکن اس بارہ میں ابن حبانؒ کا طریق یہ ہے کہ وہ ایسے راویوں کو جن کی جرح پر اطلاع نہیں ہے ثقہ راویوں میں ذکر کر دیتا ہے لیکن ابن حبانؒ کا اس کو ثقہ راویوں میں ذکر کرنا دیگر محدثین کے نزدیک اس کو مجہول راویوں کی فہرست سے نہیں نکال سکتا۔ چنانچہ ابن حجرؒ نے "لسان المیزان" میں ابن حبانؒ کے شذوذ کا رد کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: کوثری کی ان باتوں سے معلوم ہوا' اس کا مذہب یہ ہے کہ وہ

ابن حبانؒ اور امام حاکمؒ کی توثیق پر اعتماد نہیں کرتا اس لئے کہ دونوں توثیق میں متساہل ہیں تو پھر اس کے لئے کیسے درست ہے کہ وہ اس حدیث کو درست قرار دے جو ہمارے زیر بحث ہے؟ صرف اس بناء پر امام حاکمؒ اور ابن حبانؒ نے اس کے راوی روح بن صلاح کی توثیق کر دی ہے خاص طور پر جب کہ ان کے علاوہ دیگر محدثین نے جو رجال کے علم میں ان سے زیادہ ماہر ہیں اس کو ضعیف کہتے ہیں۔ تعجب ہے' اللہ! اگر مذہبی عصبیت نہ ہوتی تو کوثری کبھی بھی ایسی غلطی کا ارتکاب نہ کرتا۔ اے اللہ! ہمیں صرف حق کی عصبیت عطا فرما خواہ حق جہاں بھی ہو۔

۲۴ - مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهٖ اِلَى الصَّلَاةِ، فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ عَلَيْكَ، وَاَسْاَلُكَ بِحَقِّ مَمْشَايَ هٰذَا، فَاِنِّيْ لَمْ اَخْرُجْ اَشَرًا وَلَا بَطَرًا. اَقْبَلَ اللّٰهُ عَلَيْهِ بِوَجْهِهٖ، وَاسْتَغْفَرَ لَهٗ اَلْفُ مَلَكٍ.

جو شخص گھر سے نماز ادا کرنے کے لئے نکلا اور اس نے کہا' اے اللہ! میں تجھ سے ان سائلین کے طفیل سوال کرتا ہوں جو تجھ سے مانگتے ہیں اور میں تجھ سے اپنے اس چلنے کے طفیل سوال کرتا ہوں بے شک میں فخر اور تکبر سے نہیں نکلا ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنے چہرے کے ساتھ متوجہ ہوتے ہیں اور اس کے حق میں ایک ہزار فرشتے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

تحقیق: یہ حدیث ضعیف ہے' اس حدیث کو ابن ماجہؒ [۱۱۰]' امام احمدؒ [۱۱۱] اور امام بغویؒ [۱۱۲] نے علی بن جعد سے روایت کیا ہے اور ابن السنی [۱۱۳] نے فضیل بن مرزوق کے طریق سے اس نے عطیہ عوفی سے اس نے ابو سعید خدریؓ سے مرفوعًا بیان کیا لیکن اس کی سند دو سبب سے ضعیف ہے۔

پہلا سبب: یہ ہے کہ فضیل بن مرزوق کو ایک جماعت نے ثقہ اور دوسروں نے ضعیف کہا ہے اور کوثری نے اپنے مقالات [۱۱۴] میں کہا ہے کہ ابو حاتمؒ

نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے لیکن ان کے علاوہ کسی اور نے اس کو ضعیف قرار نہیں دیا اور ان کی جرح مفسّر نہیں ہے بلکہ بستیؒ نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے۔ لیکن کوثری کے قول میں چند واضح اغلاط ہیں:

پہلی غلطی: اس کا یہ کہنا کہ اس کو ابوحاتمؒ کے علاوہ کسی دوسرے نے ضعیف نہیں کہا' باطل ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ اس قسم کی بات کوثری جیسے شخص پر مخفی رہے؟ اس لئے کہ "تہذیب" میں اس کے مؤلف نے (فیصل بن مرزوق کے حالات میں ان محدّثین کے اقوال بیان کرنے کے بعد جنھوں نے اس کو ثقہ قرار دیا) کہا ہے کہ ابن ابی حاتمؒ نے اپنے باپ سے ذکر کیا کہ یہ راوی صالح الحدیث ہے' صدوق ہے اور کثرت کے ساتھ وہم کرتا ہے اس کی حدیث نقل کی جائے۔ ابن ابی حاتمؒ کہتے ہیں' میں نے کہا' اس کے ساتھ حجت پکڑی جائے۔ انہوں نے کہا' نہیں۔

امام نسائیؒ نے اسے ضعیف کہا اور مسعود نے امام حاکمؒ سے روایت کیا کہ وہ صحیح کی شرط پر نہیں ہے اور مسلم پر عیب لگایا گیاہے جب کہ اس نے اس سے روایت کی ہے اور ابن حبانؒ نے "الثقات" میں کہا کہ وہ خطا کرتا ہے اور "ضعفاء" میں کہا کہ وہ ثقہ راویوں پر خطا کرتا ہے اور عطیہ سے موضوع روایات بیان کرتا ہے۔

پس آپ معلوم کر رہے ہیں کہ اس کو ابوحاتم کے ساتھ ساتھ امام نسائیؒ' امام حاکمؒ اور ابن حبانؒ نے بھی ضعیف کہا ہے حالانکہ وہ دونوں ثقہ قرار دینے میں تساہل اختیار کرنے والوں میں سے ہیں پہلے بھی یہ بات گزر چکی ہے۔

دوسری غلطی: اس کا قول کہ اس پر جرح مفسّر نہیں ہے یہ بھی ناقابل تسلیم ہے بلکہ ابوحاتمؒ کے کلام میں (جس کو میں نے نقل کیا ہے) جرح مفسّر ہے اور اس کا یہ کہنا کہ وہ کثرت کے ساتھ وہم کرتا ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے اس قول پر اعتماد کرتے ہوئے اس کے حالات میں کہا ہے کہ وہ صدوق ہے اور وہم کرتا ہے۔ پس جو شخص حدیث میں کثرت کے ساتھ وہم کرتا ہو تو بلاشبہ اس کی حدیث قابلِ حجت نہیں ہے۔ یہ بات اصول حدیث میں ثابت شدہ ہے۔

غلطی: اس کا یہ کہنا کہ بستیؒ نے اس کو ثقہ کہا ہے۔

میں کہتا ہوں: بستی سے مراد ابن حبانؒ ہے اور آپ قبل ازیں معلوم کر چکے ہیں کہ ابن حبانؒ کے اس میں دو قول ہیں کبھی اس کا ذکر ثقہ راویوں میں اور کبھی ضعیف راویوں میں کیا ہے اور ضعیف کہنے پر اعتماد کرنا مناسب ہے اس لئے کہ ابن حبانؒ نے اس میں اس کے ضعیف ہونے کا سبب بیان کیا ہے اور جرح مفسّر کو تعدیل پر مقدم رکھا جاتا ہے جیسا کہ علمِ اصولِ حدیث میں یہ قاعدہ مسلم ہے۔

دوسرا سبب: حدیث کو ضعیف قرار دینے کا دوسرا سبب یہ ہے کہ حدیث عطیہ عوفی سے مروی ہے اور وہ ضعیف ہے حافظ ابن حجرؒ کا "تقریب" میں قول ہے کہ عطیہ عوفی صدوق ہے کثرت کے ساتھ خطا کرتا ہے اور وہ شیعی مدلّس راوی ہے پس اس جرح مفسّر کو ان محدثین کے قول پر مقدم کیا جائے گا جو اس کو ثقہ کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ قلیل تعداد میں ہیں اور پھر انہوں نے جمہور ائمہ کی مخالفت کی ہے جنھوں نے اس کو ضعیف کہا ہے ان کے اقوال "تہذیب التہذیب" میں موجود ہیں اور حافظ ابن حجرؒ کی جس عبارت کو میں نے "تقریب" کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ دراصل ان اقوال کا خلاصہ ہے۔ یہ بات ان لوگوں پر مخفی نہیں ہے جو اس علم کی بصیرت رکھتے ہیں اس لئے ہم طویل کلام کرنے سے گریز کر رہے ہیں۔ اسی لئے امام ذہبیؒ نے "میزان" میں یقین کے ساتھ اس کو ضعیف قرار دیا ہے البتہ اس کا مدلس ہونا' اس مقام پر اس کا بیان ضروری ہے تاکہ اس شبہ کا ازالہ ہو سکے جس کا ذکر آ رہا ہے چنانچہ ابن حبانؒ نے "الضعفاء" میں کہا ہے کہ اس نے ابوسعید سے بہت سی احادیث سنی ہیں جب ابوسعید فوت ہو گیا تو پھر اس کی صحبت کلبی کے ساتھ رہی۔ وہ اس کے حجرۂ تدریس میں آ جاتا۔ جب کلبی کہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں بات کہی ہے تو وہ اس کو محفوظ کر لیتا۔ اور کلبی نے اپنی کنیت ابوسعید رکھ لی تھی' یہ اس سے روایت کرتا۔ جب اس سے دریافت کیا جاتا کہ کس نے تیرے پاس یہ حدیث بیان کی ہے؟ تو وہ کہتا' مجھے ابوسعید نے حدیث بتائی ہے۔ سامعین وہم میں مبتلا ہو جاتے کہ ابوسعید سے مراد شاید ابوسعید خدریؓ ہیں جب کہ اس کا ارادہ کلبی کا ہوتا تھا۔ ابن حبانؒ نے بیان کیا کہ اس کی احادیث کو بطور تعجب کے بیان کرنا درست ہے۔

میں قارئین کرام سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ ان اقوال کے مقابلہ میں جن میں اس راوی کو ضعیف کہا گیا ہے شیخ کوثری کے موقف کی تائید نہیں کریں گے۔ اور تعجب ہے کہ کوثری نے ان اقوال کی طرف معمولی سا اشارہ بھی نہیں کیا ہے البتہ ان کے مقابلہ میں ان گنے چنے افراد کا ہی ذکر کیا ہے جو اس کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔ کوثری نے مقالات میں اس عنوان "مخالف کے جن امور کا وہ انکار کرتا ہے" کے تحت اس کا ذکر کیا ہے۔ ۱۱۵۔ کاش! اسی پر اکتفا کرتا لیکن اس نے وہم دلایا کہ عطیہ عوفی راوی کو ضعیف قرار دینے کا سبب اس پر جرح نہیں ہے چنانچہ اس نے واضح کیا ۱۱۶۔ کہ عطیہ شیعیت کی وجہ سے مجروح ہے جب کہ امام ترمذیؒ نے اس کی متعدد احادیث کو حسن کہا ہے اس سے اس کا مقصد اس میدان میں ان محدثین کے اقوال کو کھلے لفظوں میں ترجیح دینا ہے جو اس کو ثقہ کہہ رہے ہیں اور اس وہم میں مبتلا کرنا ہے کہ اس کو ضعیف کہنے والوں نے صرف اس کے تشیع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے اور کسی راوی کا شیعہ ہونا محققین فن کے نزدیک ایسا سبب نہیں ہے جس سے راوی مجروح ہوتا ہے حالانکہ اصل سبب اس کا کثرت کے ساتھ خطا کرنا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ کے کلام سے اس کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے۔ غور کیجئے کہ تعصب انسان کو انصاف اور حق پسندی سے کتنا دور کر دیتا ہے۔

اور اگر امام ترمذیؒ نے اس کی احادیث کو حسن کہا ہے تو امام ترمذیؒ کا کسی حدیث کو حسن کہنا حجت نہیں جب کہ ایسے اسباب جرح موجود ہیں جن کے ہوتے ہوئے ان کو حسن نہیں کہا جا سکتا۔

اور یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ امام ترمذیؒ احادیث کو صحیح اور حسن قرار دینے میں متساہل ہیں۔ شیخ کوثری سے بھی یہ بات مخفی نہیں۔ اللہ پاک ہمیں اور اس کا معاف فرمائے چنانچہ شیخ کوثری نے اوعال کی حدیث پر کلام کرتے ہوئے جس کا اشارتا پہلے ابن دحیہ سے ذکر ہو چکا ہے کہا ہے کہ امام ترمذیؒ نے بہت سی موضوع اور ضعیف سند والی احادیث کو حسن کہہ دیا ہے۔ نیز امام ذہبیؒ سے منقول ہے انہوں نے کہا کہ علماء امام ترمذیؒ کی تصحیح پر اعتماد نہیں کرتے۔ ۱۱۷۔

ذرا غور فرمائیں کہ شیخ کوثری ایک امام کے قول کو ایک مقام پر حجت قرار

دیتے ہیں جب کہ دوسرے مقام پر حجت قرار نہیں دیتے۔ کوثری نے تدلیس کے شبہ کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ جب ابوسعید کے ساتھ خدری کی وضاحت موجود ہے تو پھر تدلیس کا احتمال باقی نہیں رہتا خصوصا جب کہ متابعت بھی موجود ہے یعنی عطیہ راوی نے وضاحت کی ہے کہ اس حدیث میں ابوسعید سے مراد وہی خدری ہے تو اس سے کلبی کذاب ہونے کا شبہ ختم ہو گیا۔

میں کہتا ہوں: یہ جواب نہایت کمزور ہے' شبہ اپنی جگہ پر موجود ہے جب کہ ابن حبانؒ نے وضاحت کی ہے (جیسا کہ اس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے) کہ عطیہ راوی جب کلبی سے بیان کرتا ہے اور اس کی کنیت ابوسعید بتاتا ہے تو اس سے حدیث کو سننے والے وہم میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ اس سے مراد خدری ہے پس شیخ کوثری کو کہاں سے علم ہو گیا کہ ابوسعید سے خدری ہونا یہ عطیہ راوی کی طرف سے ہے اور جو اس سے روایت کرتا ہے اس کا وہم نہیں ہے۔ جب کہ آپ معلوم کر چکے ہیں کہ عطیہ راوی کا حافظہ خراب تھا۔

یہ دونوں ایسے احتمال ہیں جن کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ اس طرح تدلیس کا شبہ بدستور قائم رہتا ہے اور جس متابعت کی جانب شیخ کوثری نے اشارہ کیا ہے اس سے مراد وہی متابعت ہے جس کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے۔

عطیہ راوی خدری سے متفرد نہیں ہے بلکہ اس کی متابعت کرنے والا اس سے روایت کرنے میں عبدالحکم بن ذکوان کی روایت میں ابوالصدیق راوی ہے اور وہ ابن حبانؒ کے نزدیک ثقہ ہے اگرچہ ابوالفرج نے اس کو اپنی "علل" میں معلول قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: شیخ کوثری پھر ابن حبانؒ کی توثیق کا اعتبار کرنے لگ گئے ہیں حالانکہ وہ اس میں ان کے شذوذ کے معترف ہیں جیسے کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ابن معینؒ کا قول ابن ذکوان کے بارے میں یہ ہے کہ میں اس کو نہیں جانتا۔ جب اس کو جرح و تعدیل کے امام ابن معینؒ نہیں جانتے تو ابن حبانؒ کو اس کی کیسے معرفت حاصل ہو گئی؟

معلوم ہوا کہ اس متابعت کی کچھ وقعت نہیں اس لئے کہ اس سے روایت

کرنے والا مجہول ہے پس انصاف پسند لوگوں کے نزدیک ابوالفرج کا اس کو معلول قرار دینا بالکل درست ہے اس میں ہرگز شک نہیں۔

حدیث کو ضعیف قرار دینے کا مجھے ایک تیسرا سبب بھی معلوم ہوا ہے وہ عطیہ یا ابن مرزوق کا اس کی روایت میں اضطراب ہے کہ کبھی اس نے مرفوعاً روایت کیا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے اور کبھی ابوسعید پر موقوفاً بیان کیا۔ جیسا کہ اس کو ابن ابی شیبہؒ نے "المصنف" ۱۱۸ میں ابن مرزوق سے موقوفاً روایت کیا اور امام بغویؒ کی روایت میں فضیل بن مرزوق کے طریق سے ہے اس نے بیان کیا میرا خیال ہے کہ اس نے مرفوع بیان کیا اور ابن ابی حاتمؒ نے "العلل" ۱۱۹ میں کہا کہ اس کا موقوف ہونا مناسب ہے۔

پھر شیخ کوثری نے چاہا کہ حدیث کی تقویت ثابت کی جائے تو اس روایت کا ایک دوسرا طریق نکالا اور بیان کیا کہ اس روایت کو ابن السنیؒ نے "عمل الیوم واللیلۃ" میں ایسی سند کے ساتھ بیان کیا ہے جس میں وازع راوی بلال سے روایت کرتا ہے اس میں عطیہ اور ابن مرزوق کا ذکر تک نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ شیخ کوثری نے اس سے زیادہ کچھ ذکر نہیں کیا اس نے نہیں بتایا کہ وازع راوی کا کیا حال ہے؟ اس کی روایت استشہاد کے لائق ہے؟ یا کیا اس کے نزدیک وازع سے اس کو کذب بیانی سے روکنا مراد ہے؟ اگر وہ اس کو بیان کرتا تو ہر صاحبِ بصیرت کے سامنے یہ بات عیاں ہو جاتی کہ اس کا اس حدیث کو بیان کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہیں۔ اس لئے کہ وہ "مرۃ" کی وجہ سے ائمہ حدیث کے نزدیک بلااختلاف ضعیف ہے۔

یہاں تک کہ ابوحاتمؒ کہتے ہیں کہ وازع بہت زیادہ ضعیف حدیث بیان کرنا والا ہے' وہ لا شئی ہے اور ابوحاتمؒ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اس کی احادیث کو پھینک دو' وہ منکر ہیں' بلکہ امام حاکمؒ نے باوجود تساہل ہونے کے کہا کہ اس نے موضوع احادیث روایت کی ہیں۔ اسی طرح کا تبصرہ ان کے علاوہ دوسروں نے بھی کیا ہے۔ پس روایت کرنے میں جس راوی کا یہ حال ہے اس کی حدیث کے ساتھ تقویت حاصل نہیں کی جا سکتی اور نہ ہی وہ لائقِ احترام ہے یہاں تک کہ شیخ کوثری کا بھی یہی خیال ہے۔

قارئین اگر مناسب خیال کریں تو اس سلسلہ میں ان کا قول ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۳۰

"بلاشبہ کسی حدیث کے طرق کا متعدد ہونا اس کو اس وقت حسن لغیرہ کے مرتبہ تک پہنچا دیتا ہے کہ جب راویوں میں ضعف صرف حفظ اور ضبط کے لحاظ سے ہو' متہم با لکذب کے لحاظ سے نہ ہو۔ اس لئے کہ جب جھوٹ کا شائبہ ہے تو اس میں کثرت طرق سے بھی کچھ فائدہ حاصل نہیں ہو پاتا۔

ہوشمند' سمجھدار قارئین محسوس کر رہے ہوں گے کہ شیخ کوثری اس وازع نامی راوی کے حال سے کیوں خاموش رہا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث دونوں طریق سے ضعیف ہے جب کہ ایک کا ضعف دوسرے سے شدید ہے۔ اس حدیث کو بوصیری" منذری" اور دیگر ائمہ نے ضعیف کہا ہے جس امام نے اس حدیث کو حسن کہا ہے' وہ اس کا وہم یا تساہل ہے۔

۲۵ - لَمَّا اقْتَرَفَ آدَمُ الْخَطِيئَةَ؛ قَالَ : يَارَبِّ! اَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لَمَا غَفَرْتَ لِيْ. فَقَالَ اللّٰهُ: يَا آدَمُ! وَكَيْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا، وَلَمْ اَخْلُقْهُ؟ قَالَ : يَارَبِّ! لَمَّا خَلَقْتَنِيْ بِيَدِكَ، وَنَفَخْتَ فِيَّ مِنْ رُوْحِكَ؛ رَفَعْتُ رَاْسِيْ، فَرَاَيْتُ عَلٰى قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَكْتُوْبًا: لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ. فَعَلِمْتُ اَنَّكَ لَمْ تُضِفْ اِلٰى اِسْمِكَ اِلاَّ اَحَبَّ الْخَلْقِ اِلَيْكَ. فَقَالَ اللّٰهُ: صَدَقْتَ يَا آدَمُ! اِنَّهُ لَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَيَّ، اُدْعُنِيْ بِحَقِّهِ، فَقَدْ غَفَرْتُ لَكَ، وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُكَ.

جب آدم علیہ السلام غلطی کے مرتکب ہوئے تو انہوں نے دعا کی' اے میرے پروردگار! میں تجھ سے محمدؐ کے طفیل سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے معاف کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اے آدم! تو نے محمدؐ کو کیسے معلوم کیا جب کہ میں نے اس کو پیدا ہی نہیں کیا۔ انہوں نے کہا' اے میرے پروردگار! جب تو نے مجھے اپنے ہاتھ کے ساتھ بنایا اور مجھ میں اپنی روح کو پھونکا تو میں نے اپنا سر اٹھایا (اور) عرش

کے پایوں پر میں نے دیکھا، لکھا ہوا تھا: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ، میں نے سمجھا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ جس نام کو ملایا ہے وہ تجھے تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے آدم! تو نے سچ کہا یقیناً وہ مجھے تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہے تو اس کے طفیل مجھ سے دعا کر بلاشبہ میں نے تجھے معاف کر دیا۔ اگر محمدؐ نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔

تحقیق: یہ حدیث من گھڑت ہے، اس حدیث کو امام حاکمؒ نے "مستدرک" ۱۲۱ء میں اور اس سے ابن عساکرؒ ۱۲۲ء نے اور اسی طرح امام بیہقیؒ نے "دلائل النبوۃ" میں اس باب کے تحت کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کے کن احسانات کا ذکر فرمایا" ابوالحارث عبداللہ بن مسلم فہری کے طریق سے اس نے بیان کیا کہ ہمیں اسماعیل بن مسلمہ نے حدیث بیان کی اس کو عبدالرحمان بن زید بن اسلم نے اپنے باپ سے بیان کیا اس نے اپنے دادا سے اس نے عمرؓ بن خطاب سے مرفوعاً بیان کیا۔ اور امام حاکمؒ نے ذکر کیا کہ اس کی سند صحیح ہے اور اس کتاب میں عبدالرحمان بن زید بن اسلم سے پہلی حدیث ہے جس کو نقل کیا گیا ہے۔

امام ذہبیؒ نے اس کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا، بلکہ یہ حدیث تو من گھڑت ہے عبدالرحمان بن زید ضعیف راوی ہے اور عبداللہ بن مسلم فہری کا کچھ علم نہیں کہ کون ہے۔

میں کہتا ہوں: اس فہری راوی کا ذکر اسی حدیث کے ساتھ "میزان الاعتدال" میں ہے۔ نیز امام ذہبیؒ نے کہا کہ یہ حدیث باطل ہے امام بیہقیؒ نے اس کا ذکر "دلائل النبوۃ" میں کیا اور امام بیہقیؒ نے کہا کہ اس میں عبدالرحمان بن زید بن اسلم راوی متفرد ہے اور وہ ضعیف ہے۔ ابن کثیرؒ نے "تاریخ البدایہ والنہایہ" ۱۲۳ء میں اس کا اقرار کیا ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے "لسان المیزان" میں "میزان الاعتدال" کی موافقت کی ہے کہ یہ حدیث باطل ہے اور فہری راوی کے بارہ میں اضافہ کیا ہے کہ میں بعید نہیں گردانتا کہ فہری سے مراد وہی راوی ہے جس کا اس سے قبل ذکر ہوا

ہے۔ یہ اسی راوی کے طبقہ سے ہے۔

میں کہتا ہوں: فہری سے پہلے راوی کا نام عبداللہ بن مسلم بن رشید ہے ابن حبانؒ نے اس کو ذکر کیا ہے کہ وہ حدیث وضع کرنے میں تہمت لگایا گیا ہے۔ وہ لیث' مالک اور ابن لیعہ پر احادیث وضع کرتا ہے۔ اس کی احادیث کو تحریر میں لانا درست نہیں ہے اور یہ وہی ہے جس نے ابن ہدبہ سے ایک کتابچہ روایت کیا گویا کہ وہ قابل عمل ہے۔

اس حدیث کو امام طبرانیؒ نے "معجم الصغیر" ۴۴ میں دوسرے طریق سے عبدالرحمان بن زید سے روایت کیا۔ پھر اس نے کہا کہ یہ روایت عمرؓ سے صرف اسی سند کے ساتھ مروی ہے۔ امام ہیثمیؒ نے "مجمع الزوئد" ۴۵ میں بیان کیا ہے کہ اس حدیث کو امام طبرانیؒ نے "اوسط" اور "صغیر" میں بیان کیا اور اس میں وہ راوی ہیں جن کو میں نہیں جانتا ہوں۔

میں کہتا ہوں: اس لحاظ سے حدیث کا معلول ہونا قاصر ہے جب کہ اس میں عبدالرحمان بن زید ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ "القاعدۃ الجلیلۃ فی التوسل والوسیلہ" میں فرماتے ہیں ۴۶ کہ امام حاکمؒ کا اس حدیث کو روایت کرنا ایسا کام ہے جس کا اس پر انکار کیا گیا ہے۔ امام حاکمؒ نے "المدخل إلی معرفۃ الصحیح من السقیم" میں کہا ہے کہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اپنے والد سے موضوع روایات بیان کرتا ہے۔ صاحب فن لوگ غور فرمائیں تو ان پر مخفی نہیں رہے گا کہ ان احادیث کو اس کی وجہ سے موضوع کہا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم محدثین کے ہاں اتفاق کے ساتھ ضعیف ہے۔ وہ بہت غلطیاں کرتا ہے اور شیخ الاسلامؒ نے اس کے ضعیف ہونے پر محدثین کا جو اتفاق نقل کیا ہے وہ بالکل درست ہے۔ ان سے قبل ابن جوزیؒ نے بھی یہی بات کہی ہے بلکہ جب آپ رجال کی کتابوں کی ورق گردانی کریں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ تمام ائمہ اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ اور علی بن مدینیؒ اور ابن سعدؒ نے اس کو نہایت ضعیف کہا ہے۔ امام طحاویؒ کا قول ہے کہ محدثین کے نزدیک اس کی احادیث حد درجہ ضعیف ہیں۔

ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ وہ احادیث میں تبدیلی کرتا تھا جب کہ اس کو احادیث کا زیادہ علم بھی نہ تھا۔ یہاں تک کہ اس کی مروی احادیث میں کثرت کے ساتھ مرسل کو مرفوع اور موقوف کو مسند بنا دیا گیا ہے اس لحاظ سے اسے اس لائق سمجھا گیا ہے کہ اسے چھوڑ دیا جائے۔ اور ابو نعیمؒ نے بھی امام حاکمؒ جیسی بات کہی ہے کہ اس نے اپنے والد سے موضوع روایات بیان کی ہیں۔

میں کہتا ہوں: شاید یہ حدیث بھی ان احادیث سے ہے جو اصل میں موقوف ہیں اور اسرائیلی روایات سے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید نے غلطی سے اس حدیث کو مرفوع کہہ دیا ہے۔ اس کی تائید اس بات سے ہو رہی ہے کہ ابوبکر آجریؒ نے اس کو "الشریعہ" ۱۲۷ء میں فہری کے طریق سے (جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے) ایک دوسری سند کے ساتھ عبدالرحمٰن بن زید سے اس نے اپنے والد سے' اس نے اپنے دادا سے' اس نے عمرؓ بن خطاب سے موقوف ذکر کیا ہے نیز اس حدیث کو ابو مروان عثمان کے طریق سے ذکر کیا۔ ۱۲۸ء اس نے کہا کہ مجھے میرے والد عثمان بن خالد نے حدیث بیان کی (اصل میں بیٹے کے لفظ ہیں جو غلط ہیں) اس نے عبدالرحمٰن بن ابی الزّناد سے اس نے اپنے والد سے اس نے کہا کہ وہ کلمات جن کے کہنے سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی توبہ قبول کی وہ یہ تھے۔ آدمؑ نے کہا' "اے اللہ! میں تجھ سے محمدؐ کے اس حق کے ساتھ سوال کرتا ہوں جو اس کا تجھ پر ہے" پہلے کی مثل ہے البتہ یہ الفاظ نہیں ہیں کہ "تو مجھ سے اس کے حق کے ساتھ دعا کر" یہ حدیث موقوف ہے عثمان اور اس کا بیٹا ابو مروان دونوں ضعیف راوی ہیں ان کی روایت قابلِ حجت نہیں ہے اگرچہ وہ مرفوع ہی کیوں نہ بیان کریں' چنانچہ ان کی روایت اس صورت میں کیسے حجت ہو سکتی ہے جب وہ بعض تبع تابعین سے موقوف بیان کریں؟ (اللہ جانتا ہے کہ) اس روایت کو مسلمان اہل کتاب' غیر مسلم یا ان کی کتابوں سے اخذ کیا گیا ہے جن پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ اس کا تذکرہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتابوں میں کیا ہے اسی طرح اس کو ابن عساکرؒ ۱۲۹ء نے اہل مدینہ کے ایک شیخ سے اس نے ابن مسعودؓ کے شاگردوں سے انہوں نے ابن مسعودؓ سے اس کا قول موقوفاً ذکر کیا' لیکن اس کی سند میں بعض مجہول راوی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ نبی

صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کا کچھ اصل نہیں ملتا۔ اسی وجہ سے حتمی طور پر اس حدیث پر امام ذہبیؒ اور امام عسقلانیؒ جیسے جلیل القدر حفاظ فن نے باطل ہونے کا حکم لگایا ہے جیسا کہ ان دونوں کا قول سابقہ اوراق میں گزر چکا ہے۔ اس حدیث کے باطل ہونے پر یہ بات بھی دلالت کر رہی ہے کہ اس حدیث میں یہ وضاحت ہے کہ حضرت آدمؑ نے اپنی تخلیق کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا اور یہ واقعہ جنت میں ہوا اس سے پہلے کہ حضرت آدم کو زمین پر اتارا جائے۔

لیکن ایک دوسری حدیث میں جس کی سند مذکورہ حدیث کی سند سے بہتر ہے اس میں ہے کہ حضرت آدمؑ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت دیکھا جب وہ ہندوستان گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک اذان میں سنا۔ ۱۳۰۔

ان تمام دلائل کے ہوتے ہوئے بھی شیخ کوثری نے راہ حق سے گریز کرتے ہوئے اس حدیث کو صحیح کہہ دیا ہے جب کہ شیخ کوثری نے عبدالرحمٰن بن زید کے ضعیف ہونے کا بھی اعتراف کیا ہے لیکن بعد ازاں استدراک کرتے ہوئے اس حدیث کو صحیح کہہ رہا ہے ۱۳۱۔ البتہ راوی جھوٹ کے ساتھ متہم نہیں ہے وہم کے ساتھ متہم ہے اور اس قسم کے راوی کی بعض روایات کو لیا جا سکتا ہے۔

میں کہتا ہوں: راوی کے وہم نے اس کو ایسے مقام پر پہنچا دیا ہے کہ اس نے موضوع احادیث کو بھی بیان کیا ہے۔ جیسا کہ امام حاکمؒ اور ابو نعیمؒ سے اس کی صراحت گزر چکی ہے۔ پس اسؒ جیسے راوی سے اس کی حدیث نہیں لی جا سکتی۔ بلکہ کوثری کا بھی یہی مسلک ہے لیکن اگر عصبیت اور خواہشِ نفسانی کا غلبہ نہ ہو تو قارئینِ کرام ملاحظہ فرمائیں کہ کوثری نے درج ذیل حدیث پر بحث کرتے ہوئے کیسے وضع کا حکم لگایا ہے ۱۳۲۔

"اِیَّاکُمْ وَخَضْرَاءَ الدِّمَنِ"

خود کو بظاہر سبزہ زاروں سے محفوظ رکھو۔

جب کہ پہلے گزر چکا ہے کہ کسی حدیث پر وضع یا شدید ضعف کا فنی لحاظ سے حکم لگانا اس وقت ہوتا ہے جب اس میں راوی کذاب ہو یا متہم **بالکذب** ہو اور اس کی خطائیں زیادہ ہوں۔ گذشتہ وضاحت سے قارئینِ کرام کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ

حدیث کی صحت یا عدم صحت کا دارومدار عبدالرحمٰن بن زید پر ہے جو زیادہ غلطیاں کرنے والا ہے۔ پس اگر شیخ کوثری انصاف کا پہلو اختیار کرتے تو یقیناً اس راوی کی ذکر کردہ روایت ان کے نزدیک بھی کم از کم شدید قسم کی ضعیف ہوتی لیکن ان کا عجیب انداز ملاحظہ فرمائیں جب کہ وہ سابقہ عبارت کے بعد کہتے ہیں ۱۳۳ء کہ یہ وہ رائے ہے جو امام حاکمؒ نے اختیار کی ہے جب کہ انہوں نے بیان کیا ہے کہ اس حدیث کو امام مالکؒ نے مقبول سمجھتے ہوئے (جیسا کہ ابن حمید ہے اس سے روایت کیا) ابو جعفر منصور سے کہا کہ یہی تو آپ کا اور آپ کے باپ حضرت آدمؑ کا وسیلہ ہے۔

ہم شیخ کوثری سے سوال کرتے ہیں یہ بات کیسے صحیح قرار دی جا سکتی ہے کہ امام حاکمؒ نے یہ سمجھا کہ اس حدیث کو امام مالکؒ نے قبول کیا ہے کیا کسی انسان کے حافظ ہونے سے یہ لازم آتا ہے کہ اس کی ہر بات محفوظ ہے خواہ وہ کسی امام کی کیوں نہ ہو؟ یہ رائے تو کسی انسان کی نہیں ہے تو پھر اس قسم کے دعویٰ کے لئے نقل صریح ضروری ہے کہ امام حاکمؒ کی یہ رائے ہے وگرنہ جو شخص اس کا دعویٰ کرتا ہے تو اس نے ایسی بات کہہ دی جس کا اس کو علم نہ تھا۔ پھر ہم تسلیم کرتے ہیں کہ امام مالکؒ نے اس حدیث کو قبول کیا ہے تو کیا ضروری ہے کہ ان کے علاوہ دوسرے آئمہ بھی اس کو قبول کریں جب کہ اس کی سند نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہونے کا ذکر نہیں ہے تو کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ روایت اسرائیلی روایات سے ہو؟ جن کو بعض مسلمان اہل کتاب جیسے کعب احبار سے روایت کرنے میں علماء نے سہل نگاری دکھائی ہے چنانچہ کعب احبار سے ابن عمرؓ' ابن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ بعض روایات بیان کرتے ہیں اس کا اعتراف کوثری نے بھی کیا ہے۔ ۱۳۴ء جب ان کے لئے اس کا جواز ہے تو امام مالکؒ کے لئے اس کا جواز کیوں نہیں ہے؟ ضرور ہونا چاہئے' یقیناً ہونا چاہئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام مالکؒ کا ذکر کردہ قول اس حدیث کا قوی شاہد نہیں ہو سکتا۔ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ یہ تمام باتیں اس وقت کہی جائیں گی جب یہ بات امام مالکؒ سے ثابت ہو حالانکہ اس کا امام مالکؒ سے ثابت کرنا ممکن ہی نہیں سخت مشکل ہے۔ اس لئے کہ اس روایت کو ان سے روایت کرنے والا ابن

حمید ہے اور وہ راجح قول کے لحاظ سے کوثری کے نزدیک محمد بن حمید رازی ہے پھر اس نے ابن معینؒ کی توثیق پر اعتماد کیا ہے اور احمدؒ اور ذہلیؒ نے اس کی ستائش کی ہے اور جمہور ائمہ نے اس کو ضعیف قرار دینے میں تغافل برتا ہے بلکہ کثیر ائمہ نے اس کی تکذیب کی ہے جیسے ابوحاتمؒ، امام نسائیؒ اور ابوزرعہ ہیں اور اس بات کی بھی تصریح کی ہے کہ وہ قصداً جھوٹ بولتا تھا اور ابن خراشؒ جیسے فاضل امام تو اللہ کی قسم اٹھا کر کہتے ہیں کہ وہ کذب بیانی کرتا تھا۔ اور صالح بن محمد ازدی کہتے ہیں کہ ابن حمید ہمیں جو احادیث بیان کرتا ہے ہم ان احادیث کے بارہ میں اس کو متہم قرار دیتے ہیں اور دوسرے مقام پر فرمایا کہ وہ کثرت کے ساتھ احادیث بیان کرتا لیکن میں نے اس سے زیادہ کوئی شخص نہیں دیکھا جو اللہ پر جھوٹ کہنے میں اتنا دلیر ہو۔ نیز انھوں نے ذکر کیا کہ میں نے سلیمان شاذکونی اور محمد بن حمید سے زیادہ ہوشیاری کے ساتھ جھوٹ بولنے والا کسی کو نہیں پایا۔ اس کو اس کی تمام احادیث یاد تھیں۔ ابوعلی نیشاپوری کا قول ہے کہ میں نے ابن خزیمہؒ سے کہا کاش! استاذ صاحب آپ محمد بن حمید سے احادیث روایت کریں اس لئے کہ امام احمدؒ بن حنبل نے اس کی خوب تعریف کی ہے۔ ابن خزیمہؒ نے کہا کہ وہ اسے پہچانتے نہیں، اگر وہ اس کو جانتے ہوتے جیسا کہ ہم جانتے ہیں تو کبھی اس کی تعریف نہ کرتے۔ پس یہ تمام نصوص دلالت کر رہی ہیں کہ یہ راوی باوجود اس کے کہ اس کا حافظہ قوی تھا، کذّاب ہے اور جرح کے تمام اسباب سے زیادہ قوی اور زیادہ واضح سبب کذب بیانی ہے اس بناء پر شیخ کوثری کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ وہ تعدیل کو جرح مفسّر پر مقدم کرے حالانکہ یہ بات اس کے عقیدہ کے بھی خلاف ہے۔ اس سے وہ شخص آگاہ ہے جو یہ جانتا ہے کہ وہ اہل سنت اور اہل حدیث کے ساتھ کتنا شدید تعصب رکھتا ہے اور ان سے دشمنی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتا (اللہ پاک اس کو معاف فرمائے)

مذکورہ وضاحت سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ جو قصہ امام مالکؒ کی طرف منسوب کر کے پیش کیا گیا وہ بالکل باطل اور من گھڑت ہے چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس کے بارہ میں ایک دوسرے انداز سے "القاعدۃ الجلیلۃ" میں تحقیق فرما کر پیش کیا ہے عنقریب اس کا ذکر ہو گا۔ نیز ابن عبدالہادیؒ نے "الصارم المنکی"

میں اس قصہ کی تحقیق کی ہے۔ جو شخص اس واقعہ کے بطلان پر مزید معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے وہ ان دونوں کتابوں کا مطالعہ کرے۔ ان کے مطالعہ سے اطمینان حاصل ہو گا نیز اس سے اس حدیث کا موضوع ہونا بھی ثابت ہو گیا جس میں حضرت آدم کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وسیلہ پکڑنے کا ذکر ہے نیز مخالفین کے مسلک کا غلط ہونا بھی ثابت ہو گیا۔

میں نے اس حدیث کی تحقیق اور ان احادیث میں تفصیل سے کام لیا ہے جن کا ذکر اس سے پہلے کیا گیا ہے میں اتنی تفصیل میں نہ جاتا اگر میرا ضمیر مجھے مجبور نہ کرتا خصوصاً جب مجھے کوثری کے مغالطات کا علم ہوا تو میں نے ضروری سمجھا کہ اس کے مغالطات کا پردہ چاک کروں تاکہ وہ لوگ جن کو اس کا علم نہیں کہیں وہ دھوکے میں واقع نہ ہو جائیں۔ تاہم اس قدر تفصیل پر معذرت خواہ ہوں۔

پھر میں نے مذکورہ احادیث اور ان کی ہم معانی احادیث کو ایک خاص رسالے میں اکٹھا کر دیا جن سے ناجائز وسیلہ پر استدلال کیا گیا ہے اور یہ رسالہ ہمارے ان رسائل کے مجموعہ ۳۵ھ میں چھٹا رسالہ ہے۔ رسائل کے مجموعے کا نام "تسدید الاصابہ الیٰ من زعم نصرۃ الخلفاء الراشدین والصحابہ" ہے میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ پاک بدعت کے رسالہ کی اشاعت کے ساتھ ساتھ ہمیں ان کی اشاعت کی بھی توفیق عطا فرمائے۔

بایں ہمہ ان احادیثِ ضعیفہ نے وسیلہ کے مسئلہ میں جن تباہ کن نتائج کو جنم دیا ہے کہ امتِ مسلمہ کی بیشتر آبادی کو شرعی وسیلہ سے ہٹا کر غیر شرعی وسیلہ کی بھٹی میں جھونک دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے (جتنا مجھے علم ہے) کہ علماء کا اتفاق ہے کہ اللہ کی جانب اللہ کے کسی نام یا اس کے کسی اوصاف میں سے کسی وصف کے ساتھ وسیلہ اختیار کیا جائے اسی طرح عمل صالح سے وسیلہ پکڑنا مستحب ہے لیکن غیر شرعی وسیلہ پکڑنا اولاً درست نہیں تاہم مختلف فیہ ضرور ہے پس انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ احتیاط کی راہ اختیار کر کے اس سے دور رہا جائے اور اس حدیث پر عمل کیا جائے کہ "شک کو چھوڑ کر غیر شک کو اختیار کیا جائے" اور مشروع وسیلہ اختیار کیا جائے لیکن سخت افسوس کا مقام ہے کہ لوگ شرعی وسیلہ سے اعراض کرتے ہیں اور اس وسیلہ کی

جانب لپکتے ہیں جس میں اختلاف ہے گویا کہ وہ ضروری ہے' اس کی سوا کوئی چارہ کار نہیں بلکہ اس کو فرائض کا مقام دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ جمعہ کے روز کوئی عالم ایسا نہیں (اِلّاَمَا شَاءَ اللہ) جو دعا کرتے ہوئے غیر شرعی وسیلہ اختیار نہ کرتا ہو۔ بخلاف اس کے کہ مستحب وسیلہ پر عمل کرنے کے لئے کوئی شخص آمادہ نہیں اور یہ الفاظ سننے میں نہیں آتے' اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس وسیلہ کے ساتھ کہ "صرف تیرے ہی لئے حمد و ثناء ہے تیرے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں بس تو اکیلا ہے تیرا کوئی شریک نہیں تو احسان فرمانے والا ہے۔ اے آسمانوں اور زمین کے بنانے والے' اے وہ ذات جو جلال اور عزت والی ہے' اے وہ ذات جو زندہ ہے اور ہمیشہ قائم دائم ہے میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔" ان کلمات میں اسم اعظم بھی ہے کہ جب اسمِ اعظم کے ساتھ پکارا جاتا ہے تو دعا قبول ہوتی ہے اور جب اس کے ساتھ سوال کیا جاتا ہے تو سوال پورا ہوتا ہے جیسا کہ ان کلمات کا ثبوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب درست ہے۔ ۱۳۶

میں قارئین کرام سے دریافت کرتا ہوں' کیا آپ نے کبھی کسی شخص کی زبان سے سنا ہے کہ وہ ان کلمات یا ان کے ہم معنی کلمات کے ساتھ دعا کرتا ہو؟ البتہ میں تو سخت افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ میں نے تو کبھی یہ کلمات کسی کی زبان سے نہیں سنے اور میرا ظنِ غالب یہی ہے کہ آپ کا جواب بھی میرے موافق ہو گا۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ احادیثِ ضعیفہ کا لوگوں میں پھیل جانا ہے اور سنّتِ صحیحہ سے ناواقف ہونا ہے۔ اے مسلمانو! تم پر فرض ہے کہ تم سنّتِ صحیحہ کو علم اور عمل کے ساتھ روشن کرو تمہیں ہدایت حاصل ہو گی اور تمہیں غلبہ نصیب ہو گا۔ وسیلہ کے بارہ میں جن احادیثِ ضعیفہ کا ذکر ہو چکا ہے ان کو میں نے ایک رسالہ میں جمع کیا' اس کی طباعت کے بعد مجھے وسیلہ کے جواز پر ایک رسالہ دیکھنے کا اتفاق ہوا جو شمال کے زبان دراز مشائخ میں سے کسی شیخ کا تحریر کردہ تھا' یہ تناقض کے ساتھ بھرا ہوا تھا۔ جس سے اس کی انتہا درجہ کی حماقت مترشح تھی۔ جو گمراہ کن باطل باتوں' ناروا تاویلات' علماء پر بیہودہ الزامات اور اجماع سے انکار پر مشتمل تھا۔

مثال کے طور پر اس میں فوت شدہ لوگوں سے مدد مانگنے اور ان کے لئے نذر

ماننے کا جواز مہیا کیا گیا تھا۔ جو بزعم خود توحید فی الربوبیت اور توحید فی الالوہیت کے تلازم کا نظریہ رکھتا تھا۔ علاوہ ازیں اس میں ایسی ایسی باتیں دیکھنے میں آئیں جن کا کوئی مسلمان عالم قائل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اس شیخ نے اس میں احادیثِ ضعیفہ وغیرہ کو اپنی عادت کے مطابق جمع کر دیا جیسا کہ اس کے دیگر تمام رسائل احادیثِ ضعیفہ اور ناقابلِ اعتبار باتوں کا مجموعہ ہیں۔

کتنا اچھا ہوتا اگر وہ احادیثِ ضعیفہ کے بارہ میں خاموشی اختیار کرتا لیکن اس نے تو بعض ایسی احادیث کو صحیح قرار دیا ہے جن کا ضعیف ہونا مشہور ہے جیسا کہ وہ کہتا ہے ۳۱۷ "بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام مخلوق سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کے بندوں کو زیادہ فائدہ پہنچاتا ہے۔" اس مضمون کی حدیث اور دیگر احادیث کو اس نے احادیثِ صحیحہ میں شمار کیا ہے۔ فی الوقت ان کے بارہ میں بحث کرنا ممکن نہیں۔ اس لئے کہ اس وقت مقصد صرف یہ ہے کہ قارئین کرام کو خبردار کیا جائے کہ اس نے وسیلہ کے مسئلہ میں احادیثِ ضعیفہ کو کتنی ہوشیاری اور چالاکی کے ساتھ صحیح قرار دینے کی کوشش کی ہے اس کے صریح جھوٹ اور بددیانتی سے قارئین کو مطلع کرنا ضروری ہے تاکہ قارئینِ کرام ایسے لوگوں سے پرہیز کریں جو کتابیں تالیف کرتے وقت اللہ کا خوف نہیں رکھتے ان کا اصل مقصد اپنی ناپاک خواہشات کی تکمیل اور اپنے آباؤ اجداد کے رسم و رواج کو مزید پختہ کرنا ہوتا ہے۔

چنانچہ انسؓ کی حدیث نمبر ۲۳ جس کی سند کے ضعف کو ہم نے بیان کیا ہے اس حدیث کو اس نے صحیح ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے جو وہم سے زیادہ نہیں ہے۔ اس کو صحیح ثابت کرنے کے لئے اس نے کہا کہ ابن حبانؒ اور امام حاکمؒ نے روح بن صلاح راوی کی توثیق کی ہے جب کہ ہم نے اس کے ضعف کو ثابت کیا ہے نیز ہم نے ثابت کیا ہے کہ فن جرح و تعدیل کے ماہر علماء ان دونوں کی توثیق کا اعتبار نہیں کرتے۔ غور و فکر کی ضرورت ہے۔ اسی طرح ہم نے نقل میں کوثری کی خیانت کو بھی ثابت کیا ہے کہ وہ خواہشات نفسانی کی تکمیل کے لئے کس قدر سرگرداں ہے؟ چنانچہ اس رسالہ کا مؤلف بھی کوثری کی اقتداء کر رہا ہے بلکہ اس سے دو قدم آگے ہے۔

چنانچہ اس نے اس حدیث کا ذکر کرنے کے بعد قارئین کو اس وہم میں مبتلا کیا ہے کہ حدیث صحیح ہے اس کے بعد اس نے کہا ۱۳۸ اس حدیث کے متعدد طرق ہیں ابو نعیمؒ نے "المعرفہ" میں ابن عباسؓ سے اور دیلمیؒ نے "الفردوس" میں حسن سند کے ساتھ ذکر کیا ہے جیسا کہ حافظ سیوطیؒ نے کہا ہے جب کہ ابن عباسؓ پر کذب بیانی سے کام لیا گیا ہے۔ بلکہ حافظ سیوطیؒ پر بھی اتہام کیا ہے۔ ابن عباسؓ کی حدیث میں انسؓ کی حدیث کا کوئی لفظ شاہد نہیں ہے یعنی انسؓ کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں۔

بِحَقِّ نَبِيِّكَ وَالْأَنْبِيَاءِ الَّذِيْنَ قَبْلِيْ فَإِنَّكَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ ۱۳۹

جب کہ ابن عباسؓ کی حدیث میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ اس سے ذکر کردہ زیادتی کا ضعف واضح ہے گویا کہ اس کی تقویت ہو لیکن اس سے مؤلف کی بزدلانہ خواہش کی تکمیل نہیں ہو پاتی ہے۔

اور عمرؓ کی حدیث نمبر ۲۵ کی تخریج کے بارہ میں اس نے کہا ۱۴۰ کہ اس کو امام بیہقیؒ نے "دلائل النبوۃ" میں ذکر کیا۔ جب کہ امام بیہقیؒ نے التزام کیا ہے کہ وہ اس کتاب میں کسی موضوع حدیث کو ذکر نہیں کریں گے۔

میں کہتا ہوں: اس کے دو جواب ہیں۔

پہلا جواب: امام بیہقیؒ کے اس التزام کو ہم تسلیم نہیں کرتے اس لئے کہ امام بیہقیؒ نے اس کتاب میں متعدد موضوع احادیث ذکر کی ہیں اور بعض ناقدین فن نے اس کی وضاحت بھی کی ہے اور جو اہل علم "احادیث الضعیفہ والموضوعہ" کے مقالات کا تتبع کرے گا وہ ان امثلہ پہ اطلاع پا سکے گا۔ سردست اس کی دلیل یہی حدیث کافی ہے کہ حافظ ذہبیؒ اور امام عسقلانیؒ نے اس حدیث کو باطل کہا ہے اس کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے۔ اس کے باوجود تعجب ہے کہ مؤلف ان دونوں کے فیصلے سے چشم پوشی کر رہا ہے حالانکہ فنِ رجال میں یہ دونوں امام سند کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن مؤلف متشابہ کلام کے ساتھ تمسک اختیار کرتا ہے۔

دوسرا جواب: امام بیہقیؒ نے اس کا ذکر "دلائل النبوۃ" میں کیا ہے اور اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ جیسا کہ امام بیہقیؒ کا قول پہلے نقل ہو چکا ہے پس اگر

حدیث اس کے نزدیک موضوع نہیں ہے تو ضعیف تو ضرور ہے۔ پس شیخ پر حجت قائم ہو گئی جو کلام کے ہیر پھیر سے اس کو صحیح بنانا چاہتا تھا۔ پھر مؤلف نے ذکر کیا کہ امام حاکمؒ نے اس حدیث کو ذکر کیا اور اس کو صحیح کہا ہے لیکن حدیث پر امام ذہبیؒ کے تعاقب سے چشم پوشی اختیار کی جس میں وہ صراحتاً حدیث کو موضوع کہتے ہیں جیسا کہ حدیث کے راوی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کی حالت سے چشم پوشی کی ہے۔ جس کا حال معلوم نہیں یا وہ متہم ہے نیز امام ہیثمیؒ کے قول سے بھی اغماض کیا ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ حدیث میں ایسے راوی بھی ہیں جن کو میں نہیں جانتا۔

اس مولف اور اس جیسے دوسرے مؤلفین کی عجیب بات یہ ہے کہ ان کا خیال ہے کہ اجتہاد کا دروازہ لوگوں پر بند ہو چکا ہے پس اب نہ کسی حدیث کی تصحیح میں، نہ تضعیف میں، نہ فقہی مسائل کی ترجیح اور تفریع میں ہرگز اجتہاد جائز نہیں ہے۔ باوجود اس کے پھر وہ ایسے مسائل میں اجتہاد کرتے ہیں جن کے بارہ میں انہیں علم نہیں ہوتا بالخصوص حدیث کے مسائل متخصص فی الحدیث اہل علم کی قیمتی باتوں کو دیواروں پر پھینک دیتے ہیں مزید برآں وہ تقلید کرنے میں بلا دلیل تقلید کرتے ہیں اور اپنی خواہشات کی اتباع کرتے ہیں۔ دگرنہ آپ ہمیں بتائیں، ہم ان کو حلف دے کر سوال کرتے ہیں کہ جب امام حاکمؒ کسی حدیث کو صحیح کہہ دیں جب کہ امام حاکمؒ کا تساہل معروف ہے اور امام ذہبیؒ، امام ہیثمیؒ اور امام عسقلانیؒ جیسے صاحب فن اس کی تردید کریں تو کیا ایسی حالت میں امام حاکمؒ کے صحیح قرار دینے کو تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ البتہ جہالت کے دلدادہ یا مطلب پرست لوگ امام حاکمؒ کی صحت کو قبول کر سکتے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں خواہش نفس کی پیروی سے محفوظ فرما کہ کہیں یہ ہمیں تیری راہ سے گمراہ نہ کر دے۔

نیز مؤلف کا خیال ۱۳۱ء ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک اس حدیث کے شاہد کا مقام صحیح ہے جب کہ امام مالکؒ نے خلیفہ عباسی سے کہا کہ آپ اپنی ذات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیوں پھیرتے ہیں جب کہ وہ آپ اور آپ کے باپ کا وسیلہ ہیں؟

ہم نے اس واقعہ کے باطل ہونے کے بارے میں وضاحت کر دی ہے کہ اس واقعہ کی نسبت امام مالکؒ کی جانب کرنا صحیح نہیں ہے اور رسالے کے مولف کو

مسائل کی تحقیق کے ساتھ کچھ تعلق نہیں۔ اس کے نزدیک کسی واقعہ کا ثابت ہونا یا نہ ہونا دونوں برابر ہیں جب کہ واقعہ سے اس کی بدعت کو تقویت اور خواہشِ نفسانی کو تسکین ہوتی ہے تو وہ اس کا ذکر کر دیتا ہے۔ زیرِ بحث مسئلہ وسیلہ کا ہے اس سے اس کا مقصود غیر شرعی وسیلہ کو ثابت کرنا ہے۔

اس رسالہ کے مؤلف کی بے باکی اور دیدہ دلیری جہالت کی کرشمہ سازی سے ہے کہ وہ وضاحت کرتا ہے ۱۴۲ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء، اولیاء اور نیک لوگوں سے مدد لینا درست ہے۔ اور (معاذ اللہ) اس بدعتی ابن تیمیہؒ کے وجود سے قبل اُمتِ مسلمہ کا اس مسئلہ پر اجماع تھا۔ یہ شخص آٹھویں صدی ہجری میں نمودار ہوا اور اس نے بدعات کا جال پھیلا دیا۔

اولاً: ہم کہتے ہیں کہ مؤلف کی جہالت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ اسے معلوم تک نہیں کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ علیہ کا کب ظہور ہوا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ شیخ الاسلامؒ ساتویں صدی ہجری میں پیدا ہوئے اور آٹھویں صدی کے آغاز ۷۲۸ھ میں فوت ہوئے۔

ثانیاً: ہم کہتے ہیں کہ غیر اللہ کے ساتھ وسیلہ پکڑنے کے انکار کی ایسے بعض ائمہ متقدمین نے صراحت کی ہے جن کا علم و فضل مسلم ہے اور اسی کتاب کی حدیث نمبر ۲۲ کی تحقیق میں امام ابوحنیفہؒ کا قول علماءِ احناف کی کتابوں سے نقل کیا ہے جن پر انہیں اعتماد حاصل ہے نیز ان کتابوں میں صاحبین امام محمدؒ اور امام ابویوسفؒ سے بھی اس مضمون کا قول مذکور ہے جس سے ان بدعتیوں کی کمریں ٹوٹ گئی ہیں۔ ہم اس شخص سے دریافت کرتے ہیں (جو اس مسئلہ میں نہایت دیدہ دلیری سے جھوٹ بولتا ہے اور اجماع کا مدعی ہے) کہ وہ آپ کا خیالی اجماع کہاں ہے؟ اور اجماع پر عظیم افتراء یہ ہے کہ اس رسالے کا مؤلف اجماع خیالی کا سہارا لے کر فوت شدہ نیک لوگوں سے مدد مانگنے کو جائز قرار دیتا ہے جب کہ یہ بہت بڑی گمراہی ہے۔ بحمد اللہ اُمّت کے اسلاف علماء میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔ ہم مؤلف اور اس جیسے دوسرے بزعم خویش علماء کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ وسیلہ غیر شرعی کے جواز پر کسی نص کے ساتھ ملتی جلتی دلیل ہی پیش کریں، جب کہ ان کے متاخرینِ علماء کی

کتابوں میں اس کے خلاف حکم موجود ہے۔ اگر مقام کی تنگ دامانی شامل حال نہ ہوتی تو ہم ان سے بعض نصوص ذکر کرتے۔

اور ابوسعید خدریؓ کی حدیث نمبر ۲۴ ذکر کرنے کے بعد مؤلف رسالہ نے صرف اس پر اکتفا کیا ہے ۱۴۳ کہ بعض علماء سے اس کے "حسن" ہونے کو نقل کیا ہے۔ ہم نے چند وجوہ سے اس کی غلطیوں کو بیان کیا ہے جن کا جواب نہیں دیا جا سکتا۔ اب دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ خیال رہے کہ مؤلف رسالہ کو علمی تحقیق سے ہرگز دلچسپی نہیں ہے اس لئے کہ اس کا شمار ہی محققین علماء سے نہیں ہوتا نہ ہی وہ اسکا استحقاق رکھتا ہے۔ اس کا مشغلہ صرف یہ ہے کہ وہ اپنی خواہشات نفسانی کی تائید میں وہم و گمان والی باتوں کو پیش کرتا ہے اگرچہ وہ ضعیف کے لحاظ سے چاند کی کرنوں یا مردوں کی مدد کی طرح لاشئی ہی کیوں نہ ہو۔ اس مناسبت سے میں چاہتا ہوں کہ مختصر الفاظ میں مؤلف رسالہ کے اس حدیث سے غیر شرعی وسیلہ کے اثبات پر تبصرہ کروں غور فرمائیں۔

"اللہ پاک سے سوال کرنے والوں کا اللہ پر حق ہے کہ وہ ان کی دعا قبول فرمائے"

اگر یہ حدیث اور اس کے ہم معنی مترادف احادیث صحیح ہیں تو ان میں ہرگز اللہ کی طرف مخلوق کے توسّل کا ذکر نہیں ہے بلکہ اللہ پاک کی طرف اس کی صفات میں سے کسی صفت کا وسیلہ اختیار کرنا ہے اور وہ صفت اللہ پاک کا دعاؤں کو قبول کرنا ہے۔ خیال رہے کہ یہ شرعی وسیلہ ہے اور اس میں کچھ نزاع نہیں ہے انصاف کے دامن کو تھام کر غور فرمائیں تو آپ محسوس کریں گے کہ اس مؤلف کا حدیث کے بعد یہ قول کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زندہ اور مردہ لوگوں کا وسیلہ پکڑا ہے جو اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے والے تھے۔

اس کے بارہ میں ہمارا مؤقف یہ ہے کہ اس کے کلمات میں تحریف ہے تو ہم کہتے ہیں اگر "حق السائلین" والی حدیث صحیح ہے تو آپؐ نے اس کے ساتھ وسیلہ اختیار کیا ہے اسی طرح اللہ کی طرف جانے کے حق کا وسیلہ اختیار کرکے دعا کرنا کہ اللہ پاک اپنے بندے کو بدلہ عطا فرمائے۔ یہ بھی اللہ کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ یہ وسیلہ درست ہے لیکن غیر شرعی وسیلہ تو اللہ پاک کی ذات کے ساتھ نہیں

ہوتا غیر کے ساتھ ہوتا ہے۔

اس خاموش کرا دینے والے جواب کے آخر میں قارئین کرام کو دو باتوں کی جانب متنبہ کرنا مقصود ہے جو مذکورہ رسالہ میں درج ہیں۔

پہلی بات: نابینا انسان کی حدیث ہے ۳۴ک جس کی وضاحت ہو چکی ہے۔ اس کے بعد عثمان بن حنیف کے واقعہ کا ایک ضرورت مند انسان کے ساتھ ذکر ہے اور اس نے کس انداز سے شکوہ کیا کہ وہ عثمانؓ بن عفان کی خدمت میں جاتا ہے لیکن وہ اس کی جانب دھیان نہیں دیتے تو اس (ضرورت مند شخص) کو عثمان بن حنیف نے حکم دیا کہ وہ نابینا انسان والی دعا کرے۔ چنانچہ وہ عثمانؓ بن عفان کے پاس پہنچا انہوں نے اس کا کام کر دیا۔ اس طرح رسالہ کے مؤلف نے اس واقعہ کے ساتھ استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے ساتھ وسیلہ اختیار کرنا جائز ہے ہم اس کے دو جواب دیتے ہیں۔

پہلا جواب: یہ واقعہ موقوف روایت ہے۔ صحابہ کرامؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپؐ کی ذات کے ساتھ ہرگز وسیلہ اختیار نہیں کیا اس لئے کہ صحابہ کرامؓ کو اس بات کا علم تھا کہ آپؐ کے ساتھ وسیلہ اختیار کرنے کا مطلب آپؐ کی دعا کے ساتھ وسیلہ اختیار کرنا ہے اور یہ ممکن نہیں جیسا کہ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

دوسرا جواب: یہ واقعہ ابن حنیف سے ثابت نہیں ہے اس کی وضاحت ہمارے رسالہ "التوسّل" میں مذکور ہے اور اشارتاً" اس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔

دوسری بات: رسالہ کے مؤلف نے بلالؓ بن حارث مزنی صحابی کا ذکر کیا ہے ۳۵ک کہ جب حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں قحط رونما ہوا تو وہ صحابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر آیا اور آپؐ کو آواز دیتے ہوئے کہا' اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! اپنی اُمّت پر بارش نازل فرمائیں' وہ تو قحط سالی کی وجہ سے مر رہے ہیں۔

لیکن یہ واقعہ ثابت نہیں ہے رسالہ کے مؤلف نے ائمہ کرام کے کلام میں تبدیلی کرتے ہوئے اور اپنے سے ماقبل بعض خواہش پرست لوگوں کی تقلید کرتے

ہوئے اس کے صحیح ہونے کا وہم دلایا ہے۔
تفصیل کے لئے ہمارا رسالہ "التوسّل" ملاحظہ فرمائیں۔

۲۶ - اَلحِدَّةُ تَعتَرِی خِیَارَ اُمَّتِی.

تیزیٔ طبع میری اُمت کے بہترین لوگوں کا وصف ہے۔

تحقیق: یہ حدیث ضعیف ہے، اس کو امام طبرانیؒ ۳۶۹ف، ابن عدیؒ ۴۷ف، اور المخلصؒ ۸ف نے "الفوائد المنتقاۃ" میں سلام طویل سے اس نے فضل بن عطیہ سے اس نے عطاء سے اس نے ابن عباسؓ سے مرفوعاً ذکر کیا:

مخلصؒ کا قول ہے کہ امام بغویؒ نے اس حدیث کو منکر کہا ہے اور "سلام طویل" راوی کی حدیث شدید ضعف والی ہے۔ پس یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اصل خرابی یہ "سلام طویل" راوی ہے اور یہی بات درست ہے۔ لیکن ابن جوزیؒ نے "الواھیات" میں اس کے خلاف رائے دی ہے۔ امام مناویؒ نے اس سے "الفیض" میں نقل کیا ہے اس نے کہا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اس حدیث میں متعدد خرابیاں ہیں "سلام طویل" راوی متروک ہے اسی طرح فضل بن عطیہ راوی بھی متروک ہے اور اس حدیث میں اصل مصیبت یہی راوی ہے۔

میں کہتا ہوں: فضل بن عطیہ اگرچہ ضعیف ہے لیکن متہم نہیں ہے لیکن "سلام طویل" راوی کو متعدد محدّثین نے کذب اور وضع کے ساتھ متہم کیا ہے لہٰذا اس کو اس وصف پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہے البتہ وہ اکیلا نہیں ہے بلکہ اس کا متابع محمد بن فضل ہے جو اس حدیث کو اپنے والد سے بیان کرتا ہے اس کو ابو نعیم نے "اخبار اصبہان" میں ۲۹اف اور خطیب بغدادیؒ نے "تاریخ بغداد" ۱۵۰ف میں ذکر کیا ہے۔ البتہ محمد بن فضل راوی کذاب ہے اس کی متابعت پر خوش نہ ہوا جائے۔ ابن معینؒ، فلاسؒ اور ان کے علاوہ دیگر آئمہ فن نے اس کو کذاب کہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو متابعت کا علم نہیں ہو سکا۔ اسی لئے انہوں نے "المقاصد الحسنہ" میں حدیث کو "سلام طویل" کی وجہ سے معلول ۱۵۱ف قرار دیا ہے۔ نیز کہا ہے کہ یہ راوی متروک ہے اور اس کی نسبت "ابویعلیٰ" اور "طبرانی" کی طرف کی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ حدیث اس لحاظ سے شدید ضعیف ہے لیکن اس حدیث کا ایک شاہد ہے جس کی سند اس سے بہتر ہے اس کو حسن بن سفیان نے اپنی کتاب "المسند" اور بشر بن مطر نے اپنی کتاب "حدیث" ۱۵۲ میں اور ابن مندہؒ نے "معرفہ الصحابہ" ۱۵۳ اور ابو نعیمؒ نے "اخبار اصبہان" ۱۵۴ اور خطیب بغدادیؒ نے "الموضح" ۱۵۵ میں درید بن نافع سے اس نے ابو منصور فارسی سے اس حدیث کو مرفوعاً ذکر کیا ہے جب کہ اس کی سند ضعیف ہے اس کے لئے ابو منصور کے صحابی ہونے کے بارہ میں اختلاف کیا گیا ہے امام بخاریؒ کا قول ہے کہ اس کی حدیث مرسل ہے اور اس سے روایت کرنے والے درید راوی کے بارہ میں ابو حاتم کا قول ہے کہ وہ شیخ ہے جیسا کہ ابن ابی حاتمؒ کی "الجرح و التعدیل" میں ہے اور "ثقات" میں ابن حبانؒ کا قول ہے ۱۵۷ کہ وہ مستقیم الحدیث ہے نیز اس حدیث میں اس راوی کے لحاظ سے اضطراب ہے جن رواۃ کا ہم نے ذکر کیا ہے انہوں نے اسی طرح بیان کیا ہے اور اس سے خطیب بغدادیؒ نے دوسرے طریق سے اس نے منصور بن عباس کے غلام سے مرفوعاً ذکر کیا ہے (واللہ اعلم)

نیز یہ حدیث دیگر الفاظ اور دیگر طرق کے ساتھ مروی ہے وہ بھی کذاب رواۃ سے خالی نہیں' ان میں سے تین احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

۲۷ - اَلْحِدَّةُ تَعْتَرِيْ حَمَلَةَ الْقُرْآنِ؛ لِعِزَّةِ الْقُرْآنِ فِيْ اَجْوَافِهِمْ.

تیزیِ طبع قرآن پاک کے حاملین میں اس لئے ہوتی ہے کہ ان کے دلوں میں قرآن پاک کی عظمت جاگزیں ہوتی ہے۔

تحقیق: یہ حدیث موضوع ہے' امام سیوطیؒ نے اس کو "الجامع الصغیر" میں ابن عدیؒ کی روایت کے ساتھ ذکر کیا ہے' ابن عدیؒ نے معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ "الجامع الصغیر" کے شارح امام مناویؒ کا قول ہے کہ اس روایت میں وہب بن وہب بن کثیر راوی کے بارہ میں صاحب "میزان" نے ابن معینؒ کا قول ذکر کیا ہے کہ وہ جھوٹا ہے۔ امام احمدؒ کا قول کہ وہ احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ بعد ازاں اس سے

مروی چند احادیث کا ذکر کیا آخر میں اس حدیث کو پیش کیا اور فیصلہ کیا کہ یہ سب احادیث منکر ہیں۔

۲۸ - اَلْحِدَّةُ لَا تَكُوْنُ اِلَّا فِيْ صَالِحِيْ اُمَّتِيْ وَاَبْرَارِهَا، ثُمَّ تَفِيْءُ.

تیزیٔ طبع صرف میری اُمّت کے صالحین اور نیک لوگوں میں ہوگی پھر تیزی ختم بھی ہو جاتی ہے۔

تحقیق: یہ حدیث من گھڑت ہے' اس حدیث کو ابن بشران نے "الامالی" ۱۵۸ھ میں بشر بن حسین سے اس نے زبیر بن عدی سے اس نے انسؓ بن مالک سے مرفوعا ذکر کیا۔

میں کہتا ہوں: بشر راوی کذاب ہے اس حدیث کو امام سیوطیؒ نے دیلمیؒ کی روایت کے ساتھ "مسند الفردوس" میں انسؓ سے بیان کیا اور اس کے شارح امام مناویؒ نے کہا ہے کہ اس کو دیلمیؒ نے بشر بن حسین سے' اس نے زبیر بن عدی سے اس نے انسؓ سے بیان کیا۔ بشر کے بارے میں امام ذہبیؒ نے امام دارقطنیؒ کا قول ذکر کیا کہ وہ متروک ہے۔

میں کہتا ہوں: امام ذہبیؒ نے "میزان الاعتدال" میں اس کے حالات کے ضمن میں مزید ابوحاتم کا قول ذکر کیا کہ یہ راوی زبیر پر کذب بیانی کرتا ہے ابن حبانؒ کا قول ہے کہ بشر بن حسین اپنے سامنے رکھے ہوئے ایک مجموعہ سے احادیث بیان کرتا اس میں تقریباً ڈیڑھ سو احادیث ہوں گی۔

میں کہتا ہوں: یہ حدیث بھی اسی مجموعہ سے ہے جیسا کہ امام ذہبیؒ نے اس کے حالات میں ذکر کیا ہے لیکن الفاظ یہ ہیں۔ "قرآن پاک کے حاملین سے زیادہ کوئی شخص تیزیٔ طبع نہیں رکھتا' اس کا سبب اس کے دل میں قرآن کی عظمت کا ہونا ہے۔" ان الفاظ کے ساتھ اس کو عقیلیؒ نے "ضعفاء" ۱۵۹ھ میں بشر کے طریق سے بیان کیا۔ نیز کچھ اور احادیث ذکر کیں اور بیان کیا کہ اس سے اس حدیث کی مانند مروی تمام احادیث منکر ہیں۔

نیز اس حدیث کو امام سیوطیؒ "الابانہ" میں ابونصر سجزی کی روایت کے ساتھ اور دیلمیؒ "مسند الفردوس" میں انسؓ سے لائے ہیں اور امام مناویؒ نے اس کا تعاقب اس چیز کے ساتھ کیا ہے جس کو ہم نے امام ذہبیؒ سے نقل کیا کہ ابوحاتم نے بشر راوی کو کذاب کہا ہے۔ نیز مزید بیان کیا کہ "لسان المیزان" میں ابن حبانؒ کا قول ہے کہ اس حدیث کو صرف بطور تعجب کے دیکھا جائے جس کو اس نے زبیر سے روایت کیا ہے اور طیالسیؒ نے بھی اس کو کذاب کہا ہے۔

نیز عجیب و غریب باتوں میں سے یہ ہے کہ امام سیوطیؒ معاذؓ اور انسؓ کی حدیث کو "ذیل الاحادیث الموضوعہ" میں ابن جوزیؒ پر استدراک کرتے ہوئے دو الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے پھر ان دونوں احادیث کو "الجامع الصغیر" میں ذکر کر دیا ہے حالانکہ اس کے مقدمہ میں اس کی طرف سے صراحت ہے کہ اس نے اس کتاب کو ایسی احادیث سے محفوظ کیا ہے جن میں کوئی راوی کذّاب یا وضّاع ہے اور یہ تمام احادیث کذّاب رواۃ سے مروی ہیں۔

۲۹ - خِيَارُ أُمَّتِي أَحِدَّاؤُهُمْ، إِذَا غَضِبُوا: رَجَعُوا.

میری اُمّت کے بہترین لوگ تیز طبیعت والے ہیں کہ جب وہ ناراض ہوتے ہیں تو غصہ بھی جلد ختم کر دیتے ہیں۔

تحقیق: یہ حدیث بالکل باطل ہے، اس حدیث کو عقیلیؒ نے "الضعفاء" ۲۹۰ اور تمامؒ نے "الفوائد" ۱۱۱ اور ابن شاذان نے "فوائد ابن قانع وغیرہ" ۱۴۲ میں اور السلفی نے "الطیوریات" ۱۴۳ میں عبداللہ بن قنبر کے طریق سے اس نے اپنے والد سے حدیث بیان کی۔ اس نے علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعا ذکر کی ہے۔ عقیلیؒ نے حدیث ذکر کرنے کے بعد کہا کہ عبداللہ راوی کی اس حدیث کو مضبوط بنانے کے لحاظ سے کسی نے اس حدیث کی متابعت نہیں کی۔

میں کہتا ہوں: عبداللہ کے بارہ میں امام ازدیؒ نے بیان کیا کہ محدّثین نے اس سے حدیث لینا چھوڑ دیا تھا۔ اور امام ذہبیؒ نے اس راوی کے حالات بیان کرتے

ہوئے اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور اس کو باطل حدیث قرار دیا ہے نیز حافظ عسقلانیؒ نے بھی اس کا اقرار کیا ہے اور اس حدیث کو امام طبرانیؒ نے بھی "اوسط" میں ذکر کیا ہے۔ اس کی سند میں نعیم بن سالم بن قنبر ہے اور وہ کذاب ہے جیسا کہ امام ہیثمیؒ ۱۶۴ اور امام سخاویؒ ۱۶۵ نے بھی یہی بات کہی ہے اور امام بیہقیؒ کی "شعب الایمان" کی جانب اس حدیث کو منسوب کیا ہے اور حافظ عراقیؒ "تخریج الاحیاء" ۱۶۶ میں اس حدیث کی سند کو ضعیف قرار دیتے ہیں لیکن حافظ عراقیؒ کا اس حدیث کو ضعیف کہنا کوتاہی ہے ہاں! اگر اس بات کا خیال رکھا جائے کہ موضوع حدیث بھی تو ضعیف حدیث کی قسم ہے تو پھر کچھ اشکال نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ گرم مزاجی کے بارہ میں مذکورہ تمام احادیث موضوع ہیں البتہ وریدراوی کی حدیث جو اس نے ابو منصور فارسی سے روایت کی ہے جس کے الفاظ حدیث نمبر ۳۶ میں گزر چکے ہیں وہ بوجہ مرسل ہونے کے ضعیف ہے (واللہ اعلم)

ان باطل اور غلط قسم کی احادیث کے نتائج یہ ہیں کہ یہ انسان کو اس بات کا سبق دیتی ہیں کہ انسان تیزی اور جلد بازی کے مزاج میں تبدیلی نہ کرے اور اس کو تبدیل کرنے کے لئے کسی نسخہ پر عمل نہ کرے اس لئے کہ یہ مومن کا خلق ہے۔ چنانچہ اس طرح کا ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔

ازہر یونیورسٹی سے فارغ التحصیل شیخ کے ساتھ کسی مسئلہ میں میرا مناظرہ ہوا اب مجھے یاد نہیں کہ کس مسئلہ پر مناظرہ ہوا تھا دوران مناظرہ وہ گفتگو میں بہت تیز ہو گئے۔ میں نے کہا کہ برافروختہ نہ ہوں انہوں نے دلیل میں یہی حدیث پیش کی۔ میں نے جواب میں کہا کہ یہ حدیث تو ضعیف ہے یہ سن کر وہ مزید بگڑ گئے اور ازہر یونیورسٹی کا سرٹیفکیٹ ذکر کرتے ہوئے مجھ پر اترانے لگے اور مجھ سے مطالبہ کیا کہ اگر آپ کے پاس بھی کسی یونیورسٹی کا سرٹیفکیٹ ہے تو لائیں تاکہ پتہ چلے کہ آپ میری بات کا کیسے انکار کر رہے ہیں۔ میں نے جواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک سنایا کہ "تم میں سے جو شخص بھی کسی غلط کام کو دیکھے تو وہ اس کی اصلاح کرے" (الحدیث)

۳۰ - اَلْخَيْرُ فِيَّ وَفِيْ أُمَّتِيْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

مجھ میں اور میری اُمّت میں قیامت تک کے لئے خیر و برکت ہے۔

تحقیق: اس حدیث کا کچھ اصل نہیں ہے، "مقاصد" کے مؤلف نے بیان کیا کہ ہمارے شیخ ابن حجر عسقلانیؒ کا قول ہے کہ میں اس حدیث کو نہیں جانتا۔ اور مشہور فقیہہ ابن حجر ہیتمیؒ نے "الفتاوی الحدیثیہ" میں کہا ہے کہ یہ الفاظ منقول نہیں ہیں۔

میں کہتا ہوں: اسی لئے اس حدیث کو امام سیوطیؒ نے "ذیل الاحادیث الموضوعہ" میں ذکر کیا ہے لیکن اس بے اصل حدیث کے ذکر کرنے سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کافی ہے کہ "میری اُمّت سے ایک گروہ حق پر ثابت قدم رہے گا جو ان کی مدد نہیں کرے گا وہ انہیں کچھ ضرر نہیں پہنچا سکے گا یہاں تک کہ قیامت آ جائے گی۔

اس حدیث کو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ وغیرہ نے اسی طرح بیان کیا ہے۔

۳۱ - اَلدُّنْيَا خُطْوَةُ رَجُلٍ مُؤْمِنٍ.

دنیا مسلمان کا راستہ ہے۔

تحقیق: اس حدیث کا کچھ اصل نہیں ہے، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا "الفتاوی الحدیثیہ" ۱۹۶ھ میں قول ہے کہ یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے آئمہ اسلاف سے معلوم نہیں ہے۔ امام سیوطیؒ نے اس حدیث کو "ذیل الاحادیث الموضوعہ" ۱۷۰ھ میں ذکر کیا ہے۔

۳۲ - اَلدُّنْيَا حَرَامٌ عَلٰى اَهْلِ الْآخِرَةِ، وَالْآخِرَةُ حَرَامٌ عَلٰى اَهْلِ الدُّنْيَا، وَالدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ حَرَامٌ عَلٰى اَهْلِ اللّٰهِ.

دنیا آخرت والوں پر حرام ہے اور آخرت دنیا والوں پر حرام ہے نیز دنیا اور آخرت دونوں اللہ والوں پر حرام ہے۔

تحقیق: یہ حدیث من گھڑت ہے اور اس کا شمار ان احادیث میں ہوتا ہے جن کے ساتھ امام سیوطیؒ نے "الجامع الصغیر" کی زینت اور حسن کو ختم کر دیا ہے۔ اور امام سیوطیؒ نے اس حدیث کی نسبت دیلمیؒ کی طرف کی ہے کہ اس نے اس حدیث کو "مسند الفردوس" میں ابن عباسؓ سے ذکر کیا ہے۔ امام مناویؒ نے اس کی تحقیق میں ذکر کیا ہے کہ اس کی سند میں جبلہ بن سلیمان راوی ہے جس کو امام ذہبیؒ نے ضعیف راویوں میں داخل کیا ہے۔ نیز ابن معینؒ کا قول پیش کیا ہے کہ راوی ثقہ نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: مناسب یہی ہے کہ جس راوی نے یہ حدیث بیان کی ہے وہ ثقہ نہیں ہے بلکہ وہ کذّاب اور کبر و نخوت کا مجسمہ ہے۔ یہ حدیث بالکل باطل لاشئی ہے اس کے باطل ہونے میں کسی عقلمند ایمان دار کو ہرگز شک و شبہ نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، آخرت کے ساتھ محبت رکھنے والے ایماندار لوگوں کے لئے دنیا اور اس کی پاکیزہ حلال چیزوں سے فائدہ اٹھانے سے کیسے روک سکتے تھے۔ ارشاد ربانی ہے:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۱۷۱

اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے زمین کی تمام اشیاء کو تمہارے فائدہ کے لئے پیدا فرمایا۔

نیز ارشاد ربانی ہے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۱۷۲

ترجمہ: (اے پیغمبر) ان لوگوں کو کہہ دیجئے کہ جو زینت (و آرائش) اور کھانے (پینے) کی پاکیزہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں ان کو حرام کس نے کیا ہے؟ کہہ دیجئے کہ یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لئے ہیں اور قیامت کے دن خاص انہی کا حصہ ہوں گی۔

پھر یہ کہنا کیسے درست ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا و آخرت دونوں کو اللہ والوں پر حرام کر دیا ہے؟ اور اللہ والے وہی ہیں جو قرآن پاک پر عمل پیرا ہیں اور اس کی آیات تلاوت کرتے ہوئے قیام کرتے ہیں اور آخرت، جنّت اور دوزخ کا نام ہے۔ اللہ والوں پر اللہ پاک نے دوزخ کو حرام کر دیا ہے اور اس کے

بارے خبر دی ہے جیسا کہ مومنوں کے لئے جنت کو واجب کر دیا ہے پس یہ کذاب کیسے کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر آخرت کو حرام کر دیا ہے حالانکہ آخرت میں جنت بھی ہے جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے نیز جنت میں ایک عظیم نعمت بھی ہے اور وہ اللہ پاک کا دیدار ہے ارشاد ربانی ہے۔

وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ○ ۱۷۳ے

(ترجمہ) اس دن بہت سے چہرے رونق والے ہوں گے اور اپنے پروردگار کا دیدار کر رہے ہوں گے۔

اور یہ بات واضح ہے کہ اللہ پاک کا دیدار آخرت میں ہو گا۔ نیز ارشاد نبویؐ ہے کہ جب جنت والے جنت میں داخل ہو جائیں تو (ان سے مخاطب ہو کر) اللہ پاک دریافت کریں گے، تمہیں کس چیز کی تمنا ہے کہ میں تمہیں مزید عطا کروں؟ وہ جواب دیں گے (اے اللہ!) کیا تو نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کیا؟ کیا تو نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا؟ اور ہمیں دوزخ سے نجات نہیں بخشی؟ (راوی بیان کرتے ہیں) اللہ تعالیٰ کی ذات سے پردہ کھل جائے گا۔ تو انہیں کوئی نعمت اللہ پاک کے دیدار سے زیادہ محبوب نہیں ہوگی۔ ۱۷۴ے پھر آپؐ نے ذیل کی آیت تلاوت فرمائی۔

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ ۱۷۵ے

جن لوگوں نے نیک کام کئے ان کے لئے جنت ہے اور مزید بھی۔

میرا تجزیہ یہ ہے کہ اس حدیث کا واضع ایک جاہل صوفی انسان تھا۔ اس حدیث کے وضع کرنے سے اس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں میں صوفیاء کے باطل عقائد کی نشر و اشاعت کی جائے۔ ان میں سے ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ جن چیزوں کو اللہ پاک نے حلال فرمایا ہے ان کو حرام قرار دیا جائے تاکہ نفس کی اصلاح ہو سکے معلوم ہوا کہ شارع علیہ السلام نے اصلاحِ نفس کے لئے اللہ کی جانب سے جو نسخہ پیش کیا ہے اس میں اصلاحِ نفس کا علاج نہیں ہے گویا کہ صوفیاء اللہ پاک کی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات کا مذاق اڑاتے ہیں۔ قارئین کرام کی دلچسپی کے لئے ہم حافظ ابن جوزیؒ کی کتاب "تلبیس ابلیس" ۱۷۶ے کے مطالعہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ جس میں صوفیاء کی تلبیسات اور شیطانی ہتھکنڈوں کا

تفصیل کے ساتھ ذکر ہے نیز یہ کتاب عجائبات کا مرقع ہے۔

۳۳ - اَلدُّنیَا ضَرَّۃُ الآخِرَۃِ.

دنیا آخرت کی سوکن ہے۔

تحقیق : یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں جیسا کہ "ا لکشف" وغیرہ میں ہے البتہ اس کی مثل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام نقل کیا گیا ہے۔

۳۴ - اِحْذَرُوا الدُّنیَا؛ فَاِنَّھَا اَسْحَرُ مِنْ ھَارُوْتَ وَمَارُوْتَ.

دنیا سے کنارہ کش رہو اس لئے کہ دنیا ہاروت اور ماروت سے بھی زیادہ جادوگر ہے۔

تحقیق : یہ حدیث منکر ہے، اس کا کوئی اصل نہیں ہے حافظ عراقیؒ نے اس کو "تخریج الاحیاء" ۳/۱۷۷ میں بیان کیا ہے اس کو ابن ابی الدنیاؒ نے اور امام بیہقیؒ نے "شعب الایمان" میں ابن ابی الدّنیا کے طریق سے ابوالدرداء رھاوی سے مرسل روایت کیا ہے۔ نیز امام بیہقیؒ کا قول ہے کہ بعض نے ابوالدرداء سے اس نے ایک صحابی سے بیان کیا امام ذہبیؒ کا قول ہے کہ ابوالدرداء کا کچھ علم نہیں کہ یہ کون ہے۔ نیز اس نے کہا کہ یہ حدیث منکر اور بے اصل ہے۔

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجرؒ نے "لسان المیزان" ۸/۱۷ میں اس کا اقرار کیا ہے اور جس شخص کا یہ خیال ہے کہ یہ ابوالدرداء صحابی ہے وہ خطا پر ہے اور بظاہر امام سیوطیؒ کی "الجامع" میں یہی رائے ہے جب کہ انہوں نے ابوالدرداء کو مقید ذکر نہیں کیا۔ عدم تقیید میں امام مناویؒ بھی انہی کی روش پر ہیں جب کہ انہوں نے ابوالدرداء کے ساتھ کسی لفظ کا ذکر نہیں کیا۔ اور انہوں نے کہا کہ اس حدیث کا کچھ حوالہ نہیں ہے یہ حدیث ضعیف ہے اس لئے کہ اس میں ہشام بن عمار (اصل میں کمال ہے اور یہ تحریف ہے) کے بارہ میں امام ذہبیؒ کا قول ہے کہ ابوحاتمؒ نے کہا کہ یہ راوی صدوق ہے البتہ اس کے حافظہ میں تغیر رونما ہو گیا تھا۔ اور جب اس کو

تلقین کی جاتی تو وہ تلقین قبول کرتا تھا۔ ابوداؤد کا قول ہے کہ اس نے چار سو سے زائد احادیث بیان کی ہیں جن کا کچھ اصل نہیں۔ لیکن اس علت پر اعتراض ہے اس لئے کہ ابوالدرداء سے یہ حدیث دو طریق سے مروی ہے جیسا کہ "لسان المیزان" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے پس حقیقی علت تو ابوالدرداء کا مجہول ہونا ہے۔ نیز اس کو ابن عساکر ۱۷۹ نے اِرطاہ بن منذر کا قول بتایا ہے جب کہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسرائیلی روایات سے ہے۔

۳۵ - مَنْ اَذَّنَ؛ فَلْيُقِمْ.

جو شخص اذان کہے اسے چاہئے کہ وہی تکبیر کہے۔

تحقیق: ان الفاظ کی ساتھ حدیث کا کچھ اصل نہیں ہے' البتہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔

مَنْ اَذَّنَ فَهُوَ يُقِيمُ جو شخص اذان کہے وہی تکبیر کہے۔

اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ' امام ترمذیؒ اور ابونعیمؒ نے "اخبار اصبہان" ۱۸۰ میں اور ابن عساکر ۱۸۱ اور ان کے علاوہ دیگر محدثین نے عبدالرحمان بن زیاد افریقی کے طریق سے اس نے زیاد بن نعیم حضرمی سے اس نے زیاد بن حارث صدائی سے مرفوع بیان کیا لیکن افریقی کی وجہ سے اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ "تقریب" میں حافظ ابن حجرؒ کا قول ہے کہ افریقی حافظہ کے لحاظ سے ضعیف ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس کو ضعیف قرار دینے کے بعد کہا ہے کہ ہم اس حدیث کو افریقی کے طریق سے پہچانتے ہیں جو کہ محدثین کے ہاں ضعیف ہے۔ نیز امام بغویؒ نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ اسی طرح امام نوویؒ کی "المجموع" ۱۸۲ میں ہے اور امام بیہقیؒ نے سنن کبریٰ میں اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ۱۸۳ البتہ ابن عساکرؒ کا اس حدیث کو حسن قرار دینا شاید اس سے مقصود معنوی حسن ہے اور بعض ہم عصر فضلاء افریقی کو ثقہ قرار دیتے ہیں اس بنیاد پر بعض کا خیال ہے کہ افریقی کی حدیث صحیح ہے لیکن یہ خیال جرح و تعدیل کے مسلّمہ قاعدہ کے خلاف ہے کہ جب جرح کا سبب معلوم ہو جائے تو جرح کو تعدیل پر مقدم رکھا جائے۔ اور اس مقام پر جرح کا سبب

ظاہر ہے کہ افریقی کا حافظہ خراب تھا۔ اور سفیان ثوریؒ نے افریقی کی اس حدیث اور اس کی دیگر احادیث کا انکار کیا ہے۔ نیز حدیث ابن عمرؓ سے مروی ہے لیکن وہ بھی ضعیف ہے اس حدیث کو عبد بن حمید نے "المنتخب من مسندہ" ۱۸۴ھ اور ابو امیہ طرسوی نے "مسند ابن عمر" ۱۸۵ھ اور امام بیہقیؒ اور امام طبرانیؒ ۱۸۶ھ نے اور عقیلیؒ نے "الضعفاء" میں ذکر کیا ہے۔ نیز امام بیہقیؒ نے اس کو ضعیف کہا کہ اس حدیث میں سعید بن راشد راوی منفرد ہے اور وہ ضعیف ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے "التلخیص" ۱۸۸ھ میں اسی قسم کی بات کی ہے انہوں نے کہا کہ اس حدیث کو ابوحاتم رازیؒ اور ابن حبانؒ نے "الضعفاء" میں ضعیف کہا ہے اور اس سے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے "اربعون حدیثا" ۱۸۹ھ میں روایت کیا۔

میں کہتا ہوں: ابوحاتمؒ کے کلام کی صراحت جیسا کہ "علل الحدیث" ۱۹۰ھ میں ہے انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا، اس نے کہا کہ میرے والد نے کہا کہ یہ حدیث منکر ہے اور سعید راوی ضعیف الحدیث ہے، کبھی متروک الحدیث بھی کہا ہے۔

میں نے اس حدیث کو ضعیف قرار دینے پر تفصیل کے ساتھ "ضعیف سنن ابی داؤد" میں بحث کی ہے لیکن ابن عمرؓ کی حدیث کے بعد عقیلیؒ کا قول کہ یہ متن اس سند کے علاوہ بھی صالح کے طریق سے مروی ہے۔ اگر افریقی کا طریق مراد ہے تو وہ قابل تسلیم نہیں ہے اس لئے کہ ہم اس کا ضعف معلوم کر چکے ہیں اور خود عقیلیؒ نے اس کو "الضعفاء" میں شامل کیا ہے ۱۹۱ھ اور اگر کوئی تیسرا طریق ہے تو میں اسے نہیں جانتا۔ نیز اس کو ابن عدیؒ نے ۱۹۲ھ ابن عباسؓ سے ذکر کیا۔ اس کی سند میں محمد بن فضل بن عطیہ ہے اور وہ متہم با لکذب ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے ابن عدیؒ کا قول ہے کہ اس کی اکثر احادیث ایسی ہیں کہ ثقہ رواۃ اس کی متابعت نہیں کرتے۔

اس حدیث کے قبیح نتائج میں سے (یہ بھی) ہے کہ اس کی بنیاد پر نمازیوں میں جھگڑا رونما ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے جھگڑے بارہا دیکھنے میں آتے ہیں خاص طور پر اس وقت جب اذان کہنے والا کسی عذر کی وجہ سے بروقت مسجد میں نہیں پہنچتا اور کچھ نمازی چاہتے ہیں کہ جماعت کھڑی ہو جائے۔ اس پر کچھ نمازی اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے دوسروں پر اعتراض کرتے ہیں کہ تکبیر کا حق مؤذن کا ہے اس

لئے نماز کھڑی نہ کی جائے ان اعتراض کرنے والوں کو یہ علم نہیں کہ یہ حدیث تو ضعیف ہے اس کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب کرنا درست نہیں کجا اس کی بنیاد پر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جانب جلدی کرنے سے روکا جائے۔ خبردار! اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے مراد نماز قائم کرنا ہے۔

۳۶ - حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ.

وطن کی محبت ایمان سے ہے۔

تحقیق: یہ حدیث من گھڑت ہے' جیسا کہ امام صنعانیؒ ۱۳۲؎ اور دیگر ائمہ نے فرمایا ہے۔ پھر اس کا مفہوم بھی درست نہیں اس لئے کہ وطن کی محبت' نفس اور مال کی محبت کی مانند ہے ان میں ہر ایک کی محبت انسان میں مرکوز ہے لہٰذا ان کی محبت کی وجہ سے انسان قابلِ ستائش نہیں اور نہ ہی یہ محبت ایمان کے لوازمات میں سے ہے کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ تمام لوگ اس محبت میں شریک ہیں' مومن اور کافر میں اس محبت کے لحاظ سے کچھ فرق نہیں۔ سبھی وطن سے محبت رکھتے ہیں۔

۳۷ - یَأْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ هُمْ فِیْهِ ذِئَابٌ، فَمَنْ لَمْ یَكُنْ ذِئْبًا؛ اَكَلَتْهُ الذِّئَابُ.

لوگوں پر ایک ایسا وقت آئے گا جب کہ وہ اس وقت بھیڑیئے ہوں گے اور جو شخص بھیڑیا نہیں ہو گا اس کو بھیڑیئے کھا جائیں گے۔

تحقیق: یہ حدیث انتہائی درجہ ضعیف ہے' امام ابن جوزیؒ نے اس حدیث کو امام دارقطنیؒ کے طریق سے اسی سند کے ساتھ زیاد بن ابی زیاد جصاص تک ذکر کیا ہے۔ اس نے بیان کیا کہ ہمیں یہ حدیث انسؓ بن مالک نے مرفوع بیان کی نیز ابن جوزیؒ نے امام دارقطنیؒ کا قول پیش کیا کہ اس حدیث کی سند میں زیاد راوی متفرد ہے اور وہ متروک ہے اور امام سیوطیؒ نے "اللآلی" ۱۳۳؎ میں بھی اسی طرح کہا ہے۔

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجرؒ نے "میزان الاعتدال" میں ذکر کیا ہے کہ اس

راوی کو ضعیف قرار دینے پر اجماع ہو چکا ہے۔ البتہ ابن حبانؒ نے اس کا ذکر ثقہ راویوں میں کیا ہے۔ نیز کہا ہے کہ کبھی کبھی وہ وہم کرتا ہے نیز حدیث کو امام طبرانیؒ نے "اوسط" میں ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: امام طبرانیؒ کی روایت کے مطابق اس حدیث کو امام ہیثمیؒ نے "مجمع الزوائد" ۱۹۵/۱ میں ذکر کیا اور واضح کیا ہے کہ اس حدیث کی سند میں ایسے رواۃ ہیں جن کو میں نہیں جانتا۔

۳۸ - مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰهِ اَرْبَعِيْنَ يَوْماً، ظَهَرَتْ يَنَابِيْعُ الْحِكْمَةِ عَلٰى لِسَانِهٖ.

جس شخص نے اللہ کی رضا کے لئے چالیس روز اخلاص اختیار کیا
اس کی زبان پر حکمت کے چشمے جاری ہو جاتے ہیں۔

تحقیق: یہ حدیث ضعیف ہے' اس حدیث کو ابو نعیمؒ نے "الحلیہ" ۱۸۹/۵ میں محمد بن اسماعیل کے طریق سے بیان کیا اس نے کہا کہ ہمیں ابو خالد یزید واسطی نے بیان کیا اس نے کہا' ہمیں حجاج نے خبر دی اس نے مکحول سے' اس نے ابو ایوبؓ انصاری سے مرفوع ذکر کیا اور ابو نعیمؒ کا قول ہے کہ اسی طرح اس حدیث کو یزید واسطی نے متصل سند کے ساتھ اور ابو معاویہ نے حجاج سے مرسل بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: پھر اس نے اس حدیث کو ھناد بن سری کے طریق سے روایت کیا۔ اس نے کہا' ہمیں ابو معاویہ نے حدیث بیان کی اس نے حجاج سے اس نے مکحولؒ سے مرسل بیان کیا اور اسی طرح اس حدیث کو امام حسین مروزیؒ نے "زوائد الزہد" ۱۹۷/۱ میں "کواکب" سے اور ابن ابی شیبہؒ نے "المصنف" میں اور ھنادؒ نے "الزہد" میں اس کے طریق سے اس نے حجاج سے روایت کیا اس لحاظ سے حدیث (حجاج سے اس نے مکحول سے) مرسل ہے اور اس کو متصل قرار دینا صحیح نہیں اور اس حدیث کو امام ابن جوزیؒ "الموضوعات" میں ابو نعیمؒ کے موصول طریق سے بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے یزید بن ابی یزید ابی عبدالرحمٰن

واسطی کثرت سے خطا کرتا ہے اور حجاج راوی مجروح اور محمد بن اسماعیل مجہول ہے اور مکحولؒ کا سماع ابو ایوبؓ سے صحیح نہیں اور امام سیوطیؒ نے اس کا تعاقب "اللآلی المصنوعہ" ۱۹۸/۱ میں ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے' میں کہتا ہوں کہ عراقیؒ نے "تخریج الاحیاء" میں اس حدیث کو ضعیف قرار دینے پر اکتفاء کیا ہے اور اس حدیث کے مکحولؒ سے متعدد طرق مرسل ہیں۔ لیکن مرسل طریق میں محمد بن اسماعیل اور یزید راوی نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: پھر اس نے اس حدیث کو ابو نعیمؒ اور اس کے علاوہ کسی اور کے طریق سے اس نے مکحولؒ سے مرسل بیان کیا ہے اور اس پر خاموشی اختیار کی ہے حالانکہ وہ ضعیف ہے اس لئے کہ اس میں حجاج بن ارطاہ راوی مدلس ہے اور اس نے حدیث کو لفظ "عن" کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ مرسل ہے نیز اس حدیث کو امام صغانیؒ "الاحادیث الموضوعہ" ۱۹۹/۱ میں لائے ہیں۔

ہاں! مجھے اس کے ایک دوسرے طریق پر بھی آگاہی حاصل ہوئی' اس کو القضاعی ۲۰۰/۱ نے عامر بن یسار سے روایت کیا اس نے کہا' ہم سے سوار بن مصعب نے بیان کیا' اس نے ثابت سے اس نے مقسم سے اس نے ابن عباسؓ سے مرفوع بیان کیا مزید اظہار کیا کہ اس سے مقصود وہ شخص ہے جو عشاء اور فجر کی نماز باجماعت ادا کرتا ہے۔ اور جو شخص چالیس روز باجماعت نماز ادا کرتا ہے' تکبیر اولیٰ پاتا ہے اس کو دو براءتیں حاصل ہوتی ہیں۔ البتہ اس میں سوار راوی متروک ہے اسی طرح امام نسائیؒ اور بعض دوسرے ائمہ کے اقوال ہیں۔

۳۹ - مَنْ نَامَ بَعْدَ الْعَصْرِ، فَاخْتُلِسَ عَقْلُهُ؛ فَلَا يَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهُ.

جس شخص نے عصر کے بعد نیند کی اور اس کی عقل جاتی رہی تو وہ صرف اپنے آپ کو ملامت کرے۔

تحقیق: یہ حدیث ضعیف ہے' اس کو ابن حبانؒ نے خالد بن قاسم کے طریق سے اس نے لیث بن سعد سے اس نے عقیل سے اس نے امام زہریؒ سے اس نے عروہؒ

سے اس نے عائشہؓ سے مرفوع بیان کیا۔ اس حدیث کو ابن جوزیؒ نے "موضوعات" میں داخل کیا ہے نیز بیان کیا ہے۔ کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اس میں خالد راوی کذاب ہے (دراصل) یہ حدیث ابن لہیعہ سے ہے خالد نے اس سے حدیث اخذ کرکے لیث کی طرف منسوب کر دی۔ امام سیوطیؒ "اللآلی" ۲۰۱۔ میں رقم طراز ہیں کہ امام حاکمؒ اور دیگر ائمہ کا قول ہے کہ خالد لیث پر ابن لہیعہ کی احادیث داخل کرتا تھا پھر اس کا ذکر امام سیوطیؒ نے ابن لہیعہ کے طریق سے کیا ہے۔ کبھی یوں بیان کیا کہ عمرو بن شعیب سے وہ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے مرفوع بیان کرتا ہے اور کبھی یوں بیان کیا کہ ابن شہاب سے اس نے انسؓ سے مرفوع ذکر کیا اور ابن لہیعہ راوی حافظہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اس نے اس روایت کو ایک تیسرے طریق کے ساتھ بیان کیا ہے اس کا ذکر ابن عدیؒ نے "الکامل" ۲۰۲۔ میں اور سہمیؒ نے "تاریخ جرجان" ۲۰۳۔ میں اس نے عقیلؒ سے اس نے مکحولؒ سے مرفوع مرسل روایت کیا ان دونوں نے اس روایت کو مروان کے طریق سے بیان کیا اس نے بیان کیا کہ میں نے لیث بن سعد سے دریافت کیا۔ (جب کہ میں نے اس کو دیکھا کہ وہ رمضان کے مہینہ میں عصر کی نماز کے بعد سویا) اے ابوالحارث! تو عصر کی نماز کے بعد سویا ہے حالانکہ ہمیں ابن لہیعہ نے حدیث بیان کی (اس کا ذکر کیا) لیث نے کہا، میں ابن لہیعہ عن عقیل کی وہ حدیث نہیں چھوڑوں گا جو میرے لئے مفید ہو گی پھر اس کو ابن عدیؒ نے منصور بن عمار کے طریق سے اس نے کہا کہ ہمیں ابن لہیعہ نے بیان کیا۔ اس نے عمرو بن شعیب سے اس نے اپنے والد سے اس نے اپنے دادا سے بیان کیا۔

میں کہتا ہوں: مجھے لیث کے جواب سے خوشی ہوئی۔ اس کے جواب سے فراست مترشح ہو رہی ہے اور اس پر تعجب کے اظہار کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ لیثؒ کا شمار ائمہ مسلمین اور مشہور فقہاء میں ہوتا ہے اور میرے علم میں ہے کہ آج کے اس دور میں ایسے مشائخ کثرت کے ساتھ پائے جاتے ہیں جو عصر کی نماز کے بعد نیند کرنے کو معیوب جانتے ہوئے اس سے باز رہتے ہیں اگرچہ وہ نیند کی ضرورت کیوں نہ محسوس کریں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ نیند نہ کرنے کا حکم دینے والی

حدیث ضعیف ہے تو وہ فی الفور جواب میں کہتے ہیں کہ فضائل و اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کیا جا سکتا ہے (اس واقعہ کی روشنی میں) غور و فکر کیجئے کہ متقدمین کے فہم اور متاخرین کے علم میں کتنا نمایاں فرق ہے۔

اس حدیث کو ابویعلیؒ نے اور ابونعیمؒ ۲۰۴ نے "طبِ نبویؐ" میں (سفر جلالی نسخہ ہے) عمرو بن حصین سے اس نے ابن علاقہ سے اس نے امام اوزاعیؒ سے اس نے امام زہریؒ سے اس نے عروہؓ سے اس نے عائشہؓ سے مرفوع بیان کیا اور عمرو بن حصین (مذکور) کذاب ہے جیسا کہ خطیب بغدادیؒ اور دیگر ائمہ فن نے کہا ہے اور یہی راوی "عدس" (مسور کی دال) کا راوی ہے۔ اس کا ذکر حدیث نمبر ۴۰ میں ہے۔

۴۰ - عَلَيْكُمْ بِالْقَرْعِ؛ فَإِنَّهُ يَزِيدُ فِي الدِّمَاغِ، وَعَلَيْكُمْ بِالْعَدَسِ؛ فَإِنَّهُ قُدِّسَ عَلَى لِسَانِ سَبْعِينَ نَبِيًّا.

کدو استعمال کرو اس کے کھانے سے دماغ کو تقویت حاصل ہوتی ہے نیز مسور کی دال کا استعمال کرو، ستر انبیاء کی زبان سے اس کی عمدگی بیان ہوئی ہے۔

تحقیق: یہ حدیث من گھڑت ہے، اس حدیث کو امام طبرانیؒ نے عمرو کے طریق سے جس کا ابھی گزشتہ حدیث میں ذکر ہوا۔ اس نے ابن علاثہ سے اس نے ثور سے اس نے مکحولؒ سے اس نے واثلہ سے روایت کیا۔ امام سیوطیؒ نے "اللآلی" ۲۰۵ میں اس طریق سے ذکر کرنے کے بعد کہا کہ عمرو اور اس کا استاذ دونوں متروک راوی ہیں۔ میں کہتا ہوں: بایں ہمہ امام سیوطیؒ نے اس حدیث کو "الجامع الصغیر" میں ذکر کیا ہے۔

امام زرکشیؒ نے "اللآلی المنثورہ فی الاحادیث المشہورہ" ۲۰۶ میں ذکر کیا کہ میں نے ابن صلاح کی تحریر دیکھی ہے جس میں اس نے اس حدیث کو باطل کہا ہے اس حدیث کے بارہ میں عبداللہ بن مبارکؒ سے دریافت کیا گیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ مسور کی دال کی عمدگی کے بارہ میں تو کسی ایک پیغمبر کی زبان سے بھی کوئی لفظ

نہیں نکلا۔

ظاہر ہے کہ مسور کی دال کا استعمال ضرر رساں اور تبخیر پیدا کرنے والا ہے نیز ابن جوزیؒ نے اس کو موضوعات میں متعدد طرق سے ذکر کیا ہے اور اس پر موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے۔

امام مناویؒ کا قول ہے کہ امام سیوطیؒ نے مسور کی دال کی عمدگی کا ذکر بڑے زور شور سے کیا ہے لیکن کوئی مفید بات ذکر نہیں کر پائے ہیں اسی طرح مسور کی دال والی اس حدیث کو امام صغانیؒ نے "الاحادیث الموضوعہ" ۲۰۷ـ میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح امام ابن القیمؒ نے "المنار" ۲۰۸ـ میں ذکر کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کو اس قسم کے لوگوں نے وضع کیا ہے جنھوں نے مسور کی دال کو "من" اور "سلویٰ" پر ترجیح دی ہے۔ نیز ملّا علی قاریؒ نے اس حدیث کو "موضوعات" ۲۰۹ـ میں شامل کیا ہے اور امام ابن تیمیہؒ نے "مجموع الفتاوٰی" میں ذکر کیا کہ اہلِ علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث جھوٹی اور من گھڑت ہے۔ نیز آئندہ آنے والی حدیث بھی عمرو بن حصین کذّاب کی مرویات سے ہے۔

۴۱ - مَنْ اَصَابَ مَالاً مِنْ نَهَاوِشٍ؛ اَذْهَبَهُ اللّٰهُ فِيْ نَهَابِرَ.

جس شخص نے حرام مال اکٹھا کیا اللہ تعالیٰ اس کا مال حرام راستہ میں لے جاتا ہے۔

تحقیق: یہ حدیث صحیح نہیں ہے' اس حدیث کو القضاعیؒ نے "مسند الشہاب" ۲۱۰ـ میں عمرو بن حصین سے ذکر کیا اس نے کہا' ہمیں محمد بن عبداللہ بن علاثہ نے بیان کیا اس نے کہا کہ ہمیں ابوسلمہ حمصی نے مرفوع بیان کیا۔

میں کہتا ہوں: اس حدیث کی سند ساقط ہے عمرو بن حصین راوی کذاب ہے جیسا کہ پہلے بھی اس کا ذکر ہو چکا ہے اور امام سخاویؒ نے "المقاصد" ۲۱۱ـ میں ذکر کیا کہ عمرو راوی متروک ہے اور ابوسلمہ کا نام سلیمان بن سلم ہے اور وہ "حمص" کے قاضی یحییٰ بن جابر کا محرّر ہے وہ صحابی نہیں ہے پس حدیث ضعیف ہونے کے ساتھ

ساتھ مرسل بھی ہے اور دیلمیؒ نے اس حدیث کو یحییٰ بن جابر کی طرف منسوب کیا ہے جب کہ وہ بھی صحابی نہیں ہے اور امام تقی سبکیؒ نے کہا کہ حدیث صحیح نہیں ہے اور امام سیوطیؒ نے اس حدیث کو "الجامع" میں ابن النجار کی طرف منسوب کیا ہے اس نے ابو سلمہ حمصی سے بیان کیا لیکن امام مناویؒ نے اس کو غلط قرار دیا کہ ابو سلمہ تو تابعی ہے اور مجہول ہے "تقریب" میں اس کا ذکر ہے۔۔۔ اور عمرو راوی متروک ہے۔

لغوی تحقیق : "نھاوش" نون کے ساتھ "نھش الجثۃ" سے مشتق ہے جس کا معنی ہے اس نے گوشت کو دانتوں سے کاٹ کر کھایا اور اس کی جمع نھواش ہے یا یہ لفظ "ھواش" ہے اور ھوش سے مشتق ہے جس کا معنی جمع کرنا ہے اور اس کا اطلاق ہر اس مال پر بھی ہوتا ہے جو حلال طریقہ سے حاصل نہ کیا گیا ہو اور "ھواش" کا اطلاق اس مال پر ہوتا ہے جو حرام طریقہ سے جمع کیا گیا ہو۔

"نھابر" نون اول کے ساتھ' یہ ہلاکت کے مقامات اور ان کاموں پر جو ہلاک کرنے والے ہیں پر بولا جاتا ہے۔ اصل میں "نھابر" ریتلے مقامات کو کہتے ہیں جب وہاں کسی اونٹ کا پاؤں دھنس جاتا ہے تو جلدی سے نکلتا نہیں ہے مقصود یہ ہے کہ جو شخص حرام مال اکٹھا کرتا ہے جیسے لوٹ مار کا مال ہے تو اللہ پاک ایسے مال کو حرام کے راستے میں ہی لے جاتا ہے "فیض القدیر" میں اسی طرح ہے۔

۴۲ - اَلْاَنْبِيَاءُ قَادَةٌ، وَالْفُقَهَاءُ سَادَةٌ، وَمَجَالِسُهُمْ زِيَادَةٌ.

انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام قائد ہیں اور فقہاء سردار ہیں اور ان کی مجلسوں میں بیٹھنے سے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔

تحقیق : یہ حدیث من گھڑت ہے' اس حدیث کو امام دارقطنیؒ نے سنن ۳۲۲۔ میں اور القضاعیؒ نے "مسند الشھاب" ۳۱۳۔ میں ابو اسحاق کے طریق سے اس نے حارث سے اس نے علیؓ بن ابی طالب سے مرفوع بیان کیا اس حدیث کی سند غایت درجہ ضعیف ہے۔ حارث بن عبداللہ الھمدانی الاعور راوی کو جمہور علماء نے ضعیف

کہا ہے۔ ابن المدینیؒ نے کذاب کہا۔ شعبہ نے کہا کہ ابو اسحاق نے اس سے صرف چار احادیث سنی ہیں۔ اور "الکشف" ۲۴۴ھ میں ہے کہ مُلاّ علی قاریؒ نے موضوع کہا ہے اسی طرح "الخلاصہ" میں ہے اور امام سیوطیؒ نے اس حدیث کو "الجامع الصغیر" میں قضاعیؒ کی روایت سے ذکر کیا۔ اور وضع کی علامات اس پر ظاہر ہیں۔

۴۳ - شَهْرُ رَمَضَانَ مُعَلَّقٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، وَلَا يُرْفَعُ إِلَى اللّٰهِ؛ إِلَّا بِزَكَاةِ الْفِطْرِ.

رمضان کا مہینہ آسمان و زمین کے درمیان معلّق رہتا ہے رمضان میں صدقہ فطر ادا کرنے سے ہی اللہ کی طرف یہ عمل بلند ہوتا ہے۔

تحقیق: یہ حدیث ضعیف ہے، "الجامع الصغیر" کے مولف نے اس حدیث کو ابن شاہین کی طرف منسوب کیا ہے اور اس نے اس حدیث کو اپنی کتاب "ترغیب" میں ذکر کیا اور "الضیاء" میں جریرؓ سے مروی ہے اور اس نے اس حدیث کو ضعف کے ساتھ نشان زد کیا ہے اور امام مناویؒ نے اس کے سبب کو شرح میں بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس حدیث کو ابن جوزیؒ نے "الواھیات" میں ذکر کیا ہے نیز کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اس کی سند میں محمد بن عبید بصری راوی مجہول ہے۔

میں کہتا ہوں: ابن جوزیؒ سے "العلل المتناھیہ" میں پوری وضاحت موجود ہے کہ محمد بن عبید کی کسی نے متابعت نہیں کی۔ حافظ ابن حجرؒ نے بھی "لسان" اس کو برقرار رکھا ہے اور "الترغیب" ۲۱۵ھ میں امام منذریؒ کا قول ہے کہ اس حدیث کہ ابو حفص بن شاہین نے "فضائل رمضان" میں ذکر کیا ہے نیز اس حدیث کو غریب اور اس کی سند کو جید قرار دیا ہے اس قول میں دو وجہ سے ضعف ہے۔

پہلی وجہ: ابنِ شاہین کی مذکورہ کتاب میں اس کا ثبوت پیش کیا گیا ہے، میں نے "فضائلِ رمضان" کتاب کے عمدہ خط والے نسخہ کا دمشق ۲۱۶ھ کے کتب خانہ "ظاہریہ" میں مطالعہ کیا مجھے اس میں یہ حدیث نہیں ملی۔ اس کے ساتھ ساتھ میں

نے نہیں دیکھا کہ اس کتاب کے مولف نے کسی حدیث پر صحت یا ضعف کا حکم لگایا ہو۔ پھر یہ حدیث "فضائل جریر" ۲۱۷ے کتاب میں میری نظر سے گزری اس حدیث کو اس میں احمد بن عیسیٰ مقدسی نے اس طریق سے ذکر کیا اور بیان کیا کہ اس حدیث کو ابو حفص بن شاہین نے ذکر کیا ہے اور حدیث کو غریب اور سند کے لحاظ سے جید کہا اور حدیث کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہا کہ جس رمضان میں گناہ سرزد ہوئے وہ رمضان اس وقت تک ان گناہوں کی بخشش کا سبب نہیں بن سکتا اور نہ ہی اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اسے قبولیت حاصل ہوتی ہے جب تک کہ صدقۂ فطر ادا نہیں کیا جاتا۔

معلوم ہوا' شاید ابنِ شاہین نے اس حدیث کو "فضائلِ رمضان" کے علاوہ کسی دوسری کتاب میں ذکر کیا ہو یا ممکن ہے کہ اس کے کسی دوسرے نسخے میں ہو جس میں ان سے کچھ زائد عبارتیں ہوں جن پر مجھے اطلاع حاصل نہ ہو سکی ہو۔

دوسری وجہ : ہم فرض کرتے ہیں کہ ابن شاہین سے مذکورہ ثبوت میں تساہل ہوگیا ہو۔ وگرنہ حدیث کو کیسے جید کہا جا سکتا ہے جب کہ اس کا ایک راوی مجہول ہے اور وہ اس کے ساتھ ساتھ متفرد ہے جیسا کہ ابن جوزیؒ کا قول ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اس کی موافقت کی ہے نیز انسؓ سے حدیث مروی ہے جس کو ابن عساکرؒ ۲۱۸ے لائے ہیں' روایت بقیۃ بن ولید سے ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے عبدالرحمان بن عثمان بن عمر نے بیان کیا اس نے انسؓ سے مرفوع ذکر کیا۔

میں کہتا ہوں: عبدالرحمان راوی' کا مجھے کچھ علم نہیں بظاہر یہ راوی بقیۃ بن ولید کے شیوخ سے ہے جو مجہول ہیں۔

پھر اگر یہ روایت صحیح ہے تو حدیث بظاہر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رمضان کے روزوں کی قبولیت صدقۂ فطر ادا کرنے پر موقوف ہے۔ جو شخص صدقۂ فطر ادا نہیں کرے گا اس کے روزے قبول نہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ کوئی اہل علم اس بات کا قائل ہو اور وہ تاویل جس کا ابھی میں نے ذکر کیا ہے وہ حدیث کے ظاہری معنی سے بہت دور ہے۔ علاوہ ازیں تاویل تو حدیث کے صحیح ہونے کی فرع ہے لیکن حدیث ہی صحیح نہیں۔

میں کہتا ہوں: جب کہ مجھے علم ہے کہ جب بھی رمضان آتا ہے تو کچھ مفتی حضرات عوام النّاس میں اس حدیث کا چرچا کرتے ہیں اور یہ ایسی غلطی ہے جس کے بارہ میں ہم پرامید ہیں کہ لوگوں کو اس غلطی میں واقعہ ہونے سے بچایا جائے نہ یہ کہ انہیں اس میں جتلا کر دیا جائے۔

۴۴ - مَنْ أَحْدَثَ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ؛ فَقَدْ جَفَانِي، وَمَنْ تَوَضَّأَ وَلَمْ يُصَلِّ؛ فَقَدْ جَفَانِي، وَمَنْ صَلَّى وَلَمْ يَدْعُنِي؛ فَقَدْ جَفَانِي، وَمَنْ دَعَانِي فَلَمْ أُجِبْهُ؛ فَقَدْ جَفَيْتُهُ، وَلَسْتُ بِرَبٍّ جَافٍ.

جو شخص بے وضو ہوا اور اس نے وضو نہ بنایا اس نے مجھ پر ظلم کیا اور جس نے وضو بنایا اور نماز ادا نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا اور جس نے نماز ادا کی اور مجھ سے دعا نہ مانگی اس نے مجھ پر ظلم کیا اور جس نے مجھ سے دعا مانگی میں نے اس کی دعا قبول نہ کی تو میں نے ظلم و جفا روا رکھا جب کہ میں ظلم و جفا روا رکھنے والا نہیں ہوں۔

تحقیق: یہ حدیث موضوع ہے' امام صغانی ۲۱۹ھ اور دیگر محدثین نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے اس حدیث کے موضوع ہونے پر یہی دلیل کافی ہے کہ بے وضو ہونے کے بعد وضو بنانا اور وضو کے بعد نماز ادا کرنا دونوں مستحبات سے ہیں جب کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں واجبات سے ہیں۔ اس لئے کہ جو ایسا نہیں کرے گا اس نے مجھ پر ظلم کیا اور اس قسم کی پر زور وعید والے الفاظ مستحبات میں استعمال نہیں ہوتے اور اس کے ظاہر ہونے میں ہرگز جفا نہیں ہے اس کی مثل آئندہ ذکر کی جانے والی حدیث بھی موضوع ہے۔

۴۵ - مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ، وَلَمْ يَزُرْنِي؛ فَقَدْ جَفَانِي.

جس شخص نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری قبر کی زیارت نہ کی اس

نے مجھ پر ظلم کیا۔

تحقیق: یہ حدیث موضوع ہے' حافظ ذہبیؒ نے "میزان الاعتدال" ۲۲۰ے میں اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔ اور امام صغانیؒ نے اس کو "الاحادیث الموضوعہ" ۲۲۱ے میں ذکر کیا ہے اور اسی طرح زرکشیؒ اور ابن جوزیؒ نے اسے موضوع کہا ہے۔ امام شوکانیؒ نے بھی "الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ" ۲۲۲ے میں اس کو موضوع کہا ہے اور اس حدیث کے موضوع ہونے پر یہ بات کافی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم و جفا روا رکھنا اولاً تو کفر ہے اور اگر کفر نہیں تو کم از کم کبیرہ گناہ تو ضرور ہے۔ کیا وہ شخص جو آپؐ کی قبر مبارک کی زیارت نہیں کرتا وہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے؟ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ آپؐ کی قبر مبارک کی زیارت کرنا حج ادا کرنے کی طرح فرض ہے حالانکہ کوئی بھی مسلمان اس کا قائل نہیں اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کرنا اگرچہ تقربات کی قبیل سے ہے جب کہ علماء کے نزدیک اس کا درجہ مستحبات سے زیادہ نہیں ہے تو آپؐ کی قبر مبارک کی زیارت نہ کرنے والا کیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم و جفا روا رکھنے والا اور آپؐ سے روگردانی کرنے والا ہے۔

۴۶ - مَنْ زَارَنِیْ وَزَارَ اَبِیْ اِبْرَاهِیْمَ فِیْ عَامٍ وَاحِدٍ: دَخَلَ الْجَنَّةَ

جس شخص نے میری اور میرے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ایک ہی سال میں زیارت کی وہ جنت میں داخل ہوا۔

تحقیق: یہ حدیث موضوع ہے' امام زرکشیؒ نے "اللآلی المنثورہ" ۲۲۳ے میں ذکر کیا کہ بعض حفاظ نے کہا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اس حدیث کو کسی بھی محدث نے بیان نہیں کیا یہی بات امام نوویؒ نے کہی ہے کہ یہ حدیث موضوع اور بے اصل ہے امام سیوطیؒ نے اس حدیث کو "ذیل الاحادیث الموضوعہ" ۲۲۴ے میں ذکر کیا ہے اور امام ابن تیمیہؒ اور امام نوویؒ کا قول ذکر کیا ہے کہ یہ حدیث موضوع اور بے اصل ہے نیز امام شوکانیؒ نے بھی اس کا اقرار کیا ہے۔ ۲۲۵ے

۴۷- مَنْ حَجَّ، فَزَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ؛ کَانَ کَمَنْ زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ.

جس شخص نے حج کیا اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی وہ اس شخص جیسا ہے جس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

تحقیق: یہ حدیث موضوع ہے، اس حدیث کو امام طبرانیؒ نے ''المعجم الکبیر'' ۲۲۶؎ اور ''اوسط'' ۲۲۷؎ میں ''زوائد المعجمین'' صغیر اور اوسط سے اور ابن عدیؒ نے ''الکامل'' میں اور امام دارقطنیؒ نے ''سنن'' ۲۲۸؎ میں اور امام بیہقیؒ ۲۲۹؎ نے اور سلفیؒ نے ''المشیخۃ البغدادیہ'' ۲۳۰؎ میں سب نے حفص بن سلمان ابو عمر کے طریق سے اس نے لیث بن ابی سلیم سے اس نے مجاہد سے اس نے عبداللہ بن عمرؓ سے مرفوع روایت کیا ہے اور ابن عدیؒ کی روایت میں ''صَحِبَنِیْ'' یعنی اس نے میری رفاقت اختیار کی کے الفاظ زیادہ ہیں۔

میں کہتا ہوں: اس حدیث کی سند غایت درجہ ضعیف ہے اور اس میں دو علّتیں ہیں۔

پہلی علّت: لیث بن ابی سلیم کا ضعف ہے اس لئے کہ اس کے حافظہ میں اختلاط رونما ہو گیا تھا۔ اس کا ذکر پہلے حدیث نمبر ۲ میں گزر چکا ہے۔

دوسری علّت: حفص بن سلیمان قاری (جس کو غاضری بھی کہا جاتا ہے) غایت درجہ ضعیف ہے جیسا کہ اس کی جانب حافظ ابن حجرؒ نے ''تقریب'' میں اشارہ کرتے ہوئے اسے متروک الحدیث کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے بارہ میں ابن معینؒ نے کہا ہے کہ وہ کذّاب تھا جیسا کہ ''کامل'' ابن عدیؒ میں ہے اور ابن خراش کا قول ہے کہ وہ کذّاب اور احادیث وضع کرتا تھا نیز وہ اس حدیث کی روایت کرنے میں متفرد ہے اسی طرح امام طبرانیؒ، ابن عدیؒ اور امام بیہقیؒ نے کہا کہ وہ ضعیف ہے ابن عدیؒ نے اس سے مروی دیگر احادیث کے ساتھ اس حدیث کا بھی ذکر کیا ہے اس کے بعد کہا ہے اس کی روایت کردہ اکثر احادیث غیر محفوظ ہیں اس وضاحت سے

آپ نے معلوم کر لیا ہے کہ امام ابن حجر ہیتمیؒ کا قول "الجواہر المنظم" ۲۳۱ ؁ میں ہے (کہ ابن عدیؒ نے اس حدیث کو ایسی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے جو قابلِ حجت ہے) اس لائق نہیں کہ اس کی طرف التفات بھی کیا جائے۔ اس لئے اس کے قول سے کوئی شخص دھوکے میں نہ آ جائے جیسا کہ شیخ محمد امین کردی نے اس قول سے متاثر ہو کر "تنویر القلوب فی معاملہ علاّم الغیوب" میں اس کے قول کو بغایت درجہ خوشی کے عالم میں نقل کیا ہے اس لئے اس پر متنبہ کرنا ضروری تھا۔ پھر مجھے حفص بن سلیمان کے ایک متابع کا علم ہوا چنانچہ امام طبرانیؒ نے "الاوسط" ۲۳۲ ؁ میں "زوائد المعجمین" سے نقل کیا اس نے بیان کیا کہ ہمیں احمد بن رشدین نے بتایا اس نے کہا کہ ہمیں علی بن حسن ہارون انصاری نے بتایا اس نے کہا' مجھے لیث بن بنت لیث بن ابی سلیم نے بیان کیا اس نے کہا مجھے عائشہ بنت یونس' لیث بن ابی سلیم کی عورت نے لیث بن ابی سلیم سے اس حدیث کا ذکر کیا اور مزید کہا کہ یہ حدیث لیث سے صرف اسی سند سے مروی ہے اور اس میں علی راوی متفرد ہے۔

میں کہتا ہوں : اس راوی کے حالات نہیں مل سکے۔ اسی طرح لیث بنت ابی لیث اور اس کی بیوی عائشہ کے حالات بھی مجھے نہیں مل سکے ہیں۔ امام ہیثمیؒ ۲۳۳ ؁ نے عائشہ کی بنیاد پر حدیث کو معلول قرار دیا ہے اور بیان کیا کہ مجھے اس کے حالات کا علم نہیں ہو سکا ہے اور یہ علّت روکنے والی ہے اس لئے کہ آپ اس سے نیچے کے راویوں کے حالات کا علم رکھتے ہیں پھر امام طبرانیؒ کے شیخ احمد بن رشدین کے بارہ میں ابن عدیؒ کا قول ہے کہ محدّثین نے اس کو جھوٹا کہا ہے اور اس کی متعدد باتوں کا انکار کیا گیا ہے اور امام ذہبیؒ نے اس کی باطل احادیث کا ذکر کیا ہے اور اس کے طریق سے امام طبرانیؒ نے بھی "الکبیر" میں روایت ذکر کی ہے۔ جب قارئین کرام کو اس حدیث کی سند کا حال معلوم ہو گیا تو ان کے سامنے یہ بات واضح ہو گئی کہ مذکورہ متابعت کا کچھ اعتبار نہیں لہٰذا قارئین اس دھوکہ میں نہ آئیں۔

امام سبکیؒ نے اس حدیث کو "شفاء السقام" ۲۳۴ ؁ میں نقل کیا ہے۔ نہ متابعت پر کلام ہے نہ اس کے طریق پر اعتراض کیا ہے جب کہ علامہ محقق محمد بن عبدالہادی نے امام سبکیؒ کا "الصارم المنکی" ۲۳۵ ؁ میں رد کیا ہے کہ اس حدیث کی سند پر کچھ

اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اس کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے بلکہ یہ ایسی سند ہے جو تاریکی میں ڈوبی ہوئی ہے اور غایت درجہ ضعیف ہے اس لئے کہ یہ سند ایسے راوی پر مشتمل ہے جو ضعیف ہے اور اس کے ساتھ دلیل پکڑنا درست نہیں۔ اس سے مقصود راوی لیث بن ابی سلیم ہے یہ راویٔ مجہول ہے اس کے حالات سے اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ اس کی مروی حدیث کو قبول کرنا ضروری ہو اور امام طبرانیؒ کا استاد رشدین بھی متکلم فیہ ہے اور علی بن حسن انصاری وہ بھی ان راویوں سے نہیں ہے جن کی احادیث قابل حجت ہوتی ہیں اور لیث بن بنت لیث بن ابی سلیم اور اس کی نانی عائشہ دونوں مجہول ہیں۔ اہل علم کے نزدیک ان کی کیفیت ایسی مشہور نہیں ہے جس کی بنیاد پر اس کی مروی روایات کو قبول کرنا ضروری ہو نیز اس حدیث کے علاوہ ایسی کسی دوسری حدیث میں ان دونوں کا ذکر نہیں ملتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام سبکیؒ نے امام طبرانیؒ کی روایت سے جس متابع کا ذکر کیا ہے اس سے یہ حدیث' درجہ ضعف سے نہیں نکلتی بلکہ ساقط الاعتبار ہے اور ایسے مقام کو حاصل نہیں کر پاتی ہے کہ اس کا اعتبار کیا جائے اور اس سے استشہاد کیا جائے اس لئے کہ سند میں تاریکی ہے' رواۃ مجہول ہیں۔ بعض رواۃ میں ضعف اور اختلاط ہے اگر اس حدیث کی سند لیث بن ابی سلیم تک بھی صحیح ہوتی تو پھر بھی یہ حدیث قابل استدلال نہیں ہو سکتی اس کے ساقط الاعتبار ہونے میں کچھ شک نہیں تو کیسے اس حدیث کو حجت قرار دیا جا سکتا۔ ہے جب کہ لیث سے نیچے سند میں مجہول ہی مجہول رواۃ ہیں **ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ۔**

ہم قارئین کرام کی معلومات میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کے بارے میں دیگر احادیث بھی موجود ہیں امام سبکیؒ نے ان سب کا ذکر "الشفاء" میں کیا ہے لیکن وہ سب احادیث ضعیف ہیں بعض کا ضعف دیگر بعض کے ضعف سے زیادہ ہے اور یہ حدیث ان سب سے قدرے بہتر ہے جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے "القاعدۃ الجلیلہ" میں ذکر کیا ہے اور ان کی نہایت عمدہ تفصیلی اور تحقیقی وضاحت حافظ ابن عبدالہادیؒ نے "الصارم المنکی" ۲۳۶ میں کی ہے کہ ایسی عمدہ وضاحت کسی دوسری کتاب میں نہیں ہے اس لئے ہم

قارئین کو اس کے مطالعہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ "القاعدۃ الجلیلۃ" ۲۳۷ میں رقم طراز ہیں کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کے بارہ میں تمام احادیث ضعیف ہیں۔ دین اسلام میں ایک حدیث بھی اس لائق نہیں کہ اس پر اعتماد کیا جا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ صحاح اور سنن کے مؤلفین نے ان احادیث میں سے ایک حدیث کو بھی اپنی تالیفات میں ذکر نہیں کیا۔ ان احادیث کو ان مؤلفین نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے جو ضعیف روایات درج کرتے ہیں جیسا کہ امام دارقطنیؒ بزارؒ اور دیگر مؤلفین ہیں۔"

پھر انہوں نے اس حدیث کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس حدیث کا کذب ظاہر ہے اور یہ حدیث دین اسلام کے اصولوں کے خلاف ہے۔ ظاہر ہے کہ جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایمان کے ساتھ آپؐ کی زیارت کی ہے وہ آپؐ کے صحابہ میں داخل ہے خصوصا جب اس نے ہجرت کی ہے آپؐ کے ساتھ جہاد کیا ہے۔ نیز آپؐ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا' میرے صحابہ کو گالیاں نہ دو۔ اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' اگر تم میں کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے گا تو ان کے مد (ماپ کا پیانہ) اور نصف مد کو پہنچ نہیں پائے گا۔ ۲۳۸۔

صحابہ کرامؓ کے علاوہ امتِ مسلمہ کا کوئی شخص صحابہ کرامؓ جیسا نہیں ہو سکتا اگر وہ ان اعمال کو بجا لاتا ہے جن کا اسے حکم دیا گیا ہے حج کرتا ہے' جہاد میں شریک ہوتا ہے' پانچوں فرض نمازیں ادا کرتا ہے' آپؐ پر درود و سلام کا ہدیہ بھیجتا ہے تو وہ کیسے ایسے عمل کر کے (جو مسلمانوں کے اتفاق کے ساتھ فرض نہیں یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کر کے جب کہ آپؐ کی قبر مبارک کی طرف سفر کرنا جائز نہیں بلکہ اس سے روکا گیا ہے) صحابہ کا درجہ حاصل کر سکتا ہے؟ البتہ مسجد نبویؐ کی طرف نماز ادا کرنے کے لئے سفر کرنا مستحب ہے۔

کثیر تعداد میں ایسے لوگ موجود ہیں جو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور ان کے ہم مسلک سلفی لوگوں کے بارے میں یہ ظن رکھتے ہیں کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر

مبارک کی زیارت کرنے سے روکتے ہیں۔ یہ سلفی مسلک کے لوگوں اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ پر الزام ہے' جھوٹ ہے' افتراء ہے اور ہم آپ کے علم میں لانا چاہتے ہیں کہ یہ کوئی پہلا جھوٹ نہیں ہے جو شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ اور سلفی لوگوں پر لگایا گیا ہے جس شخص کو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کا اتفاق ہوا ہے وہ جانتا ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کو نہ صرف جائز قرار دیتے ہیں بلکہ مستحب سمجھتے ہیں بشرطیکہ زیارت میں بدعات اور خلاف شریعت کاموں کا ارتکاب نہ ہو مثال کے طور پر قبر مبارک کی زیارت کے لئے رخت سفر باندھا جائے یعنی صرف قبر مبارک کی زیارت کے لئے سفر کا اہتمام کیا جائے جب کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی عام ہے کہ صرف تین مساجد کی طرف سفر کا اہتمام کرنا درست ہے۔ خیال رہے کہ اس حدیث میں مستثنیٰ منہ صرف مساجد نہیں ہیں جیسا کہ اکثر لوگوں کا خیال ہے بلکہ ہر وہ جگہ ہے جس کی طرف جانے سے تقرب الی اللہ کا قصد کیا جاتا ہے' خواہ وہ جگہ قبر' مسجد' درخت یا کوئی مکان ہو۔ اس کی دلیل ابو ہریرہؓ سے مروی حدیث ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں بصرہ بن ابی بصرہ غفاری کے ہاں پہنچا اس نے دریافت کیا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں؟ میں نے عرض کیا' طور پہاڑ سے آیا ہوں۔ اس نے کہا' اگر میری ملاقات تجھ سے طور پہاڑ کی طرف سفر کرنے سے پہلے ہو جاتی تو تو کبھی نہ جاتا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپؐ نے فرمایا' سواریوں کو صرف تین مساجد کی جانب لے جایا جائے ۲۳۹۔

یہ حدیث واضح دلیل ہے کہ صحابہ کرامؓ نے حدیث کو عام سمجھا اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہو رہی ہے کہ کسی صحابی سے منقول نہیں کہ اس نے کسی قبر کی زیارت کے لئے سفر کیا ہو۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے پہلے گزرے ہیں اور ان کا اس مسئلہ میں وہی مسلک تھا جو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا ہے۔ جو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے خلاف زبان طعن دراز کرتا ہے وہ صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین کو بھی مطعون کر رہا ہے۔ اللہ پاک اس شخص پر رحمت فرمائے جس نے ذیل کا شعر کہا ہے۔

وَكُلُّ خَيْرٍ فِيْ اِتِّبَاعِ مَنْ سَلَفْ
وَكُلُّ شَرٍّ فِيْ اِبْتِدَاعِ مَنْ خَلَفْ

ہر قسم کی بھلائی سلف صالحین کی پیروی کرنے میں ہے اور ہر قسم کا شران کے بعد آنے والوں میں ہے جو دین اسلام میں نئے کام نکالتے ہیں۔

۴۸ - اَلْوَلَدُ سِرُّ اَبِيْهِ.

لڑکا اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتا ہے۔

تحقیق : یہ حدیث بے اصل ہے' اس حدیث کو امام سخاویؒ نے "المقاصد الحسنہ" میں اور امام سیوطیؒ نے "الدّرر" میں امام زرکشیؒ کی پیروی کرتے ہوئے ذکر کیا ہے اور امام صغانیؒ نے اس حدیث کو "الاحادیث الموضوعہ" ۲۴۰ھ میں ذکر کیا ہے لیکن اس حدیث کا مفہوم درست نہیں ہے اس لئے کہ انبیاء علیہ الصلوۃ والسلام میں ایسے انبیاء بھی ہیں جن کے والد مشرک اور نافرمان تھے۔ جیسے "آزر" ابراہیم علیہ السلام کے والد ہیں اور ان میں بعض ایسے بھی ہیں جن کے بیٹے مشرک تھے جیسے نوح علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔

۴۹ - مَنْ زَارَ قَبْرَ اَبَوَيْهِ اَوْ اَحَدِهِمَا فِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ؛ غُفِرَلَهٗ، وَكُتِبَ بَرًّا.

جس شخص نے ہر جمعہ کے روز اپنے ماں باپ (دونوں) یا ان میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت کی اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اس کو نیکوکار لکھ دیا جاتا ہے۔

تحقیق : یہ حدیث موضوع ہے' اس حدیث کو امام طبرانیؒ نے "الصغیر" ۲۴۱ھ اور "الاوسط" ۲۴۲ھ میں "زوائد المعجمین" سے محمد بن نعمان بن عبدالرحمان کے طریق سے اس نے یحییٰ بن علاء البجلی سے اس نے عبدالکریم بن امیہ سے اس نے مجاہدؒ

سے اس نے ابوہریرہؓ سے مرفوع بیان کیا اور یہ بھی کہا کہ یہ حدیث ابوہریرہؓ سے صرف اسی سند کے ساتھ مروی ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ حدیث موضوع ہے' محمد بن نعمان راوی کو امام ذہبیؒ نے "میزان الاعتدال" میں مجہول کہا ہے۔ انہوں نے ابن حجرؒ کی موافقت کی جو انہوں نے "لسان" میں کہا ہے۔ عقیلی نے کہا کہ یحییٰ راوی متروک ہے۔

میں کہتا ہوں: یحییٰ کے ضعف پر اجماع ہو چکا ہے۔ وکیعؒ نے اس کو کذّاب کہا۔ اسی طرح احمدؒ نے اس کو کذّاب اور وضّاع کہا ہے۔ ابن عدیؒ کا قول ہے کہ اس راوی کی روایات میں ضعف ظاہر ہے اور اس کی احادیث موضوع ہیں۔ اور اس کا شیخ عبدالکریم ابوامیہ ابن ابی المخارق بھی ضعیف ہے لیکن متہم بالکذب نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ امام ہیثمیؒ کی بات درست نہیں جب انہوں نے حدیث کو عبدالکریم کی بنا پر معلول قرار دیا ہے اس نے کہا ۲۴۳۔ کہ اس حدیث کو امام طبرانیؒ نے "اوسط" اور "صغیر" میں روایت کیا ہے اور اس میں عبدالکریم ابوامیہ راوی ضعیف ہے۔ لیکن اس کے عراقی شیخ نے اس حدیث کو "تخریج الاحیاء" ۲۴۴۔ میں معلول قرار دیا ہے جس کو میں نے ابھی ابھی "میزان" سے نقل کیا ہے پس اس نے راہ صواب اختیار کیا۔ اور اسی طرح امام سیوطیؒ نے "اللالی" ۲۴۵۔ میں غلطی کی ہے جب اس نے کہا کہ عبدالکریم راوی ضعیف ہے اور یحییٰ بن علاء اور محمد بن نعمان راوی مجہول ہیں پھر اس حدیث میں ایک اور علت ہے اور وہ اضطراب ہے اس حدیث کو ابن ابی الدنیاؒ نے "القبور" میں ذکر کیا ہے اور اس کے طریق سے عبدالغنی مقدسی نے "السنن" ۲۴۶۔ میں محمد بن نعمان سے بیان کیا اس نے حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع بیان کیا ہے جب کہ حدیث معضل ہے چنانچہ ابن ابی حاتمؒ نے "العلل" ۲۴۷۔ میں ذکر کیا ہے کہ میں نے اپنے والد سے اس حدیث کے بارہ میں دریافت کیا جس کو ابوموسیٰ محمد بن مثنی نے محمد بن نعمان ابی النعمان باہلی سے روایت کیا اس نے یحییٰ بن علاء سے اس نے اپنے چچا خالد بن عامر سے اس نے ابوہریرہؓ سے اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آدمی کے بارہ میں جو اپنے ماں باپ دونوں یا ان میں سے کسی ایک کی نافرمانی کرتا ہے وہ دونوں فوت ہو جاتے ہیں تو

وہ ان کی قبر پر ہر رات آتا ہے میرے باپ نے کہا کہ اس حدیث کی سند مضطرب ہے اور حدیث کا متن غایت درجہ منکر ہے گویا کہ موضوع ہے۔

۵۰ - مَنْ زَارَ قَبْرَ وَالِدَيْهِ كُلَّ جُمُعَةٍ، فَقَرَأَ عِنْدَهُمَا أَوْ عِنْدَهُ يٰسٓ، غُفِرَلَهٗ بِعَدَدِ كُلِّ آيَةٍ أَوْ حَرْفٍ.

جس شخص نے اپنے والدین کی قبروں کی ہر جمعہ کے روز زیارت کی اور ان دونوں کی قبروں کے نزدیک یا والد کی قبر کے قریب سورت یٰسین تلاوت کی تو اس کے ہر آیت یا ہر حرف کی گنتی کے برابر گناہ معاف ہو جائیں گے۔

تحقیق: یہ حدیث موضوع ہے' اس حدیث کو ابن عدیؒ ۳۶۸ھ نے اور ابو نعیمؒ ۴۳۹ھ نے "اخبار اصبہان" میں اور عبدالغنی مقدسی ۶۰۰ھ نے "سنن" میں ابو مسعود یزید بن خالد کے طریق سے ذکر کیا اس نے کہا کہ ہمیں عمرو بن زیاد نے بیان کیا اس نے کہا' ہمیں یحیٰی بن سلیم طائفی نے بیان کیا اس نے ہشام بن عروہ سے اس نے اپنے والد سے اس نے عائشہؓ سے اس نے ابوبکر صدیقؓ سے مرفوع بیان کیا اور بعض محدثین (میرا خیال ابن المحبؒ یا ذہبیؒ ہے) نے "سنن مقدسی" کے حاشیہ پر تحریر کیا کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے ابن عدیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث باطل ہے اس سند کے ساتھ اس کا اصل نہیں ابن عدیؒ نے اس کا ذکر اس سے مروی دیگر احادیث کے ساتھ عمرو بن زیاد کے حالات میں کیا ہے۔ خیال رہے کہ ابوالحسن ثوبانی سے مراد یہی ہے اس نے ان احادیث میں سے ایک کے بارہ میں کہا ہے کہ وہ موضوع ہے۔ نیز اس نے بیان کیا کہ عمرو بن زیاد سے مروی احادیث اس کے علاوہ بھی ہیں۔ کچھ احادیث وہ ہیں جن کو وہ ثقہ راویوں سے چوری کر کے بیان کرتا ہے اور کچھ موضوع ہیں بہرحال یہ راوی حدیث کے وضع کے فن میں متہم ہے۔ امام دارقطنیؒ کا خیال ہے کہ یہ راوی احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ اسی لئے ابن الجوزیؒ نے اس کی احادیث کو

ابن عدیؒ کی روایت سے موضوعات میں داخل کیا ہے لیکن امام سیوطیؒ نے اس کا "اللآلی" ۲۵۱ میں اس قول کے ساتھ تعاقب کیا ہے کہ اس حدیث کا شاہد موجود ہے پھر اس حدیث کو سند کے ساتھ بیان کیا جس کا ذکر اس حدیث سے پہلے ہو چکا ہے اور قارئین کو علم حاصل ہو گیا ہے کہ وہ حدیث بھی موضوع ہے لیکن اگر یہ بھی کہا جائے کہ وہ حدیث محض ضعیف ہے پھر بھی اس حدیث کا اس کو شاہد بنانا درست نہیں اس کے دو سبب ہیں۔

پہلا سبب: یہ ہے کہ وہ حدیث معنی کے لحاظ سے اس حدیث کے خلاف ہے مطلق زیارت کرنے میں دونوں کے درمیان موافقت ہے۔

دوسرا سبب: وہ ہے جس کا ذکر امام مناویؒ نے "الجامع الصغیر" کی شرح میں کیا ہے انہوں نے ابن عدیؒ کا متقدم کلام نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ "اسی لئے اس حدیث پر ابن جوزیؒ کا یہ فیصلہ ناطق ہے کہ وہ موضوع ہے اور مصنف نے اس کا تعاقب کیا ہے کہ اس کا شاہد موجود ہے" (اور متقدم حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے) لیکن یہ بات درست نہیں اس لئے کہ تمام محدثین وضاحت کرتے ہیں بلکہ مصنف کا بھی یہی نظریہ ہے کہ موضوع حدیث پر شواہد کا کچھ اثر نہیں ہوتا بلکہ ضعیف وغیرہ پر بھی نہیں ہوتا۔

یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ قبروں کے قریب قرآن پاک کی تلاوت مستحب ہے جب کہ سنّت صحیحہ میں کوئی ایسی شہادت نہیں ملتی ہے۔ سنّت صحیحہ سے بس اتنا پتہ چلتا ہے کہ قبروں کی زیارت کرتے ہوئے اہل قبور کو السّلام علیکم کہا جائے اور آخرت کے احوال کو یاد کیا جائے چنانچہ سلف صالحین کا اسی پر عمل رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ قبروں کے پاس قرآن پاک کی تلاوت ایسی بدعت ہے جو مکروہ ہے جیسا کہ متقدمین علماء کی ایک جماعت نے اس کی تصریح کی ہے ان میں امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ اور ایک روایت میں امام احمد بن حنبلؒ بھی ہیں جیسا کہ زبیدیؒ کی "شرح الاحیاء" ۲۸۴ میں ہے انہوں نے کہا ہے کہ قبروں کے پاس قرآن پاک کی تلاوت کا ذکر سنّتِ صحیحہ میں نہیں ملتا لیکن محمدؒ بن حسن اور ایک روایت میں امام احمدؒ کا قول ہے کہ مکروہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ ابن عمرؓ سے مروی ہے' انہوں نے وصیت کی تھی

کہ ان کی قبر کے قریب سورت بقرہ کی شروع اور آخر کی آیات تلاوت کی جائیں۔

میں کہتا ہوں: ابن عمرؓ سے مروی اثر کی نسبت ابن عمرؓ کی طرف کرنا صحیح نہیں۔ اگر صحیح بھی ہو تب بھی اس کی دلالت صرف میت کے دفن کے وقت ہے کہ تلاوت کی جائے مطلق تلاوت درست نہیں اور یہ بات بالکل ظاہر ہے۔

مسلمانو! سنت کو اختیار کرو اور بدعت سے خود کو بچاؤ' اگرچہ لوگ بدعات کو حسنہ کا نام ہی کیوں نہ دیتے ہوں اس لئے کہ ارشاد نبویؐ کی روشنی میں ہر بدعت گمراہی ہے۔

۵۱ - اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ عَبْدَهُ الْمُؤْمِنَ الْفَقِيْرَ الْمُتَعَفِّفَ اَبَا الْعِيَالِ.

بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس مومن بندے کو محبوب جانتا ہے جو ضرورت مند اہل و عیال والا ہے (لیکن) سوال کرنے سے گریزاں ہے۔

تحقیق: یہ حدیث ضعیف ہے' اس حدیث کو ابن ماجہؒ ۲۵۳ نے اور عقیلیؒ ۲۵۴ نے "الضعفاء" میں حماد بن موسیٰ کے طریق سے روایت کیا ہے اس نے کہا' ہمیں موسیٰ بن عبیدہ نے حدیث بیان کی اس نے کہا' مجھے قاسم بن مہران نے خبر دی کہ اس نے عمران بن حصین سے مرفوع حدیث بیان کی ہے۔

عقیلیؒ نے قاسم راوی کے حالات میں کہا ہے کہ عمرانؓ بن حصین سے اس کا حدیث سننا ثابت نہیں۔ قاسم سے اس حدیث کو موسیٰ بن عبیدہ نے بیان کیا اور وہ متروک ہے۔ امام بوصیریؒ نے "الزوائد" ۲۵۵ میں اس کو ثابت رکھا ہے نیز اس کا قول ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

میں کہتا ہوں: حدیث میں دو علتیں ہیں۔ عقیلیؒ کے کلام میں ان کی وضاحت موجود ہے ایک علت انقطاع ہے' دوسری علت ابن عبیدہ کا ضعف ہے اور (ان کے علاوہ ایک) تیسری علت (بھی ہے جو) ابن مہران راوی کا مجہول ہونا ہے۔

جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے "تقریب" میں اس کو مجہول کہا ہے۔

اور چوتھی علت (بھی ہے جو) حماد بن عیسیٰ واسطی کا ضعیف ہونا ہے جیسا کہ

حافظ ابن حجرؒ نے بیان کیا ہے۔ اسی لئے حافظ عراقیؒ نے کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے اس کے ضعیف ہونے کو امام مناویؒ نے نقل کیا ہے نیز امام سخاویؒ نے اس کو "المقاصد الحسنہ" ۲۵۶ میں ضعیف کہا ہے۔

میں کہتا ہوں: مجھے اس حدیث کا ایک دوسرا طریق ملا ہے لیکن اس کے ساتھ بھی اس حدیث میں ضعف کا اضافہ ہی ہوتا ہے اس لئے کہ حدیث محمد بن فضل کی روایت سے ہے اس نے زید العمی سے اس نے محمد بن سیرین سے اس نے عمرانؓ بن حصین سے روایت کیا ہے لیکن اس کی روایت میں "اہا العیال" کے الفاظ نہیں ہیں اس روایت کو ابن عدیؒ ۲۵۷ اور ابو نعیمؒ ۲۵۸ نے بیان کیا ہے اور حدیث کو محمد بن سیرین کی وجہ سے غریب قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ہم نے اس حدیث کو صرف زید اور محمد بن فضل سے تحریر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس سند میں بھی تین علّتیں موجود ہیں۔

پہلی علّت: عمران اور ابن سیرین کے درمیان انقطاع ہے۔ عمران کا ابن سیرین سے سننا ثابت نہیں ہے جیسا کہ امام دارقطنیؒ نے کہا کہ یہ اس روایت کے خلاف ہے جس کو عبداللہ بن احمد نے اپنے باپ سے بیان کیا۔

دوسری علّت: زید العمی ابن الحواری ضعیف ہے۔

تیسری علّت: محمد بن فضل بن عطیہ کذاب ہے جیسا کہ فلاس اور دیگر محدّثین کا قول ہے۔

۵۲ - اِذَا اسْتَصْعَبَتْ عَلٰى اَحَدِكُمْ دَابَّتُهٗ، اَوْ سَآءَ خُلُقُ زَوْجَتِهٖ، اَوْ اَحَدٍ مِنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ؛ فَلْيُؤَذِّنْ فِىْ اُذُنِهٖ.

جب تم میں سے کسی کا چارپایہ رام نہ ہو' کسی کی بیوی یا گھر کے کسی فرد کے اخلاق برے ہوں تو اس کے کان میں اذان کے کلمات کہو۔

تحقیق: یہ حدیث ضعیف ہے' اس حدیث کو امام غزالیؒ ۲۵۹ نے یقین کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرتے ہوئے ذکر کیا ہے حافظ عراقیؒ

جنہوں نے "الاحیاء" کی تخریج کی ہے ان کا قول ہے کہ اس حدیث کو ابوالمنصور دیلمیؒ نے "مسند الفردوس" میں حسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب سے اسی طرح کی ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۵۳ - عَلَيْكُمْ بِدِيْنِ الْعَجَائِزِ.

بوڑھی عورتوں کے طور طریقوں اور دین کو اختیار کرو۔

تحقیق: اس حدیث کا کچھ اصل نہیں ہے' اسی طرح کا تبصرہ "المقاصد" میں ہے۔ امام صنعانیؒ نے اس حدیث کو "الاحادیث الموضوعہ" میں ذکر کیا ہے اور امام غزالیؒ ۲۶۰ نے اس حدیث کو مرفوع نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیا ہے "الاحیاء" کی تخریج کرنے والے عراقی کا قول ہے کہ ابن طاہرؒ نے "کتاب التذکرہ" میں بیان کیا ہے کہ عوام الناس نے اس حدیث کو ہاتھوں ہاتھ لیا لیکن مجھے اس حدیث کا اصل صحیح روایت اور نہ ہی ضعیف روایت سے ملا ہے البتہ محمد بن عبدالرحمان بیلمانی کی حدیث میری نظر سے گزری جو اس نے اپنے باپ سے انہوں نے ابن عمرؓ سے اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

میں کہتا ہوں: پھر اس نے آئندہ ذکر ہونے والی حدیث کا ذکر کیا۔

۵۴ - اِذَا كَانَ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ، وَاخْتَلَفَتِ الْاَهْوَاءُ؛ فَعَلَيْكُمْ بِدِيْنِ اَهْلِ الْبَادِيَةِ وَالنِّسَآءِ.

جب قیامت قریب ہوگی اور خواہشات میں اختلاف رونما ہوگا تو تمہیں جنگل میں آباد لوگوں اور عورتوں کے طور طریقوں کو اپنانا ہوگا۔

تحقیق: یہ حدیث موضوع ہے' یہ ابن طاہرؒ کا قول ہے۔ ابن بیلمانی جو سند میں راوی ہے وہ اپنے باپ سے وہ ابن عمرؓ سے مختصر مجموعہ روایت کرتا ہے اس کے وضع میں وہ متہم ہے۔ حافظ عراقیؒ نے بیان کیا کہ اس حدیث کے ان الفاظ کو اس طریق سے ابن حبانؒ نے "الضعفاء" اور ابن بیلمانی کے حالات میں ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ابن جوزیؒ نے اس حدیث کو ابن حبانؒ کے طریق سے "الموضوعات" میں نقل کیا ہے اور اس سے یہ بات واضح ہے کہ اس میں ایک اور علت ہے اس لئے کہ ابن عبدالرحمان بیلمانی سے روایت کرنے والا محمد بن حارث حارثی ہے اور وہ ضعیف ہے۔ ابن عدیؒ ۲۴۱ ۔ نے اس کے حالات کے ضمن میں اس حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس راوی کی اکثر روایات غیر محفوظ ہیں نیز ابن جوزیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے محمد بن حارث راوی لاشئی ہے اور اس کا استاذ بھی شاگرد جیسا ہے اس نے اپنے باپ سے مختصر مجموعہ من گھڑت روایت کیا ہے البتہ یہ حدیث دراصل عمرؒ بن عبدالعزیز کا معروف قول معلوم ہوتا ہے اور امام سیوطیؒ نے "اللآلئ الموضوعہ" ۲۴۲ ۔ میں اس کے وضع کا اقرار کیا ہے اس نے مزید کہا کہ اس کی سند میں محمد بن حارث "ابن ماجہ" کے رجال سے ہے "میزان" میں اس حدیث کو محمد بن حارث کے عجائبات سے شمار کیا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس حدیث کی وضع کا سرچشمہ ابن بیلمانی کو قرار دینا زیادہ مناسب ہے اس سے کہ محمد بن حارث پر وضع کا بوجھ ڈالا جائے اس لئے کہ محمد بن حارث کی بعض محدثین نے توثیق کی ہے لیکن ابن بیلمانی کے ضعیف ہونے پر سب کا اتفاق ہے چنانچہ بعض آئمہ جو محمد بن حارث کو ثقہ قرار دیتے ہیں جن میں آجری بھی ہے اس کا قول ہے کہ میں نے امام ابوداؤدؒ سے محمد بن حارث کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے "بندار" کا ایک قول موصول ہوا ہے جس میں ہے کہ میرے دل میں محمد بن حارث کے متعلق کچھ نفرت نہیں البتہ ابن بیلمانی مصیبت ہے یہ سب اسی کا کرشمہ ہے۔ محمد بن حارث کے بارے میں بزار کا قول ہے کہ یہ راوی مشہور ہے اس میں کچھ حرج نہیں معلوم ہوا کہ اصل مصیبت اور آفت ابن بیلمانی ہے۔ حافظ ابن طاہرؒ نے اس کی وجہ سے اس حدیث کو معلول قرار دیا ہے جیسا کہ پہلے بھی اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ امام سخاویؒ نے "المقاصد" میں ایسی ہی بات کہی ہے نیز شیخ علی قاریؒ نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔

لیکن کس قدر تعجب خیز بات ہے کہ امام سیوطیؒ نے اس حدیث کو "الجامع الصغیر" میں ذکر کیا ہے حالانکہ امام سیوطیؒ نے مقدمہ میں زور دے کر کہا ہے کہ اس

کتاب میں ایسی احادیث شامل نہیں کی گئی ہیں جن کے رواۃ میں کوئی کذاب یا وضاع راوی متفرد ہے جب کہ اس حدیث میں ابن بیلمانی جیسا کذاب راوی موجود ہے نیز امام ابن جوزیؒ نے اس راوی پر کذب کا حکم لگایا ہے تو امام سیوطیؒ نے اس کا قول بھی ساتھ ہی ذکر کیا ہے۔ اور "تنزیہ الشریعہ" ۲۶۳؎ میں ابن عراقؒ نے ان دونوں کی طرف سے ابن بیلمانی پر لگائے گئے کذب کے حکم کو ثابت کیا ہے۔ چنانچہ ابن عراقؒ نے کتاب کی پہلی فصل میں ذکر کیا ہے کہ اس میں ان احادیث کا ذکر ہے جن کے بارے میں امام ابن جوزیؒ نے وضع کا حکم لگایا ہے اور ان کی کسی نے مخالفت نہیں کی مقدمہ میں بھی اس کی صراحت موجود ہے۔

۵۵ - سُرْعَةُ الْمَشْيِ تُذْهِبُ بَهَاءَ الْمُؤْمِنِ.

تیز رفتاری مومن کے وقار کو ختم کر دیتی ہے۔

تحقیق: یہ حدیث غایت درجہ منکر ہے نیز یہ حدیث ابو ہریرہؓ' ابن عمرؓ' انسؓ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ ابو ہریرہؓ کی حدیث تین طریق سے مروی ہے۔

پہلا طریق: محمد بن یعقوب فرجی سے اس نے کہا' ہمیں محمد بن عبدالملک بن قریب اصمعی نے حدیث بیان کی اس نے کہا' ہمیں ہمارے باپ نے بتایا' اس نے ابو معشر سے اس نے ابو سعید مقبری سے اس نے ابو ہریرہؓ سے بیان کیا نیز اس حدیث کو ابو سعید مالینیؒ نے "الاربعین فی شیوخ الصوفیہ" ۲۶۴؎ میں' ابو نعیمؒ نے "الحلیہ" ۲۶۵؎ میں اور خطیب بغدادیؒ نے "تاریخ بغداد" ۲۶۶؎ میں ذکر کیا ہے نیز اس نے کہا کہ میں نے محمد بن الاصمعی کا ذکر صرف اسی حدیث میں دیکھا ہے امام ذہبیؒ نے اس کے حالات میں تحریر کیا ہے کہ یہ حدیث غایت درجہ منکر ہے پھر اس کو اس سند کے ساتھ ذکر کیا ہے بعدازاں اس حدیث کو غیر صحیح قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے بھی "لسان" میں اس کو غیر صحیح کہا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس حدیث کی سند میں تین علتیں ہیں۔

پہلی علت: محمد بن الاصمعی مجہول ہے جیسا کہ خطیب بغدادیؒ نے بیان کیا ہے یہ

قول پہلے گزر چکا ہے وہ اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

دوسری علّت: ابن الاصمعی سے روایت کرنے والا محمد بن یعقوب فرجی ہے مجھے اس کے حالات نہیں مل سکے ہیں البتہ مالینیؒ نے "شیوخ الصوفیہ" میں اس کا ذکر کیا ہے لیکن اس کے بارے میں جرح' تعدیل کا ذکر نہیں کیا اس حدیث کے منکر ہونے کی اصل آفت شاید یہی شخص ہے۔

تیسری علّت: ابو معشر جس کا نام نجیح بن عبدالرحمان سندھی ہے بالاتفاق ضعیف ہے۔ یحیٰی بن سعیدؒ نے اس کو غایت درجہ ضعیف کہا ہے اسی طرح امام بخاریؒ نے اس کو منکر الحدیث کہا ہے۔

دوسرا طریق: عبداللہ بن سالم نے کہا کہ ہمیں عثمانؒ بن مطرز حادی نے حدیث بیان کی (وہ حدیث کے حافظ تھے) انہوں نے کہا کہ ہمیں ابن ابی ذئب نے مقبریؒ سے انہوں نے ابو ہریرہؓ سے حدیث بیان کی۔ امام ذہبیؒ نے عثمان کے حالات ذکر کرتے ہوئے اس حدیث کو بیان کیا ہے اور عثمان کے بارے میں کہا کہ وہ بوجہ کذب بیانی کے تباہی و بربادی سے ہم کنار ہے۔

بعض محدّثین نے عثمان کو ثقہ قرار دیا ہے جب کہ بعض نے اس کو حافظ کہا ہے بعد ازاں اس سے مروی منکر احادیث کا ذکر کیا۔ اس کے حالات کے آخر میں ابو حاتم رازیؒ کا قول ذکر کیا کہ وہ اس کو کذب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ابن عدیؒ کا قول ہے کہ اس سے مروی احادیث باطل ہیں۔ امام دارقطنیؒ کا قول ہے کہ وہ ضعیف ہے۔

میں کہتا ہوں: ابو معشر بن ابی ذئب کے طریق کے لئے یہ متابعت قوی ہے لیکن قابل اعتبار نہیں اس لئے کہ اگرچہ ابن ابی ذئب راوی قوی ہے لیکن اس کے طریق میں عثمان ہے جو ہلاکت و بربادی سے ہم کنار ہے البتہ یہ روایت ایک اور طریق سے بھی مروی ہے۔

تیسرا طریق: اس حدیث کو ابن عدیؒ نے "الکامل" میں ابو شہاب عبدالقدوس بن عبدالقاہر بن ابی ذئب ابی شہاب سے' اس نے اس حدیث کو صدقہ بن اللیث الحصنی

سے سنا (اور اس کا شمار ثقہ راویوں میں ہوتا ہے) اس نے ابن ابی ذئب سے روایت کیا۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس کا تذکرہ "لسان" میں عبدالقدوس کے حالات ذکر کرتے ہوئے کیا ہے جب کہ اس کے بارے میں امام ذہبیؒ کا قول ہے کہ اس نے جھوٹی احادیث کو وضع کر رکھا تھا ان جھوٹی احادیث میں سے اس حدیث کا بھی ذکر کیا بعدازاں حافظ ابن حجرؒ نے ان احادیث موضوعہ سے اس حدیث کا ذکر کیا اور تبصرہ کیا کہ یہ حدیث عمار بن مطر کی روایت کے ساتھ معروف ہے اس نے ابن ابی ذِئب سے روایت کی ہے نیز لوگ "عمار" پر اس حدیث کا انکار کرتے تھے اور عمار کے حال کا ابھی آپ کو علم ہو چکا ہے اور ان تمام طرق سے بہترین طریق پہلا ہے لیکن کثرت علل کی وجہ سے وہ بھی ضعیف ترین ہے نیز حافظؒ نے "کشاف" کی تخریج ۲۶۷ھ میں کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے۔

اور ابن عمرؓ کی حدیث کو عباس دوری نے "تاریخ ابن معین" ۲۶۸ھ میں اور ابن عدیؒ ۲۹ھ نے اور خطیب بغدادیؒ نے "الجامع" ۲۷۰ھ میں (نسخہ اسکندریہ ہے) اور واحدیؒ نے "وسیط" ۲۷۱ھ میں اور ثعلبیؒ نے "التفسیر" ۲۷۲ھ میں ولید بن سلمہ سے (جو اردن کا قاضی ہے) اس نے کہا کہ ہمیں عمر بن صہبان نے' اس نے نافعؒ سے اس نے ابن عمرؓ سے یہ حدیث بیان کی۔

ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ عمر بن صہبان راوی کی اکثر روایت کردہ احادیث ایسی ہیں کہ ثقہ رواۃ ان کی متابعت نہیں کرتے ہیں بلکہ غالب احادیث منکر ہیں۔

میں کہتا ہوں : عمر بن صہبان ضعیف ترین راوی ہے۔ امام بخاریؒ نے اس کو منکر الحدیث اور امام دارقطنیؒ نے متروک الحدیث کہا ہے۔

میں کہتا ہوں : عمر بن صہبان سے روایت کرنے والا ولید بن سلمہ راوی اس سے بھی زیادہ شر والا ہے اس کے بارے میں مسہرؒ' دحیمؒ اور دیگر محدثین نے کذاب کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ابن حبانؒ کا قول ہے کہ وہ ثقہ راویوں کا نام لے کر احادیث وضع کیا کرتا تھا چنانچہ ابن عدیؒ نے اس کی وضع کردہ جن احادیث کا ذکر کیا ہے ان میں یہ حدیث بھی ہے۔ اس حدیث کو انہوں نے اس کے حالات کے ذکر کے ضمن میں ذکر کیا ہے نیز اس کے بارے میں وہی تبصرہ کیا ہے جو کہ "المنتخب عنہ"

۲۷۳۔ اور دیگر کتب میں ہے کہ اس کی مروی اکثر احادیث غیر محفوظ ہیں۔
اور انسؓ کی حدیث کو ابن بشرانؒ نے "الامالی" ۲۷۴۔ میں اور خطیب بغدادیؒ نے "الجامع" ۲۷۵۔ میں محمد بن یونس کے طریق سے روایت کیا اس نے کہا کہ ہمیں یوسف نے مکمل حدیث بیان کی اس نے کہا' ہمیں عبدالسلام بن سلیمان ازدی نے ابان سے اس نے انسؓ سے مرفوع بیان کیا۔ اس میں لفظ "بہاء الوجہ" (چہرے کی رونق) ہے اس کی سند باطل ہے اس میں ایک بھی راوی ایسا نہیں جو وصف ثقاہت کے ساتھ معروف ہو۔ انسؓ تو طبعاً مستثنیٰ ہیں وہ صحابی ہیں اور ان کی طرف نسبت درست نہیں ابان بن ابی عیاش زاہد بصری کے بارہ میں امام احمدؒ کا قول ہے کہ وہ متروک الحدیث ہے۔
اور شعبہ کا قول ہے کہ کوئی شخص زنا کرے اس سے بہتر ہے کہ وہ ابان سے روایت کرے۔
میں کہتا ہوں : اس قسم کے الفاظ اس شخص کے بارہ میں کہے جا سکتے ہیں جو کذاب ہونے میں معروف ہو چنانچہ شعبہ اس کے کذاب ہونے پر حلف اٹھاتے تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ عمداً جھوٹ نہیں کہتا تھا اس لئے کہ ابان کے بارہ میں ابن حبانؒ کا قول ہے کہ ابان عابد' زاہد اور شب بیدار تھا دن کو روزہ سے ہوتا تھا' اس نے انسؓ سے متعدد احادیث سنی ہیں اس کی حسنؒ کے ساتھ مجلس رہتی تھی اس سے احادیث سنتا اور انہیں محفوظ رکھتا جب احادیث بیان کرتا تو کبھی یوں بھی ہوتا کہ حسنؒ کی باتوں کو بے خبری کے عالم میں انسؓ کی مرفوع حدیث کہہ دیتا تھا شائد انسؓ سے اس کی مرویات کی تعداد ڈیڑھ ہزار سے زائد ہے جن میں اکثر احادیث بے اصل ہیں۔
اور عبدالسلام بن سلیمان ازدی' ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد ابو ہمام عبدی ہے اس لئے کہ وہ اسی کے طبقہ سے ہے اس نے داؤد بن ابی ھند سے سنا اس سے حرمی بن عمارہ' ابو سلمہ اور یحییٰ نے روایت بیان کی جیسا کہ امام ابو حاتمؒ نے "الجرح والتعدیل" ۲۷۶۔ میں ذکر کیا لیکن اس پر جرح و تعدیل مذکور نہیں اس لئے یہ مجہول الحال ہے۔
اور ابن حبانؒ نے اپنے قاعدہ کے مطابق اس کا ذکر "الثقات" ۲۷۷۔ میں کیا

ہے اور اس سے پہلے ایک اور راوی کا ذکر کیا ہے کہ "عبدالسلام بن سلیمان" یزید بن سمرۃ سے روایت کرتا ہے گویا کہ اس کا شمار شامیوں میں کیا ہے کہ عبدالسلام سے امام اوزاعیؒ نے روایت کی۔

یہ بات واضح ہے کہ یہ اس حدیث کا راوی نہیں ہے اس لئے کہ اس حدیث کی سند شامی نہیں ہے اس سے قبل کی حدیث شامی ہے۔ لیکن یوسف بن کامل، بظاہر اس سے مراد عطار ہے کہ اس نے سوید بن ابی حاتم اور نافع بن عمر جمحی سے روایت کی اس سے عمرو بن علی صیرفی نے بیان کیا جیسا کہ "الجرح والتعدیل" ۸/۲۲۷ میں ہے لیکن اس کے بارے میں جرح و تعدیل کا ذکر نہیں ہے شائد اس کا ذکر "ثقات ابن حبان" میں ہے اس سلسلہ میں تابعین کے شاگردوں کے شاگردوں کی جانب مراجعت کی جائے اس لئے کہ ہمارے پاس "ثقات" کا جو نسخہ ہے اس میں وہ جلد نہیں ہے جس میں اس کا ذکر ہے۔

اور محمد بن یونس کدیمی کے بارہ میں ابن عدیؒ کا قول ہے کہ وہ وضع کے ساتھ متہم ہے ابن حبانؒ کا قول ہے کہ شاید اس نے ایک ہزار سے زائد احادیث وضع کی ہیں نیز ابوداؤد، موسیٰ بن ہارون، اور قاسم بن مطرز نے اس کو کذاب کہا ہے امام دار قطنیؒ کا قول ہے کہ وہ حدیث کے وضع کرنے میں متہم ہے اس کے بارہ میں صرف اس شخص کا قول قابل تعریف ہے جس کو اس کے حال کا علم نہیں ہے۔

لیکن ابن عباسؓ کی حدیث کو امام سیوطیؒ نے "الجامع" میں ابن النجار کی طرف منسوب کیا ہے مجھے اس کی سند نہیں مل سکی غالب خیال یہی ہے کہ وہ دوسروں کی طرف ضعیف راوی ہے۔ امام مناویؒ نے اس پر کوئی رائے نہیں دی اس تحقیق سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ اس حدیث کے تمام طرق غایت درجہ ضعیف ہیں ان میں سے کوئی بھی پہلے طریق کی تقویت کی صلاحیت نہیں رکھتا اور پہلا طریق باوجود ضعف کے اس کا حال دیگر طرق سے بہت اچھا ہے پس حافظ سخاویؒ کے قول جو "المقاصد" ۲۷۷ میں ہے، سے دھوکہ میں نہیں آنا چاہئے کہ اس حدیث کے شواہد بہت زیادہ ہیں۔ اس لئے کہ ان میں شواہد کی صلاحیت نہیں ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔

ظاہر اور واضح بات یہ ہے کہ یہ حدیث دراصل موقوف ہے ان ضعیف راویوں

نے جان بوجھ کر یا بھول کر اس کو مرفوع بنا دیا ہے۔ میں نے دینوری کی "المنتقی من المجالسہ" ۲۸۰ے کا مطالعہ کیا اس میں صحیح سند کے ساتھ مغیرہ سے روایت ہے اس نے ابراہیم کا قول پیش کیا کہ راستہ چلتے ہوئے ادھر ادھر جھانکنا مروت کے خلاف ہے اور کہا جاتا ہے کہ تیز رفتاری مومن کے وقار کو ختم کر دیتی ہے۔

اس قول کی نسبت شیخ علی قاریؒ نے "شرح الشمائل" ۲۸۱ے میں امام زہریؒ کی طرف کی ہے۔ لیکن اس حدیث کی تردید میں اس حدیث کا مفہوم کفایت کرتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چلنے کا جو انداز تھا وہ اس کے مخالف ہے۔ یہ حقیقت طے شدہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تیز تیز چلتے تھے نیز ابن سعدؒ نے "الطبقات" ۲۸۲ے میں شفاء بنت عبداللہ ام سلیمان سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تیز تیز چلتے تھے۔

کچھ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث بعض افتراء پرداز زاہدوں کی وضع کردہ ہے جو سمجھتے ہیں کہ انسانی وقار کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مسلمان آہستہ آہستہ چلے یوں معلوم ہو جیسے اس میں جان ہی نہیں ہے اور بظاہر بیمار نظر آئے لیکن کیا اس طرح چلنا اللہ پاک کے ذیل کے فرمان سے ثابت ہوتا ہے؟ ارشاد ربانی ہے:

وَعِبَادُ الرَّحْمَانِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا ۲۸۳ے

(ترجمہ) اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل لوگ مخاطب ہوتے ہیں تو وہ ان سے بچاؤ اختیار کرتے ہوئے سلام کہتے ہیں۔

حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں لفظ "هَوْن" کی تشریح سکینت اور وقار سے کرتے ہیں کہ جس میں جباریت اور تکبر کا اظہار نہ ہو جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۲۸۴ے

(ترجمہ) تو زمین پر اکڑتے ہوئے نہ چل

پس اللہ تعالٰی کے بندے تکبر سے اور اکڑ کر نہیں چلتے' نہ وہ اتراتے ہیں اور نہ ان میں رعونت ہوتی ہے لیکن اس سے مقصود یہ نہیں کہ وہ تصنع اور ریا کاری کے

ساتھ بیماروں کی طرح چلتے ہیں چنانچہ آدم کی اولاد کے سردار جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب چلتے تو یوں معلوم ہوتا جیسے اونچائی سے اتر رہے ہیں اور یوں محسوس ہوتا کہ جیسے زمین آپؐ کے لئے لپیٹ دی گئی ہے۔ (یعنی سفر جلدی طے ہو جاتا تھا) چنانچہ بعض اسلاف نے کمزور انداز میں چلنے کو مکروہ جانا ہے یہاں تک کہ عمرؓ سے مروی ہے انہوں نے ایک جوان کو آہستہ آہستہ چلتے دیکھا تو اس سے دریافت کیا، کیا تم بیمار ہو کیسے چل رہے ہو؟ اس نے کہا، نہیں اے امیر المؤمنین! چنانچہ حضرت عمرؓ اس کے سر پر درہ لے کر کھڑے ہو گئے اور حکم دیا کہ خوب زور سے چلا کرو خیال رہے کہ قرآن پاک کے لفظ "هَوْنًا" سے مقصود وقار اور اطمینان کے ساتھ چلنا ہے۔

امام احمدؒ نے ابن عباسؓ سے ۲۸۵ـ بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب چلتے تو زور سے چلتے تھے آپؐ کی رفتار میں سستی نہیں ہوتی تھی اس حدیث کو بزارؒ نے بھی "مجمع الزوائد" ۲۸۶ـ کی طرح روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے اور اس کی شاہد حدیث، سیار ابی الحکم سے مرسل مروی ہے اس کو ابن سعدؒ ۲۸۷ـ نے بیان کیا ہے۔

۵۶ - لَوْلَا النِّسَآءُ؛ لَعُبِدَ اللّٰهَ حَقًّا حَقًّا.

اگر عورتیں نہ ہوتیں تو اللہ کی صحیح صحیح عبادت ہوتی۔

تحقیق: یہ حدیث موضوع ہے، اس کے دو طریق ہیں۔

پہلا طریق: محمد بن عمران ہمذانی سے ہے اس نے کہا کہ ہمیں یحیٰی بن زیاد دورقی (ابن عیینہ کے ساتھی) نے حدیث بیان کی اس نے کہا، ہمیں عبدالرحیم بن زید العمی نے اپنے والد سے اس نے سعیدؒ بن مسیب سے اس نے عمرؓ بن خطاب سے مرفوع روایت بیان کی۔ اس حدیث کو ابن عدیؒ ۲۸۸ـ نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے۔ میں اس حدیث کو صرف اسی طریق سے جانتا ہوں اور عبدالرحیم بن زید العمی سے مروی تمام احادیث ایسی ہیں کہ ان کی ثقہ راویوں سے متابعت موجود نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: اور امام بخاریؒ کا قول بھی یہی ہے کہ محدثین نے اس کو ترک کیا ہے ابو حاتم کا قول ہے کہ اس کی حدیث کو ترک کیا جائے اس لئے کہ یہ منکر الحدیث ہے اس نے تو اپنے والد کو بھی خراب کیا وہ اس کی نسبت سے جھوٹ باندھتا تھا اور ابن معینؒ کا قول ہے کہ وہ کذاب اور خبیث تھا۔

میں کہتا ہوں: اس کا والد زید بھی ضعیف ہے جیسا کہ حدیث نمبر ۵۱ میں اس کے ضعیف ہونے کا بیان ہو چکا ہے نیز اس حدیث کو ابن جوزیؒ نے "الموضوعات" میں ابن عدی کے طریق سے ذکر کیا ہے اور تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس حدیث کا کچھ اصل نہیں ہے عبدالرحیم اور اس کا والد دونوں متروک ہیں اور محمد بن عمران راوی منکر الحدیث ہے۔

میں کہتا ہوں: معلوم ہوتا ہے کہ ابن جوزیؒ کو وہم لاحق ہوا کہ محمد بن عمران سے مراد اخنسی ہے جس کے بارہ میں امام بخاریؒ نے "التاریخ الکبیر" ۲۸۹ـ میں کہا ہے کہ وہ بغداد میں رہتا تھا۔ محدثین نے اس پر جرح کی ہے اور وہ منکر الحدیث ہے اس نے ابو بکر بن عیاش سے بیان کیا جب کہ اس حدیث کا راوی محمد بن عمران اخنسی نہیں ہے بلکہ ھذانی ہے جیسا کہ ابن عدیؒ نے اس کی روایت میں وضاحت کی ہے اور یہ راوی ثقہ ہے نیز اس کے بہترین حالات "تاریخ بغداد" ۲۹۰ـ میں ہیں لہٰذا حدیث میں ضعف کی علت اس سے اوپر کے رواۃ میں ہے۔

اور امام سیوطیؒ پر یہ حقیقت مخفی رہی ہے چنانچہ انہوں نے ابن جوزیؒ کا تعاقب کیا ہے اور "اللآلی" ۲۹۱ـ میں ذکر کیا ہے کہ اس حدیث کا شاہد موجود ہے بایں ہمہ یہ ایسا تعاقب ہے جس سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہے اس لئے کہ وہ شاہد جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ اس حدیث سے بہتر نہیں جس کا وہ شاہد ہے اور وہ دوسرا طریق ہے۔ دوسرا طریق: بشر بن حسین سے اس نے زبیر بن عدی سے اس نے انسؓ سے مرفوع روایت بیان کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"لَوْ لَا النِّسَاءُ دَخَلَ الرِّجَالُ الْجَنَّةَ"

اگر عورتیں نہ ہوتیں تو مرد جنت میں جاتے۔

اس روایت کو ابو الفضل عیسیٰ بن موسیٰ ہاشمی نے زبیر بن عدی کے نسخہ ۲۹۲ـ

میں بیان کیا ہے اور ابو نعیمؒ نے "اخبار اصبہان" ۲۹۳ میں اور ثقفیؒ نے "الثقفیات" میں ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: بشر راوی متروک ہے' جھوٹا ہے جیسا کہ حدیث نمبر ۲۸ میں اس کا ذکر گزر چکا ہے اور دیلمیؒ نے "مسند الفردوس" میں اس کے طریق سے ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا۔

لَوْ لَا النِّسَاءُ لَعُبِدَ اللّٰہُ حَقَّ عِبَادَتِہٖ

اگر عورتیں نہ ہوتیں تو اللہ تعالیٰ کی سچی عبادت ہوتی

جیسا کہ "فیض القدیر" میں ہے اور امام سیوطیؒ نے حدیث کے خاتمہ پر بشر کے حالات کے ضمن میں اس کو متروک قرار دیا ہے ابن عراقؒ نے "تنزیہ الشریعہ" ۲۹۴ میں اس کا تعاقب کیا ہے کہ وہ کذّاب اور وضّاع تھا اس کی یہ حدیث اس لائق نہیں کہ اس کو شاہد کہا جا سکے اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ امام سیوطیؒ نے ان تین احادیث کو "الجامع الصغیر" میں داخل کر کے مناسب کام نہیں کیا ہے اس لئے کہ یہ تینوں احادیث اس کی بیان کردہ شرائط کے خلاف ہیں۔ ان شرائط کا ذکر میں نے متعدد بار کیا ہے۔

۵۷ - اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَۃٌ

میری اُمّت کا اختلاف رحمت ہے۔

تحقیق: اس حدیث کا کچھ اصل نہیں ہے' محدثین نے اس حدیث کی سند معلوم کرنے کی بسیار کوشش کی لیکن انہیں اس کی سند پر اطلاع نہ ہو سکی یہاں تک کہ امام سیوطیؒ نے مایوسی کے عالم میں "الجامع الصغیر" میں کہہ دیا کہ شائد اس حدیث کی تخریج حفاظ کی بعض ایسی کتب میں ہے جن تک ہماری رسائی نہیں ہو پائی ہے۔

امام سیوطیؒ کی یہ بات عقل و دانش سے بہت بعید ہے اس لئے کہ اگر امام سیوطیؒ کے اس قول کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ امّت مسلمہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض احادیث پر اطلاع نہیں ہو سکی جب کہ کسی مسلمان کے لئے لائق نہیں کہ وہ اس قسم کا عقیدہ اختیار کرے اور امام مناویؒ نے

امام سبکیؒ سے نقل کیا ہے انہوں نے بیان کیا کہ یہ حدیث محدثین کے ہاں معروف نہیں ہے اور مجھے اس کی صحیح، ضعیف اور موضوع سند پر آگاہی حاصل نہیں ہو سکی ہے چنانچہ شیخ زکریا انصاری نے "تفسیر بیضاوی" ۲۹۵ھ کے حواشی میں اس کا اعتراف کیا ہے نیز یہ حدیث مفہوم کے لحاظ سے بھی محققین علماء کے نزدیک محل انکار میں ہے چنانچہ علامہ ابن حزمؒ نے "الاحکام فی اصول الاحکام" ۲۹۶ھ میں اس حدیث کا انکار کرتے ہوئے اس پر بھرپور تنقید کی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ امت کے اختلاف کو رحمت کہنا نہایت ہی فاسد قول ہے ظاہر ہے کہ اگر "اختلافِ امّت" رحمت ہے تو "اتفاق امّت" اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہو گا جب کہ کوئی مسلمان اس کا قائل نہیں اس لئے کہ اتفاق کے مقابلہ میں اختلاف ہے اور رحمت کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے اور جب اختلافِ امّت رحمت ہے تو اس کی نقیض لامحالہ یہ ہو گی کہ اتفاق امت میں اللہ کی ناراضگی ہے نیز ایک دوسرے مقام پر ابن حزمؒ نے اس حدیث کو باطل اور جھوٹ کہا ہے اس کا ذکر حدیث نمبر ۶۱ کی تحقیق میں آرہا ہے۔

اس حدیث کے بدترین نتائج میں سے یہ بات بھی ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت اس حدیث کے پیش نظر مذاہبِ اربعہ میں اختلاف کو برقرار رکھنے کی حامی ہے اور وہ ہرگز مطالبہ نہیں کرتے کہ اختلاف کی صورت میں اللہ تعالیٰ اور سنّتِ صحیحہ کی طرف رجوع کیا جائے جیسا کہ ان کے ائمہ نے انہیں اس کا حکم دیا ہے بلکہ یہ لوگ اس نظریہ کے حامل ہیں کہ ان ائمہ کے مذاہب دراصل متعدد شریعتیں ہیں ۲۹۷ھ۔ جب وہ یہ کہتے ہیں تو انہیں علم ہوتا ہے کہ ان ائمہ کے مذاہب میں جو اختلاف اور تعارض ہے اس کو ختم کرنا ممکن نہیں البتہ جو حکم دلیل کے خلاف ہے اس کو رد کر دیا جائے اور جو حکم دلیل کے موافق ہے اسے قبول کر لیا جائے لیکن اس کو بھی تو وہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں نے برملا کہہ دیا ہے کہ شریعت میں تعارض ہے اگر بقول ان کے تعارض ہے تو صرف یہی ایک دلیل بس کرتی ہے کہ کیا شریعت اللہ عزّ و جل کی جانب سے نہیں ہے؟ کاش! وہ اللہ پاک کے اس فرمان پر غور کرتے جو قرآن پاک کے بارہ میں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ۲۹۸۔

اگر قرآن پاک اللہ کے غیر سے ہوتا تو وہ اس میں کثرت کے ساتھ اختلاف پاتے۔

اس آیت میں صراحت موجود ہے کہ اختلاف اللہ پاک کی طرف سے نہیں ہے اگر (بقول ان کے) شریعت میں اختلاف ہے تو کیسے وہ شریعت اس لائق ہو سکتی ہے کہ اس پر چلا جائے؟ اور کیسے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت کا نزول قرار دیا جا سکتا ہے؟

اس مفہوم کی احادیث کی وجہ سے ائمہ اربعہ کے بعد آج دن تک مسلمانوں کی اکثریت کا متعدد اعتقادی اور عملی مسائل میں اختلاف رہا ہے اگر وہ اختلاف کو مذموم سمجھتے جیسا کہ ابن مسعودؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کا قول ہے اور اس کے مذموم ہونے پر قرآنی آیات اور کثرت کے ساتھ احادیث نبویہؐ دلالت کر رہی ہیں تو وہ اتفاق کی جانب نہایت تیزی کے ساتھ قدم بڑھاتے اور ان میں سے اکثر مسائل میں انہیں بصیرت حاصل ہوتی جب کہ ایسے دلائل موجود ہیں جن کے ذریعہ راہ صواب کو راہ خطا سے الگ کیا جا سکتا ہے اور حق کا باطل سے امتیاز ہو سکتا ہے پھر مختلف فیہ مسائل میں بعض لوگ دیگر مخالفین کو معذور سمجھتے ہیں لیکن اس قسم کی کوشش کس لئے کی جائے؟ جب کہ ان کا خیال ہے کہ اختلاف رحمت ہے اور مذاہب' اختلافات کے باوجود متعدد شریعتوں کی طرح ہیں۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ اختلاف پر مصر رہنے کے اثرات کا معائنہ کریں تو اکثر مساجد کا حال آپ کے سامنے ہے کہ ان میں چار محراب ہیں اور چار امام ہیں اور ہر امام کے مقتدی الگ ہیں۔ وہ نماز ادا کرنے کے لئے اپنے امام کا انتظار کرتے ہیں گویا کہ ان کے ادیان مختلف ہیں (یقیناً مختلف ہیں) جب کہ ان کا عالم پکارتا ہے کہ مذاہب دراصل متعدد شریعتیں ہیں وہ اپنے مقرر شدہ امام کی اقتداء میں نماز ادا کرتے ہیں دوسرے امام کی اقتداء میں نماز ادا نہیں کرتے اور مسجد میں فارغ بیٹھے رہتے ہیں جب کہ انہیں اس بات کا علم ہے کہ جب فرض نماز کی اقامت ہو تو سوائے فرض نماز کے دوسری نماز ادا نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ کوئی شخص فارغ بیٹھا رہے اور جماعت کے ساتھ شامل نہ ہو۔ مسلم وغیرہ میں اس مفہوم کی احادیث مذکور ہیں لیکن اپنے

مذہب کی حفاظت کرنا ان کے لئے زیادہ ضروری ہے حدیث نبویؐ کی مخالفت کو پر کاہ کی حیثیت بھی نہیں دیتے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اصل احترام ان کے ہاں مذہب کا ہے اور غالباً مذہب ان کے ہاں احادیث نبویہؐ سے زیادہ محفوظ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں اختلاف مذموم ہے۔ جہاں تک ممکن ہو اختلاف سے بچاؤ ضروری ہے اس لئے کہ اختلاف امت سے مسلمانوں میں ضعف و اضمحلال نمودار ہو گا ارشاد ربانی ہے۔

وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ ۲۹۹۔

تم آپس میں جھگڑا نہ کرو تم کمزور ہو جاؤ گے اور تمہارا دبدبہ جاتا رہے گا۔

لیکن اختلاف کو مستحسن گرداننا اور اس کو رحمت قرار دینا ان آیات قرآنیہ کے خلاف ہے جن میں اختلاف کی صراحتاً مذمت کی گئی ہے خیال رہے کہ اختلاف کو باعث رحمت سمجھنے والوں کے ہاں اس حدیث کے علاوہ کوئی دلیل نہیں جس کا اصل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔

اس مقام پر ایک سوال سامنے آتا ہے کہ صحابہ کرامؓ میں بھی اختلاف تھا حالانکہ وہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے بعد دنیائے انسانیت میں سب سے افضل ہیں کیا ان کا اختلاف بھی مذموم ہے اور انہیں اس اختلاف کی وجہ سے ناپسندیدہ سمجھا جائے گا؟ اس کا جواب ابن حزمؒ ۳۰۰۔ کی زبان سے سنیں۔ (فرماتے ہیں کہ) تمام صحابہ کرامؓ حق کی تلاش میں کوشاں رہے اور غیر منصوص یا غیر معلوم مسائل میں اجتہاد کیا ان میں سے جس کا اجتہاد راہِ صواب سے ہٹا ہوا ہے وہ بھی ثواب کا مستحق ہے اس لئے کہ اس کی نیت صاف ہے اور اس کا ارادہ خیر کا ہے ان کی اجتہادی غلطی کو معاف کر دیا گیا اسلیئے کہ ان سے غلط کام قصداً نہیں ہوا پھر انہوں نے حق تلاش کرنے میں سستی بھی نہیں دکھائی اور جس کا اجتہاد صحیح ہے وہ دہرے ثواب کا مستحق ہے۔ اسی طرح قیامت تک جس مسلمان پر دین اسلام کا کوئی مسئلہ پوشیدہ رہا اسے اس کی آگاہی حاصل نہ ہو سکی' اس نے اپنی کوشش سے کوئی صورت پیدا کی اور اس پر عمل پیرا رہا تو وہ عنداللہ گناہگار نہیں ہے۔ ہاں! وہ شخص مذموم ہے اور وعیدِ الٰہی کا مستحق ہے جو قرآن پاک اور احادیثِ صحیحہ کے ساتھ وابستگی نہیں رکھتا

جب کہ اسے اس مسئلہ میں نص معلوم ہے اور حجت قائم ہو چکی ہے لیکن وہ شخص نص کو چھوڑ کر کسی اور کے قول پر عمل پیرا ہوتا ہے اس کی تقلید میں اسلام کے مسائل کو سمجھتا ہے اور ان پر عمل پیرا ہوتا ہے، اختلاف کو پسند کرتا ہے، مذہبی عصبیت کا دلدادہ ہے اور جان بوجھ کر اختلاف کو جنم دیتا ہے۔ حمیت جاہلیہ اس کے دل و دماغ پر مسلط ہے قرآن پاک اور احادیثِ صحیحہ کو کچھ اہمیت نہیں دیتا ان کو اصل قرار دینے سے باغی ہے اگر نص اس کے امام کے قول کے مطابق ہے تو اسے تسلیم کرتا ہے اگر نص امام کے قول کے خلاف ہے تو نص کی مخالفت کرتا ہے قرآن پاک اور احادیثِ صحیحہ کی مخالفت کرتا ہے اور مذہبی اندھی عصبیت کے پیش نظر جاہلیت کا لبادہ زیب تن کر کے اپنے امام کے قول پر عمل پیرا رہتا ہے پس اس ذہن کے لوگ دراصل وہ ہیں جو قابلِ مذمت ہیں اور ان کا اختلاف اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے۔

ان کے ساتھ ساتھ کچھ اس نظریہ کے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جن میں تقویٰ اور پرہیزگاری کا فقدان ہے دین اسلام کے ساتھ ان کا رابطہ برائے نام ہے۔ جس شخص کا قول ان کی خواہشات کے موافق ہوتا ہے اس پر وہ عمل کرتے ہیں دراصل یہ لوگ رخصت کے متلاشی ہیں جہاں جس کے قول میں رخصت نظر آئی اس کے قول کو حجت سمجھ لیا اور اس کے مقلد ہو گئے انہیں اس سے کچھ واسطہ نہیں کہ اس بارہ میں اللہ پاک کا قرآن پاک میں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا احادیثِ صحیحہ میں کیا فرمان ہے؟

حافظ ابن حزمؒ بحث کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں کہ فقہاء کے ہاں ایک "اصولِ تلفیق" کہلاتا ہے اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ کسی بھی عالم کا قول بلا دلیل حجت ہے۔ اس میں بھی دراصل خواہشاتِ نفسانی کی اتباع ہے یا رخصت کے راستوں کی جستجو ہے تاکہ ہر قسم کا آرام رہے چنانچہ بعض فقہاء اس کو جائز قرار دینے میں اختلاف کرتے ہیں سچی بات تو یہ ہے کہ اس کے حرام اور ناجائز ہونے میں کوئی شک نہیں۔ وضاحت کا یہ مقام نہیں ہے، دراصل حقیقت یہ ہے کہ اس کا جواز بھی اسی حدیث سے لیا جاتا ہے اور اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کسی شخص

نے کہہ دیا کہ جو شخص کسی بھی عالم کا مقلد ہے اس کی ملاقات جب اللہ پاک سے ہو گی تو اس کا کچھ مؤاخذہ نہ ہو گا۔

اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو یہ سب کرشمے ضعیف اور موضوع احادیث کے ہیں لہٰذا اگر آپ نجات اخروی کے طلب گار ہیں تو ان احادیث سے دامن کو بچائیں قیامت کے دن مال' اولاد کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے البتہ وہ انسان کامیاب ہے جو اللہ پاک کی بارگاہ میں قلبِ سلیم لے کر حاضر ہوا۔

۵ - اَصْحَابِی کَالنُّجُوْمِ، بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ، اِهْتَدَیْتُمْ.

میرے صحابہ کرامؓ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی بھی آپ پیروی کریں گے ہدایت یافتہ ہوں گے۔

تحقیق: یہ حدیث من گھڑت اور بے بنیاد ہے' اس کو ابنِ عبدالبرؒ نے "جامع العلم ۳۰۱ اور ابن حزمؒ ۳۰۲ نے "الاحکام" ۳۰۲ میں سلام بن سلیم کے طریق سے روایت کیا ہے اس نے کہا کہ ہمیں حارث بن غصین نے حدیث بیان کی اس نے اعمش سے اس نے ابو سفیان سے اس نے جابرؓ سے مرفوع بیان کیا۔ ابنِ عبدالبرؒ نے اس حدیث کو سند کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ حدیث قابل حجت نہیں ہے اس لئے کہ حارث بن غصین راوی مجہول ہے۔

ابنِ حزمؒ نے اس پر نقد کرتے ہوئے فرمایا کہ روایت ساقط الاعتبار ہے ابو سفیان ضعیف ہے اور حارث بن غصین سے مراد ابو وھب ثقفی ہے اور سلام بن سلیمان بلاشبہ موضوع احادیث روایت کرتا ہے بلاشبہ یہ حدیث بھی ان میں سے ہے۔

میں کہتا ہوں: اس حدیث کو سلام بن سلیم (اس کو ابن سلیمان طویل بھی کہا جاتا ہے) کی وجہ سے موضوع قرار دینا مناسب ہے اس لئے کہ اس کے ضعیف ہونے پر اجماع ہے بلکہ ابن خراشؒ نے اس کو کذاب کہا ہے اور ابن حبانؒ کا قول ہے کہ اس سے موضوع احادیث روایت کی ہیں لیکن ابو سفیان ضعیف نہیں ہے جیسا کہ ابن حزمؒ نے کہا ہے بلکہ وہ تو راست باز انسان ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ کا قول

"تقریب" میں ہے اور امام مسلمؒ نے بھی صحیح مسلم میں اس سے روایت بیان کی ہیں۔
اور حارث بن عصین راوی مجہول ہے جیسا کہ ابن حزمؒ نے کہا ہے۔ اسی مفہوم کا قول ابن عبدالبرؒ کا بھی ہے اگرچہ ابن حبانؒ نے اس کو "الثقات" میں ذکر کیا ہے اسی لئے امام احمدؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے جیسا کہ ابن قدامہؒ کی تالیف "المنتخب" ۳۰۳۔ میں ہے۔

علامہ شعرانیؒ اپنی تالیف "المیزان" ۳۰۴۔ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس حدیث پر اگرچہ محدثین نے گفتگو کی ہے لیکن یہ حدیث اربابِ کشف کے نزدیک صحیح ہے جب کہ علامہ شعرانی کا یہ قول باطل ہے' یہ ہرگز اس لائق نہیں ہے کہ اس کی طرف دھیان بھی دیا جائے اس لئے کہ کشف کے ذریعہ احادیث کی صحت معلوم کرنا صوفیاء کی بدعت ہے اگر کشف پر اعتماد کیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ متعدد باطل احادیث (جن کا کچھ اصل نہیں ہے) صحیح قرار پائیں گی جیسا کہ یہ حدیث ہے۔ خیال رہے کہ (اگر کشف پر اعتماد کرنا صحیح بھی باور کر لیا جائے) تب بھی اعلیٰ درجہ کا کشف رائے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا اور رائے میں خطا اور درستی دونوں کا احتمال ہے لیکن اس سے مقصود ایسی رائے ہے جس میں خواہش نفس کا کچھ دخل نہ ہو ہم ایسی رائے اور ایسے کام سے جو اللہ کو ناپسند ہیں' سے محفوظ رہنے کی دعا کرتے ہیں۔ نیز یہ حدیث ابو ہریرہؓ سے "مثل صحابی" کے الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔

اس کا ذکر حدیث نمبر ۴۳۸ میں آئے گا نیز اس کی مثل ابن عباسؓ عمرؓ بن خطاب اور ان کے بیٹے عبداللہؓ سے مروی ہے۔ اب ابن عباسؓ کی حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

۵۹- مَهْمَا أُوتِيتُمْ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ؛ فَالْعَمَلُ بِهِ لَا عُذْرَ لِأَحَدِكُمْ فِي تَرْكِهِ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي كِتَابِ اللّٰهِ؛ فَسُنَّةٌ مِنِّي مَاضِيَةٌ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ سُنَّةٌ مِنِّي مَاضِيَةٌ؛ فَمَا قَالَ أَصْحَابِي، إِنَّ أَصْحَابِي بِمَنْزِلَةِ النُّجُومِ فِي السَّمَاءِ، فَأَيُّهَا أَخَذْتُمْ بِهِ، اهْتَدَيْتُمْ، وَاخْتِلَافُ أَصْحَابِي لَكُمْ رَحْمَةٌ.

تمہیں جو اللہ کی کتاب عطا کی گئی ہے اس پر عمل پیرا رہو اس پر عمل نہ کرنے کی صورت میں تمہارے پاس کوئی عذر نہیں ہے اگر کوئی حکم اللہ تعالیٰ کی کتاب میں دستیاب نہ ہو، تو میری قائم کردہ سنّت پر عمل کرو اگر کوئی حکم میری قائم کردہ سنّت میں بھی نہ ہو تو معلوم کرو کہ میرے صحابہ نے کیا کہا ہے؟ میرے صحابہ آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کو اختیار کرو گے تمہیں راہنمائی حاصل ہو گی اور میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے لئے باعثِ رحمت ہے۔

تحقیق: یہ حدیث موضوع ہے، اس حدیث کو خطیب بغدادیؒ نے "الکفایہ فی علم الروایہ" ۳۰۵ میں اور ابو العباس اصمؒ نے دوسری حدیث (میرے نسخہ کا نمبر ۱۴۲) میں اور ابن عساکرؒ ۳۰۶ نے سلیمان بن ابی کریمہ کے طریق سے اس نے "جویبر" سے اس نے "ضحاک" سے اس نے ابن عباسؓ سے مرفوع بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس حدیث کی سند غایت درجہ ضعیف ہے ابن ابی حاتم ۳۰۷ نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ سلیمان بن ابی کریم راوی ضعیف الحدیث ہے اور جویبر بن سعید ازدی راوی متروک ہے اسی طرح کا قول امام دارقطنیؒ، امام نسائیؒ اور دیگر محدثین کا ہے نیز ابن مدینیؒ نے اس کو غایت درجہ ضعیف کہا ہے اور ضحاک بن مزاحم ہلالی کی ملاقات ابن عباسؓ سے ثابت نہیں ہے۔

حافظ عراقیؒ نے حدیث کے آخری جملہ کا ذکر "الاحیاء" ۳۰۸ کی تخریج میں کیا ہے اور امام سیوطیؒ نے مکمل حدیث کو "جزیل المواہب فی اختلاف المذاہب" میں امام بیہقیؒ کی روایت سے کیا ہے (جو المدخل میں ہے) حافظ عراقیؒ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے جب کہ تحقیق کا تقاضا یہ ہے کہ سند غایت درجہ ضعیف ہے۔ ہم نے جویبر کا حال ذکر کیا کہ وہ متروک ہے۔ اسی طرح امام سخاویؒ نے "المقاصد" میں ذکر کیا ہے کہ حدیث معنوی لحاظ سے موضوع ہے پہلے بھی اس کا سبب بیان ہو چکا ہے اور آئندہ بھی بیان ہو گا۔

نیز دیلمیؒ نے اس کے طریق سے بیان کیا جیسا کہ ملا علی قاریؒ کی "موضوعات" ۳۰۹ میں ہے۔ اس وضاحت کے بعد امام سیوطیؒ کا قول عجیب دکھائی دیتا ہے جو "جزیل المواھب فی اختلافِ المذاہب" میں مذکور ہے کہ "اس حدیث سے کچھ فوائد مستنبط ہوتے ہیں مثلاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد فروعی مسائل میں مذاہب کے اختلاف کی خبر دی ہے۔ اس خبر کو تو آپؐ کا اعجاز کہنا چاہئے اس لئے کہ یہ غیب کی خبر ہے پھر آپؐ نے اختلاف پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا اور اس کو برقرار بھی رکھا جب کہ اختلاف کو رحمت قرار دیا اور مکلّفین کو اختیار دے دیا کہ وہ جس مذہب پر عمل کرنا چاہیں انہیں اجازت ہے۔"

ہم امام سیوطیؒ سے گزارش کرتے ہیں کہ حدیث سے فوائد مستنبط کرنے سے پہلے حدیث کو تو ثابت کریں اور امام سیوطیؒ نے مذاہب کے اختیار کرنے میں جو اجازت دی ہے وہ بالکل لغو ہے کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اختلاف مذہب کے جواز کی بات کرے اور عمل کرنے میں اسے اختیار حاصل ہو۔ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ مسلمان شرعی تکالیف سے آزاد ہے مزید تفصیل حدیث نمبر ۱۳ میں ملاحظہ فرمائیں۔ (اور اب عمرؓ بن خطاب کی طرف منسوب کردہ روایت ملاحظہ فرمائیں۔

۶۰ - سَأَلْتُ رَبِّيْ فِيْمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ أَصْحَابِيْ مِنْ بَعْدِيْ، فَأَوْحَى اللّٰهُ إِلَيَّ يَا مُحَمَّدُ! إِنَّ أَصْحَابَكَ عِنْدِيْ بِمَنْزِلَةِ النُّجُوْمِ فِي السَّمَآءِ، بَعْضُهَا أَضْوَأُ مِنْ بَعْضٍ، فَمَنْ أَخَذَ بِشَيْءٍ مِمَّا هُمْ عَلَيْهِ مِنْ اخْتِلَافِهِمْ! فَهُوَ عِنْدِيْ عَلٰى هُدًى.

میں نے اپنے پروردگار سے ان باتوں کے بارہ میں استفسار کیا جن میں میرے بعد میرے صحابہ کا اختلاف ہو گا تو اللہ پاک نے میری جانب وحی کی' اے محمدؐ! تیرے صحابہ میرے نزدیک آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں بعض ستارے دیگر بعض سے زیادہ روشن ہیں جو شخص ان کے مختلف اقوال میں سے کسی ایک کے قول کو قابل

عمل سمجھے گا وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے۔

تحقیق: یہ حدیث موضوع ہے' اس حدیث کو ابن بطہؒ نے "الابانہ" ۱۴۰/۳ میں اور خطیب بغدادیؒ نے اپنی کتاب میں اور نظام الملکؒ نے "الامالی" ۱/۳۱۱ میں اور الضیاءؒ نے "المنتقی عن مسموعاتہ بمرو" ۲/۳۱۱ میں اور ابن عساکرؒ ۳/۲۱۳ (سبکی) نے نعیم بن حماد کے طریق سے اس نے کہا کہ ہمیں عبدالرحیم بن زید العمی نے حدیث بیان کی اس نے اپنے والد سے اس نے سعیدؒ بن مسیب سے اس نے عمرؓ بن خطاب سے مرفوع بیان کیا۔

اس کی سند بناوٹی ہے' نعیم بن حماد راوی ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجرؒ کا قول ہے کہ وہ کثرت کے ساتھ خطا کرتا ہے اور عبدالرحیم بن زید العمی کذاب ہے پہلے بھی حدیث نمبر ۵۳ میں اس کا ذکر ہو چکا ہے اس سند کی اصل خرابی یہی ہے' نیز اس حدیث کو امام سیوطیؒ نے "الجامع الصغیر" میں سجزی کی روایت کے ساتھ "الابانہ" میں اور ابن عساکرؒ نے عمرؓ سے روایت کیا ہے اس کے شارح امام مناویؒ کا قول ہے کہ ابن جوزیؒ نے "العلل" میں تحریر کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے' نعیم راوی مجروح ہے اور ابن معینؒ نے عبدالرحیم کو کذاب کہا ہے اور "میزان" میں اس حدیث کو باطل کہا گیا ہے۔ پھر امام مناویؒ نے کہا ہے کہ مصنف کا انداز بظاہر پتہ دے رہا ہے کہ ابن عساکرؒ نے اس کو بیان کیا ہے اور خاموشی اختیار کی ہے جب کہ اصل حقیقت اس کے برعکس ہے اس لئے کہ اس نے اس کا ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ ابن سعدؒ نے زید العمی ابوالحواری کو حدیث میں ضعیف قرار دیا ہے۔

ابن عدیؒ کا قول ہے کہ اس کی بیشتر مرویات اور جن سے وہ روایت کرتا ہے ضعیف ہیں اور امام بیہقیؒ نے بھی اس حدیث کو عمرؓ سے ذکر کیا اور اس کی سند کو غایت درجہ ضعیف کہا ہے۔

میں کہتا ہوں: ابن عبدالبرؒ نے اس حدیث کو بزار سے ذکر کیا' اس نے اس حدیث میں کہا کہ اس قسم کا کلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔ اس حدیث کو عبدالرحیم بن زید العمی نے اپنے والد سے اس نے سعیدؒ بن مسیب سے اس نے عبداللہؓ بن عمرؓ سے اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا اور کبھی اس

حدیث کو عبدالرحیم نے اپنے والد سے اس نے عبداللہؓ بن عمرؓ سے روایت کیا (دونوں مقامات میں ابن عمرؓ ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مقام اول میں ابن کا لفظ ناقل کی جانب سے زائد ہے۔) خیال رہے کہ اس حدیث میں اصل ضعف عبدالرحیم بن زید کی وجہ سے ہے اس لئے کہ اہل علم اس کی حدیث کو بیان کر کے خاموش رہے ہیں اور اس قسم کا کلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ "تم نے میری اور میرے بعد میرے خلفاء راشدین کی سنت پر چلنا ہو گا۔ تم نے سنت کو دانتوں کے ساتھ مضبوط پکڑنا ہو گا۔" آپؐ کا یہ کلام عبدالرحیم سے مروی حدیث کے خلاف ہے اگر اس کا ثابت ہونا درست بھی تسلیم کر لیا جائے حالانکہ وہ ثابت نہیں ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد اپنے صحابہ میں اختلاف کو کیسے جائز قرار دے سکتے ہیں؟

پھر مزنی رحمہ اللہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے جو باتیں آپؐ سے نقل کی ہیں اور جن کاموں میں وہ موجود رہے ان میں تمام صحابہ کرامؓ امانت دار ہیں' قابلِ اعتماد ہیں کہ انہوں نے اس شریعت کو (امت تک) پہنچایا جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے اس کے علاوہ اس کا کوئی دوسرا مفہوم نہیں ہے لیکن جو باتیں انہوں نے اپنی رائے سے کہیں اگر حقیقت میں بھی وہ تمام درست ہیں تو کوئی صحابی دوسرے صحابی کو خطا کی طرف منسوب نہ کرتا اور نہ ایک دوسرے کے فعل پر گرفت کرتا اور نہ کوئی صحابی دوسرے صحابی کے قول کو تسلیم کرتا اور اپنی رائے سے دستبردار ہوتا۔

میں کہتا ہوں: حدیث کے الفاظ سے وہ مفہوم معلوم نہیں ہوتا جس کا ذکر مزنیؒ نے کیا ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے جو باتیں اپنی رائے سے کہی ہیں اس لحاظ سے حدیث کا مفہوم ہی خود ایسی دلیل ہے جو حدیث کو موضوع بنانے کے لئے کافی ہے اور یہ حدیث ہرگز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہے اس لئے کہ ہمارے لئے کیسے جائز ہے کہ ہم اس بات کا تصور کریں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اجازت عطا فرمائیں کہ ہم ہر ہر صحابی کی اقتداء کریں؟ جب کہ ان میں صاحب علم بھی ہیں' کچھ متوسط درجہ کے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جن کا درجہ ان سے کم

ہے لیکن ان میں تو ایسے بھی ہیں جن کا خیال ہے کہ اولے کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا اس کا ذکر حدیث نمبر ۴۳ میں آرہا ہے۔
اب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

۶۱ - اِنَّمَا اَصْحَابِیْ مَثَلُ النُّجُوْمِ، فَاَیُّهُمْ اَخَذْتُمْ بِقَوْلِهٖ! اِهْتَدَیْتُمْ.

بلاشبہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کے قول پر تم عمل کرو گے ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے۔

تحقیق: یہ حدیث موضوع ہے' ابن عبدالبرؒ نے اس حدیث کو معلق ذکر فرمایا ہے نیز ابن عبدالبرؒ سے ابن حزمؒ نے ابو شہاب حناط کے طریق سے اس نے حمزہ جزری سے اس نے نافعؒ سے اس نے ابن عمرؓ سے اس کو مرفوع ذکر کیا اور عبد بن حمید نے اس کو "المنتخب من المسند" ۳۴۔ میں موصول بیان کیا ہے مجھے احمد بن یونس نے خبر دی اس نے کہا کہ ہمیں یہ حدیث ابن شہاب نے بیان کی نیز اس حدیث کو ابن بطہؒ نے "الابانہ" ۳۱۵۔ میں ایک دوسرے طریق سے اس نے ابو شہاب سے حدیث بیان کی۔ ابن عبدالبرؒ نے حدیث کی سند کو غیر صحیح کہا ہے نیز اس نے کہا کہ اس حدیث کو نافعؒ سے ایسے راویوں نے بیان نہیں کیا جو قابل حجت ہوں۔
میں کہتا ہوں: اس حمزہ سے مراد ابن ابی حمزہ ہے امام دارقطنیؒ نے اس کو متروک کہا۔ ابن عدیؒ کا قول ہے کہ اس کی اکثر مرویات موضوع ہیں۔ ابن حبانؒ کا قول ہے کہ وہ ثقہ راویوں سے موضوعات بیان کرنے میں متفرد ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ قصداً ایسا کرتا ہے لہٰذا اس سے روایت کرنا درست نہیں چنانچہ امام ذہبیؒ نے "میزان" میں اس کی موضوعات کو ذکر کیا ہے اور یہ حدیث بھی اسی مجموعہ میں ہے۔
ابن حزمؒ ۳۱۶۔ فرماتے ہیں: یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے بلکہ اس کے جھوٹ ہونے میں ذرہ برابر شک نہیں ہے جب کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کا وصف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى ۳۱۷ـ"

وہ خواہش نفس سے نہیں بولتا اس کا بولنا وحی ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے۔

پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام کلام شریعت ہے اور وہ حق ہے اور ضروری ہے تو بلاشبہ وہ اللہ تعالٰی کی جانب سے ہے اور جو اللہ تعالٰی کی جانب سے ہے اس میں اختلاف ممکن نہیں ارشاد ربانی ہے۔

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا" ۳۱۸ـ

اگر یہ اللہ کے غیر سے ہوتا تو اس میں کثرت کے ساتھ اختلاف پاتے۔

نیز اللہ پاک نے فرقہ بندی اور اختلاف سے روکا ہے ارشادِ ربانی ہے۔

وَلَا تَنَازَعُوْا ۳۱۹ـ

(ترجمہ) تم جھگڑا نہ کرو۔

تو یہ بات ناممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہر صحابی کے قول کی پیروی کرنے کا حکم صادر فرمائیں جب کہ صحابہ کرامؓ میں سے بعض ایسے ہیں جو ایک چیز کو حلال کہتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو اسی کو حرام قرار دیتے ہیں اگر تمام صحابہ کرامؓ کی پیروی کرنا ضروری ہو تو پھر سمرہؓ بن جندب کی پیروی کرتے ہوئے شراب فروخت جائز ہو گی اور ابو طلحہؓ کی پیروی کرتے ہوئے روزہ دار کے لئے اولے کھانا جائز ہوں اور دیگر صحابہ کرامؓ کی پیروی کرتے ہوئے اس کے کھانے سے روزہ ٹوٹ جائے گا اور علی، عثمان، طلحہ، ابو ایوب اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کی اقتداء کرتے ہوئے عورت کے ساتھ جماع کرنے والا، جس کی منی خارج نہ ہو اس پر غسل واجب نہ ہوگا اور عائشہؓ، ابن عمرؓ کی اقتداء کرتے ہوئے غسل کرنا واجب ہوگا یہ سب اقوال ہم تک صحیح اسانید کے ساتھ پہنچے ہیں۔

بعدازاں حافظ ابن حزمؒ نے ان بعض خیالات کی وضاحت میں طوالت سے کام لیا ہے جو صحابہ کرامؓ کی طرف منسوب ہیں اور ان سے ان میں خطائیں سرزد ہوئیں خواہ آپؐ کی زندگی میں ایسا ہوا یا آپؐ کی زندگی کے بعد ان سے غلطیاں سرزد ہوئیں نیز ان کا قول ہے ۳۲۰ـ کہ ایسے لوگوں کو بھلا تقلید کیسے جائز ہو سکتی ہے جن کی آراء صائب بھی تھیں اور بعض اوقات ان کی آراء راہ صواب سے ہٹی ہوئی تھیں؟

اور اس سے قبل "اختلاف کی مذمت" کے باب ۳۲۱ھ کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں۔

ہمارے لئے بس ضروری ہے کہ ہم اس چیز کی پیروی کریں جس کو قرآن پاک نے اللہ کی جانب سے پیش کیا ہے اللہ تعالٰی نے ہمارے لئے دین اسلام کا انتخاب فرمایا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ان باتوں پر عمل کریں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحت کے ساتھ ثابت ہیں اس لئے کہ اللہ تعالٰی نے ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ آپؐ لوگوں کے سامنے اللہ تعالٰی کے دین کی وضاحت کریں اس سے معلوم ہوا کہ دین اسلام میں اختلاف کو کچھ اہمیت نہ دی جائے اور نہ اس کی طرف متوجہ ہوا جائے جب کہ کچھ لوگ غلطی پر ہیں جن کا کہنا ہے کہ اختلاف باعث رحمت ہے اور ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ "میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی تم اقتداء کرو گے ہدایت پاؤ گے۔" حافظ ابن حزمؒ نے اس حدیث کو باطل ثابت کیا ہے بلکہ اس کو جھوٹ کہا ہے۔ فاسق قسم کے لوگوں کی ریشہ دوانیوں سے اس قسم کی احادیث معاشرہ میں رواج پذیر ہوئیں۔ تحقیق کی روشنی میں ڈنکے کی چوٹ پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ یہ حدیث بلحاظ نقل کے صحیح نہیں ہے نیز یہ کیسے ممکن ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسی بات کا حکم دیں جس سے آپؐ نے منع فرمایا ہے چنانچہ ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع دی کہ ابو بکرؓ سے ایک چیز کی تفسیر میں غلطی ہوئی ہے اور عمرؓ کو آپؐ نے کذب کی جانب منسوب کیا جب انہوں نے ہجرت کے بارے میں تاویل کی اور ابو سنابل کو آپؐ نے غلطی کی طرف منسوب کیا جب اس نے عورت کی عدت کے بارے میں ایک فتوٰی دیا۔ اس لحاظ سے ممکن نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی جواز ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسی بات کی پیروی کا حکم فرمائیں جس کو آپؐ غلط کہہ چکے ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ غلط بات کا حکم فرما رہے ہیں۔ اللہ پاک اس سے بلند اور پاک ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس سے کوسوں دور ہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام خود فرمائیں کہ فلاں لوگوں سے غلطی

ہوئی ہے اور پھر امت کو ان خطاکار انسانوں کی پیروی کا حکم دیں البتہ صحابہ کرامؓ نے آپؐ سے جن روایات کو نقل فرمایا ان کی نقل میں عدم صحت کی گنجائش نہیں ہے اس لئے کہ اس سے کسی کو انکار نہیں کیونکہ تمام صحابہ کرامؓ ثقہ تھے ان میں سے جس صحابی سے آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نقل کر رہے ہیں اس میں غلطی نہیں ہے نقل کرنے والا انسان راہ ہدایت پر ہے (بشرطیکہ صحابی سے نیچے روایت کرنے والے محدثین کے اصولوں کے مطابق ثقہ ہوں ان پر جرح نہ کی گئی ہو) اس بات میں ہرگز شک کی گنجائش نہیں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سچی بات ہی نکلتی تھی کسی باطل یا غلط بات کی ہرگز گنجائش نہیں تو آپؐ کیسے صحابہ کرامؓ کی اطاعت کا حکم دے سکتے تھے؟ اور صحابہ کرامؓ کی ہر بات کو صائب قرار دینے والے' حدیث میں مذکور تشبیہ سے استدلال کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کو ستاروں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے لیکن یہ تشبیہ فاسد ہے اور اس میں بظاہر کذب ہے ظاہر ہے کہ جو شخص جدی ستارے کے مطلع کی جہت کا ارادہ کرے گا لیکن عملاً سرطان کے مطلع کی جانب روانہ ہو گا تو وہ صحیح راہ پر نہیں ہے بلکہ گمراہ ہے اور فاش غلطی کا مرتکب ہوا ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ بات کتنی واضح ہے کہ راستہ معلوم کرنے کے لئے تمام ستاروں سے راہنمائی حاصل نہیں کی جاتی اس لحاظ سے بھی تشبیہ باطل ہے اور حدیث کا جھوٹ ہونا بالکل واضح ہے اور اس کے ساقط الاعتبار ہونے میں ہرگز شک نہیں ہے۔

ابن حزمؒ کے قول کا خلاصہ ابن ملقنؒ نے "الخلاصہ" ۲۳۲ء میں نقل کیا ہے اور اس پر سکوت اختیار کیا ہے نیز حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے آخر میں ابن حزمؒ کا قول پیش کیا ہے کہ حدیث جھوٹی' موضوع' باطل اور ہرگز صحیح نہیں ہے۔ یہی حدیث دیگر الفاظ کے ساتھ مروی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

۶۲ - أَهْلُ بَيْتِي كَالنُّجُومِ، بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ! اِهْتَدَيْتُمْ.

میرے اہل بیت ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی تم اقتداء کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

تحقیق: یہ حدیث موضوع ہے' یہ حدیث احمد بن نبیط کذاب کے نسخہ میں ہے اور میں نے یہ نسخہ دیکھا ہے یہ نسخہ ابو نعیمؒ اصبہان کی روایت سے ہے۔ اس نے کہا کہ ہمیں ابو الحسن احمد بن قاسم بن الریان مصری ۲۲۳ نے جو اللکی کے ساتھ مشہور ہے بصرہ میں نہر "ذہبیں" کے قریب ماہ صفر ۳۵۷ھ میں اس پر نسخہ پڑھا جا رہا ہے اس نے اس کا اقرار کیا اس نے کہا کہ ہمیں احمد بن ابراہیم بن نبیط بن شریط ابو جعفر الجعی نے مصر میں ۲۷۲ھ میں روایت کیا اس نے کہا کہ مجھے میرے والد اسحاق بن ابراہیم بن نبیط نے حدیث بیان کی اس نے کہا کہ مجھے میرے والد ابراہیم بن نبیط نے اس نے اپنے دادا نبیط بن شریط سے مرفوع ذکر کیا۔

میں کہتا ہوں: اس نے بہت سی احادیث بیان کی ہیں یہ بھی اسی سے ہے ۳۲۴ اور امام ذہبیؒ نے اس نسخہ کے بارہ میں کہا ہے کہ اس میں خطرناک اور ہلاکت خیز باتیں ہیں۔ احمد بن اسحاق راوی اس لائق نہیں ہے کہ اس کے ساتھ حجت اختیار کرنا جائز ہو اس لئے کہ وہ کذاب ہے نیز حافظ ابن حجرؒ نے "لسان المیزان" میں اس کا اعتراف کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس سے روایت کرنے والا احمد بن قاسم کی راوی ضعیف ہے نیز اس حدیث کو ابن عراقؒ نے "تنزیہ الشریعہ" ۳۲۵ میں اصل کے بالتبع جو امام سیوطیؒ کی "ذیل احادیث الموضوعہ" ۳۲۶ ہے اسی طرح امام شوکانیؒ کی "الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ" ۳۲۷، "المختصر" سے نقل کیا ہے البتہ اس نسخہ میں نبیط کذاب کا لفظ ہے گویا کہ نسخہ سے لفظ "ابن" گر گیا ہے اور وہ احمد بن اسحاق ہے' اپنے دادا کی طرف منسوب ہے وگرنہ نبیط تو صحابی ہے۔

۶۳ - اِنَّ الْبَرَدَ لَيْسَ بِطَعَامٍ وَلَا بِشَرَابٍ.

بلاشبہ اولے نہ تو خوراک ہیں اور نہ ہی مشروب ہیں۔

تحقیق: یہ حدیث منکر ہے' اس حدیث کو امام طحاویؒ نے مشکل الآثار ۳۲۸ میں اور ابو یعلیؒ نے "مسند" ۳۲۹ میں اور السلفیؒ نے "الطیوریات" ۳۳۰ میں اور

ابن عساکر ۳۳۱ نے علی بن زید بن جدعان کے طریق سے اس نے انسؓ سے بیان کیا کہ بارش کے ساتھ آسمان سے اولے برسے۔ ابو طلحہؓ نے ہمیں کہا، مجھے اولے اٹھا کر دو چنانچہ اس نے اولے کھانے شروع کر دیئے جب کہ وہ رمضان المبارک میں روزے سے تھا۔ میں نے ان سے دریافت کیا، آپ روزہ دار ہو کر اولے کھا رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا، یہ برف ہے جو آسمان سے نازل ہوئی ہے ہم اس کو تناول کر کے اپنے پیٹوں کو پاک کر رہے ہیں نہ یہ خوراک ہے نہ مشروب۔ اس کے بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے آپؐ کو سارا واقعہ کہہ سنایا۔ آپؐ نے فرمایا، اس حدیث کو اپنے چچا سے حاصل کرو (اور اس پر عمل کرو)

میں کہتا ہوں: اس کی سند بھی ضعیف ہے نیز علی بن زید بن جدعان راوی ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے "تقریب" میں اس کو ضعیف کہا ہے اور شعبہ بن حجاج نے کہا ہے کہ ہمیں علی بن زید نے حدیث بیان کی لیکن وہ خطا کر جاتا ہے، موقوف احادیث کو مرفوع کہہ دیتا ہے پس اس حدیث کی اصل علت یہ ہے کہ ثقہ راویوں نے اس حدیث کو انسؓ سے طلحہؓ پر موقوف بیان کیا ہے لیکن علی بن زید نے اس کو مرفوع بیان کر کے غلطی کی ہے۔ پس اس حدیث کو مرفوع کہنا منکر ہے اس حدیث کو احمدؒ ۳۳۲ نے اور ابن عساکرؒ ۳۳۳ نے شعبہ کے طریق سے اس نے قتادہؒ اور حمیدؒ سے اس نے انسؓ سے انہوں نے بیان کیا کہ ہم پر اولوں کی بارش ہوئی جب کہ ابو طلحہؓ روزے سے تھے وہ اولے کھانے لگے اس پر اعتراض کیا گیا کہ آپ روزہ دار ہو کر اولے تناول کر رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا، ان کا تناول کرنا برکت ہے اس حدیث کی سند بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے نیز ابن حزمؒ نے "الاحکام" ۳۳۴ میں اس کو صحیح کہا ہے اور امام طحاویؒ نے خالد بن قیس کے طریق سے اس کو روایت کیا ہے اس نے قتادہ سے روایت کیا اور یہ حدیث حماد بن سلمہ کے طریق سے بھی ہے اس نے ثابت سے روایت کیا دونوں نے انسؓ سے اس کی مثل روایت کی اور بزارؒ نے موقوفاً ذکر کیا اس میں زائد الفاظ ہیں کہ میں نے اس حدیث کا سعیدؒ بن مسیّب سے تذکرہ کیا انہوں نے اس حدیث پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور بیان کیا کہ اولوں کے استعمال سے پیاس ختم ہو جاتی ہے۔ بزارؒ نے بیان کیا کہ ہمیں ابو طلحہؓ کے

اس عمل کا ابو طلحہؓ کے علاوہ دیگر کسی اور کے بارہ میں علم نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ یہ حدیث موقوف ہے اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں ہے۔ ابن جدعانؒ نے اس کو مرفوع کہہ کر خطا کی ہے چنانچہ امام طحاویؒ نے یہ بات وثوق سے کہی ہے۔ نیز اس حدیث کو امام ہیثمیؒ نے "المجمع" ۳۳۵ـ میں مرفوع ذکر کیا ہے نیز بیان کیا کہ اس حدیث کو ابو یعلیؒ نے روایت کیا ہے اس کی سند میں علی بن زید راوی متکلم فیہ ہے اور کبھی اس کی توثیق بھی کی گئی ہے اور اس کے دیگر رواۃ صحیح کے رواۃ ہیں نیز اس حدیث کو امام سیوطیؒ نے "ذیل الاحادیث الموضوعہ" ۳۳۶ـ میں دیلمیؒ کی روایت سے ایسی سند کے ساتھ بیان کیا ہے جس میں وہ تمام رواۃ کے بارہ میں کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کانوں کی سماعت ختم کر دے اگر میں نے یہ حدیث فلاں سے نہ سنی ہو جب کہ ابن عراقؒ نے "تنزیہ الشریعہ" ۳۳۷ـ میں اس کو موضوع کہا ہے اور حافظ ابن حجرؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے "المطالب العالیہ" میں اس کی سند کو ضعیف کہا ہے اور کلام کرتے ہوئے آخر میں کہا ہے کہ شائد امام سیوطیؒ کا مقصود یہ ہے کہ حدیث اس زیادتی کے ساتھ تسلسل کے لحاظ سے موضوع ہے" مطلقاً موضوع نہیں ہے (واللہ اعلم)

میں کہتا ہوں: یہ موقوف حدیث بھی ایک دلیل ہے جس میں متقدم حدیث باطل قرار دی جا رہی ہے متقدم حدیث سے مراد درج ذیل حدیث ہے۔

- اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ، بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ؛ اِهْتَدَیْتُمْ.

ظاہر ہے کہ اگر متقدم حدیث کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو جو شخص رمضان المبارک میں روزے کے ساتھ اولے کھاتا ہے اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا اس لئے کہ وہ ابو طلحہؓ کی اقتداء کر رہا ہے۔ میرے خیال میں یہ ایسی بات ہے کہ آج کے دور میں اس قسم کی بات کوئی مسلمان نہیں کہہ سکتا۔

۶۴ - نِعْمَ اَوْ نِعْمَتِ الْاُضْحِیَةُ الْجَذَعُ مِنَ الضَّاْنِ.

بھیڑ کے ایک دانت والا جانور اچھی قربانی ہے۔

تحقیق: یہ حدیث ضعیف ہے، اس کو امام ترمذیؒ ۳۳۸ـ، امام بیہقیؒ ۳۳۹ـ اور امام

احمد ۳۴۰؎ عثمان بن واقد کے طریق سے لائے ہیں اس نے کدام بن عبدالرحمان سے اس نے ابو کباش سے روایت کیا اس نے بیان کیا کہ میں ایک سالہ بکری کے بچے کو مدینہ الرسول لے گیا لیکن اس کی خرید کی جانب عدم توجہی سے مجھے پریشانی لاحق ہوئی (یعنی کوئی خریدار نہ ملا) چنانچہ میں ابو ہریرہؓ سے ملا' میں نے ان سے دریافت کیا؟ انہوں نے کہا' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپؐ نے اس کو اچھی قربانی فرمایا (حدیث متقدم کو ذکر کیا) وہ بیان کرتا ہے اس پر لوگوں نے (میرے ایک سالہ بکری کے بچے سمیت دوسرے) جانوروں کو لوٹ لیا۔ امام ترمذیؒ کا قول ہے کہ یہ حدیث غریب یعنی ضعیف ہے اس لئے حافظ ابن حجرؒ نے "فتح الباری" ۳۴۱؎ میں بیان کیا ہے کہ اس کی سند میں ضعف ہے اور ابن حزمؒ نے اس حدیث کی علت بیان کرتے ہوئے "المحلّٰی" ۳۴۲؎ میں کہا ہے کہ عثمان بن واقد راوی مجہول ہے اور کدام بن عبدالرحمٰن راوی کے بارہ میں ہمیں کچھ علم نہیں کہ وہ کون ہے؟ اس نے ابو کباش سے ذکر کیا ہے۔

ابو کباش وہ شخص ہے جو ایک سال کے بھیڑ کے بچے کو مدینۃالرسول لایا تھا بازار میں اس کا مال فروخت نہیں ہو رہا تھا۔ اس کی (بیان کردہ) حدیث کے صریح الفاظ یہی ہیں اور اس میں یہ بھی ہے کہ ابو کباش کو لایا گیا اور آپ کو کیا معلوم کہ ابو کباش کون ہے؟ جو اللہ چاہتا ہے ہوتا ہے گویا کہ اس حدیث کی بنا پر ابو کباش کو متہم کر رہا تھا اور یہ راوی مجہول ہے جیسا کہ اس سے روایت کرنے والا کدام راوی مجہول ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے "تقریب" میں اس کی وضاحت کی ہے البتہ عثمان بن واقد راوی مجہول نہیں ہے اس کو ابن معینؒ اور دیگر ائمہ جرح نے ثقہ قرار دیا ہے لیکن ابو داؤد نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ ہاں! اس حدیث میں ایک اور علت بھی ہے کہ حدیث موقوف ہے چنانچہ امام بیہقیؒ نے حدیث بیان کرنے کے بعد وضاحت کی ہے کہ مجھے یہ حدیث امام ترمذیؒ سے پہنچی ہے۔ انہوں نے امام بخاریؒ کا قول نقل کیا ہے کہ اس حدیث کو عثمان بن واقد کے علاوہ کسی اور نے بھی ابو ہریرہؓ سے موقوف روایت کیا ہے۔

اس حدیث کا ایک اور طریق ہے اس میں ہے کہ جبرئیل علیہ السّلام عیدالاضحیٰ

کے روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور استفسار کیا کہ قربانیوں کے بارہ میں آپ کیا رائے رکھتے ہیں؟ پھر خود ہی فرمایا' قربانیوں پر تو آسمان میں رہنے والے بھی فخر کرتے ہیں۔ اے محمدؐ! آپ سمجھ لیں کہ بھیڑ کا ایک سال کا بچہ اونٹ اور گائے کے دو دانت والے جانور سے افضل ہے اگر اللہ پاک کے ہاں اس سے بہتر کوئی قربانی ہوتی تو ابراہیم علیہ السلام کے فدیہ میں وہ جانور آتا۔

اس حدیث کی سند میں اسحاق بن ابراہیم حنینی ہے اس کے بارے میں امام بیہقیؒ کا قول ہے کہ وہ متفرد ہے اور اس کی حدیث میں ضعف ہے۔

میں کہتا ہوں: اس راوی کے ضعف پر تو اتفاق ہے عقیلیؒ نے اس کا ذکر "ضعفاء" میں کیا ہے۔ نیز اس کی حدیث پیش کی ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کا کچھ اصل نہیں ہے بعدازاں اس حدیث کو ذکر کیا ہے اس کے بعد کہا ہے کہ یہ حدیث زیاد بن میمون سے مروی ہے اور وہ کذب بیانی سے کام لیتا تھا اس نے انسؓ سے حدیث کو روایت کیا اور سب سے زیادہ کمزور تعاقب وہ ہے جو ابن ترکمانی نے امام بیہقیؒ کا متقدم قول ذکر کر کے کیا ہے کہ امام حاکمؒ نے اس حدیث کو اسحاق مذکور کے طریق سے "مستدرک" میں بیان کیا ہے اور سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: جس شخص کو اس علم کے بارے میں معلومات ہیں وہ خوب جانتا ہے کہ امام حاکمؒ ثقہ اور صحیح قرار دینے میں متساہل ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کی رائے کی طرف توجہ نہیں کی جاتی بالخصوص جب وہ دوسرے ائمہ جرح و تعدیل کی مخالفت کریں اسی بنا پر امام ذہبیؒ نے اپنی تالیف "تلخیص" میں اس کو صحیح قرار نہیں دیا ہے بلکہ کہا ہے ۲۲۳۔ کہ اسحاق راوی تباہی کے کنارے پر ہے اور ہشام راوی بھی قابل اعتماد نہیں ہے۔

ابن عدیؒ کا قول ہے کہ باوجود اس کے ضعف کے اس کی احادیث کو تحریر کیا جائے اور یہ وضاحت ابن ترکمانی جیسے انسان پر مخفی نہیں رہنی چاہئے لیکن مذہبی عصبیت اس پر غالب ہے اس لئے کہ اس حدیث سے قربانی میں بھیڑ کا ایک سالہ جانور (ذبح کرنا) درست ہے اور حنفیہ کا بھی یہی مذہب ہے اور ابن ترکمانی بھی حنفی ہے اور جب اس مسئلہ میں پیش کی جانے والی احادیث ضعیف ہیں' قابل حجت نہیں

ہیں تو ابنِ ترکمانی نے مناسب سمجھا کہ بعض احادیث کو امام حاکمؒ کی تصحیح پر اعتماد کرتے ہوئے قوی قرار دے لیکن اگر امام حاکمؒ کا کسی حدیث کو صحیح کہنا اس کی مذہبی عصبیت اور خواہش کے خلاف ہے تو بڑی عجلت کے ساتھ اس کا رد کرنا شروع کرے گا اور ہم نے جو امام حاکمؒ کا تساہل پیش کیا ہے اس کے ذریعہ اس حدیث کا انکار کر دے گا۔ اس قسم کے جیّد عالم میں یہ بہت بڑا عیب ہے۔ ہمارے علم میں اس کی مثالیں کثرت کے ساتھ موجود ہیں لیکن ان کا ذکر کرنے میں ہم کچھ زیادہ فائدہ محسوس نہیں کرتے ہیں نیز وہ احادیث جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

۶۵- يَجُوْزُ الْجَذَعُ مِنَ الضَّانِ أُضْحِيَةً.

بھیڑ کا ایک سالہ بچہ قربانی کے لئے جائز ہے۔

تحقیق: یہ حدیث ضعیف ہے' اس حدیث کو ابن ماجہؒ ۳۴۳۔' امام بیہقیؒ ۳۴۴۔ اور امام احمدؒ نے محمد بن ابی یحییٰ کے طریق سے جو اسلمی لوگوں کا غلام ہے اس نے اپنی والدہ سے اس نے ام بلال بنت ہلال سے اس نے اپنے والد سے مرفوع بیان کیا کہ یہ سند ام محمد بن ابی یحییٰ کی وجہ سے ضعیف ہے اس لئے کہ وہ مجہول ہے۔ ابن حزمؒ ۳۴۵۔ نے ذکر کیا کہ ام بلال مجہول ہے اور ہمیں معلوم نہیں کہ اس کا شمار صحابیات سے ہے یا نہیں۔

سندھی نے دمیری کا قول نقل کیا ہے کہ ابن حزمؒ کی پہلی بات تو درست ہے لیکن دوسری بات غلط ہے اس لئے کہ ابن مندہؒ' ابو نعیمؒ اور ابن عبدالبرؒ نے امّ بلال کو صحابیات میں ذکر کیا ہے نیز "میزان" میں امام ذہبیؒ کا قول ہے کہ ام بلال معروف نہیں ہے اور عجلیؒ نے اس کو ثقہ کہا ہے۔

میں کہتا ہوں: ابن حزمؒ کا تبصرہ درست ہے اس لئے کہ اس حدیث کے علاوہ کسی دوسری حدیث کی سند میں اس کا ذکر نہیں ہے اور اس میں بھی اس کے صحابیہ ہونے کی وضاحت نہیں ہے۔ پس اس تک سند پہنچانے میں جہالت ہے جیسا کہ آپ معلوم کر چکے ہیں تو اس کے صحابیہ ہونے کا ثبوت کیسے ہے؟ ہاں! یہ بات عجیب و غریب ہے کہ امام زیلعیؒ ۳۴۶۔ نے "نصب الرایہ" میں اس حدیث پر خاموشی اختیار

کی ہے حالانکہ حدیث کا ضعیف ہونا ثابت ہے۔

اس مسئلہ میں متعدد احادیث ہیں جن کو ابن حزمؒ نے "المحلّٰی" ۳۴۷ء میں ذکر کیا ہے اور سب کو ضعیف کہا ہے اس کا ان کو ضعیف قرار دینا درست ہے البتہ عقبہ بن عامر سے مروی حدیث کو ضعیف کہنا درست نہیں جس کو امام نسائیؒ ۳۴۸ء اور امام بیہقیؒ ۳۴۹ء نے بکیر بن اشج کے طریق سے روایت کیا ہے۔ اس نے معاذ بن عبداللہ بن خبیب سے اس نے عقبہؓ بن عامر سے اس نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں بھیڑ کے ایک سالہ بچے کی قربانی کی۔ اس حدیث کی سند جیّد ہے راوی ثقہ ہیں لیکن ابن حزمؒ نے اس حدیث کو معلول قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ ابن خبیب مجہول راوی ہے نیز غیرمقبول ہے اور معاذ راوی کو ابن حسین' ابوداؤد اور ابن حبان نے ثقہ کہا ہے اور امام دارقطنیؒ کا قول ہے کہ وہ قوی نہیں ہے اسی لئے حافظ ابن حجرؒ نے "فتح الباری" میں اس حدیث کی نسبت امام نسائیؒ کی طرف کرتے ہوئے اس کی سند کو قوی قرار دیا ہے لیکن امام احمدؒ ۳۵۰ء نے اس حدیث کو اسامہؓ بن زید کے طریق سے اس نے معاذؓ نے ان الفاظ کے ساتھ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھیڑ کے ایک سالہ بچے کی قربانی کے بارے میں دریافت کیا؟ آپؐ نے اس کی قربانی کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا کہ کچھ حرج نہیں ہے۔ اس حدیث کی سند حسن ہے اور یہ اول حدیث کے خلاف ہے کہ وہ مطلق تھی اور یہ بھیڑ کے ایک سالہ بچے کے لئے خاص ہے اور مطلق حدیث کے لحاظ سے بکری کا ایک سالہ بچہ بھی مراد لیا جا سکتا ہے لیکن یہ خصوصیت عقبہؓ کے لئے ہے ایک دوسری حدیث میں عقبہؓ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کے درمیان قربانی کے جانور تقسیم فرمائے عقبہؓ کے حصہ میں بھیڑ کا ایک سالہ بچہ آیا اس نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! میرے حصہ میں تو بھیڑ کا ایک سالہ بچہ ہی آیا ہے (اور ایک روایت میں ہے کہ بکری کا ایک سالہ بچہ ہے) آپؐ نے فرمایا' تو اس کی قربانی کر دے اس حدیث کو امام بخاریؒ ۳۵۱ء اور امام بیہقیؒ ۳۵۲ء نے روایت کیا ہے۔ "سنن بیہقی" میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ آپؐ نے عقبہؓ سے کہا کہ اس کے بعد بھیڑ کے ایک سالہ بچے کی قربانی کرنے کی کسی کو اجازت نہیں ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ مطلق کو صرف بھیڑ کے ایک سالہ بچے کی قربانی پر محمول کیا جائے اس کی دلیل اسامہؒ کی حدیث ہے اسی بنیاد پر احتمال ہے کہ یہ بھی اسی کی خصوصیت ہو یا عذر کی وجہ سے اجازت حاصل ہوئی ہو کہ دو دانت والے جانور دستیاب نہ تھے اور ان کے دام بھی زیادہ تھے یہ توجیہ اَقرب الی الصواب ہے۔ اس کی دلیل عاصم بن کلیب سے مروی حدیث ہے اس نے اپنے والد سے بیان کیا اس نے ذکر کیا کہ لڑائیوں میں ہم پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کو امیر بنایا جاتا تھا چنانچہ ہم ملک فارس میں تھے قربانی کے دن دو دانت والے بھیڑ کے بچے گراں تھے تو ہم نے ایک سالہ دو اور تین بچوں کے بدلے میں دو دانت والے جانور لئے تھے (اس پر) مزینہ قبیلہ کے ایک شخص نے ذکر کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں تھے اتفاق سے قربانی کا دن آگیا تو ہم بھیڑ کے ایک سالہ دو بچوں یا تین کے عوض دو دانت والا جانور لیتے تھے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ایک سالہ بچہ بھی قربانی کے لئے درست ہے جیسا کہ دو دانت والا درست ہے اس حدیث کو امام نسائیؒ ۳۵۳ـ' امام حاکمؒ اور امام احمدؒ ۳۵۴ـ نے روایت کیا ہے۔ امام حاکمؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا۔ امام حاکمؒ کا صحیح قرار دینا درست ہے۔ ابن حزمؒ ۳۵۵ـ نے اس حدیث کو غایت درجہ صحیح قرار دیا ہے۔ نیز اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ ۳۵۶ـ' ابن ماجہؒ ۳۵۷ـ' اور امام بیہقیؒ ۳۵۸ـ نے اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ان کی روایت میں صحابی کا نام مجاشع بن مسعود سلمی ہے اور وہ امام حاکمؒ کی روایت میں ہے۔

اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ بھیڑ کا ایک سالہ بچہ قربانی کے لئے' اس وقت درست ہے جب دو دانت والے جانور گراں قیمت کے ہوں اور ان کا دستیاب ہونا مشکل ہو اس کی تائید ابوالزبیر کی حدیث سے ہو رہی ہے جو جابرؓ سے مرفوع مروی ہے کہ تم قربانی کے لئے وہ جانور ذبح کرو جو دو دانت والا ہو اگر دو دانت والے جانور کا دستیاب ہونا مشکل ہو تو بھیڑ کا ایک سالہ جانور ذبح کر سکتے ہو اس حدیث کو امام مسلمؒ ۳۵۹ـ اور امام ابوداؤدؒ ۳۶۰ـ نے ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے "فتح الباری" میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں باب کے تحت ذکر کردہ احادیث صحیح نہیں ہیں اسی طرح ان کی ہم معنی احادیث بھی صحیح نہیں ہیں لیکن جابرؓ اور عاصمؓ بن کلیب کی احادیث ان کے خلاف ہیں پس ان پر عمل کرنا ضروری ہے اور باب کے ضمن میں ذکر کردہ احادیث کی وجہ سے جابرؓ اور عاصمؓ کی احادیث کی تاویل کرنا صحیح نہیں اس لئے کہ یہ احادیث صحیح ہیں اور ان کی مخالف ضعیف ہیں۔

وضاحت: اہلِ لغت اور جمہور اہلِ علم کے نزدیک امام شوکانیؒ اور دیگر محدثین کی وضاحت کی روشنی میں "مسنّہ" اونٹ، گائے، بکری اور دیگر جانوروں میں سے دو دانت والے کو کہتے ہیں۔ خیال رہے کہ بکری، گائے اور دیگر جانور تب دو دانت والے ہوتے ہیں جب وہ تیسرے سال میں داخل ہو جائیں اور اونٹ جب چھٹے سال میں داخل ہو جائے اور زیادہ مشہور یہی ہے کہ بھیڑ کا جذع جو پورے ایک سال کا ہو "مُسنّہ" میں داخل ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ: تقریباً پانچ سال گزر چکے ہیں جب میں نے اس مسئلہ کی تحقیق کی اور مطالعہ کی روشنی میں جو فیصلہ کیا آپ نے اس کو ملاحظہ فرما لیا ہے۔ میری تحقیق کا محور اور میرے اعتماد کی بنیاد "مسلم" کی روایت تھی (جو جابرؓ سے مروی ہے) اور جابرؓ سے ابوالزبیر روایت کرتے ہیں جب کہ حافظ ابن حجرؒ نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے پھر مجھے اپنے وہم کا احساس ہوا کہ جس حدیث کو میں نے حافظ ابن حجرؒ کے صحیح کہنے پر اور اس لئے کہ امام مسلمؒ نے اس کو صحیح میں داخل کیا ہے صحیح تحریر کر دیا ہے حالانکہ جابرؓ کی حدیث تو اس لائق ہے کہ اس کو احادیثِ ضعیف کے مجموعہ میں شامل کیا جائے اور یہ ہرگز مناسب نہیں کہ اس کی وجہ سے صحیح احادیث کی تاویل کی جائے اس کا سبب یہ ہے کہ جابرؓ سے روایت کرنے والا راوی ابوالزبیر مدلس ہے اور اس نے لفظ "عن" کے ساتھ روایت کیا ہے جب کہ اصول حدیث کی کتابوں میں یہ بات مسلم ہے کہ مدلس راوی کی حدیث استدلال کے لائق نہیں ہوتی جب کہ مدلس راوی صراحتاً "حدثنا" وغیرہ کے الفاظ نہ لائے اور ابوالزبیر نے اس حدیث میں لفظ "عن" کے ساتھ روایت کیا ہے تصریح موجود نہیں ہے اسی وجہ سے محققین اہل

علم نے ان احادیث پر تنقید کی ہے جن کو ابوالزبیر اس سند کے ساتھ روایت کرتا ہے جو "مسلم" میں ہے البتہ ابوالزبیر سے اگر لیث بن سعد روایت کرتا ہے تو وہ تنقید کے لائق نہیں اس لئے کہ لیث بن سعد نے ابوالزبیر سے وہی احادیث روایت کی ہیں جن میں صراحتاً "حدثنا" کے ساتھ روایت ہے۔ امام ذہبیؒ نے ابوالزبیر کے حالات بیان کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ ابوالزبیر کا نام محمد بن مسلم بن تدرس ہے اس سے پہلے بعض ان ائمہ کا ذکر ہے جنھوں نے ان کے مطاعن بیان کئے ہیں لیکن ایسے مطاعن نہیں ہیں جن سے ان کی عدالت مجروح ہوتی ہو۔

اور حافظ ابن حزمؒ ابوالزبیر کی مروی ان احادیث کا انکار کرتے ہیں جن میں وہ "عن جابر" کہتا ہے یعنی لفظ "عن" استعمال کرتا ہے اس لئے کہ ابوالزبیر راوی محدثین کے ہاں مدلس ہے جب وہ سَمِعْتُ یا اَخْبَرَنَا کا صیغہ استعمال کرے تو اس کی حدیث حجت ہے لیکن ابن حزمؒ اس کی ان روایات کو بھی حجت سمجھتے ہیں جن میں لفظ "عن" ہے جب کہ ابوالزبیر سے خاص طور پر لیث بن سعد بیان کرے اس کا سبب یہ ہے کہ سعید بن مریم نے لیث سے حدیث بیان کرتے ہوئے "حدثنا اللیث" کا صیغہ استعمال کیا اور لیث نے کہا کہ میں ابوالزبیر کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے مجھے دو کتابیں عنایت کیں میں ان کو اپنے ساتھ لے گیا پھر میرے دل میں خیال آیا کاش! میں اس کی خدمت میں دوبارہ حاضری دوں اور اس سے استفسار کروں کہ کیا اس نے ان کو جابر سے سنا ہے؟ چنانچہ میں نے اس سے دریافت کیا۔ اس نے جواب دیتے ہوئے کہا' ان میں سے بعض ایسی احادیث ہیں جن کو میں نے اس سے سنا ہے اور بعض وہ ہیں جو میں نے اس پر پڑھیں۔ لیث کہتے ہیں کہ میں نے ابوالزبیر سے کہا' آپ ان احادیث پر نشان لگائیں جن کو آپ نے جابرؓ سے سنا ہے تو اس نے ان احادیث پر نشان لگایا جو میرے پاس ہیں۔

نیز میں نے بیان کیا کہ "صحیح مسلم" میں بہت سی ایسی احادیث ہیں جن میں ابوالزبیر راوی نے جابرؓ سے حدیث بیان کرتے وقت اس سے سننے کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی وہ احادیث ابوالزبیر سے لیث کے طریق سے ہیں ان احادیث کے بارے میں قلب کو اطمینان حاصل نہیں ہے۔

نیز حافظ ابن حجرؒ نے "التقریب" میں ابو الزبیر کے حالات کے ضمن میں اس کو "صدوق" کہا ہے اس کے ساتھ ساتھ اس کو "مدلس" بھی کہا ہے اور "طبقات المدلسین" ۲۱۶ میں اس کو تیسرے طبقہ میں داخل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ راوی تدلیس کرنے میں شہرت یافتہ ہے اور امام حاکمؒ نے "علوم الحدیث" میں وہم کیا ہے جب کہ ابو الزبیر کی سند کے بارے میں کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں رواۃ ایسے ہیں جو تدلیس کے ساتھ مشہور نہیں ہیں جب کہ امام نسائیؒ اور دیگر محدثین نے اس کو تدلیس کے ساتھ موصوف کیا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے کتاب کے مقدمہ میں تدلیس کے مراتب کی شرح بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ تیسرا طبقہ وہ ہے جو کثرت کے ساتھ تدلیس کرتا ہے چنانچہ ائمہ نے صرف ان احادیث کو قابل حجت سمجھا ہے جن میں انہوں نے سماع کی صراحت کی ہے جب کہ بعض ائمہ نے ان سے مروی احادیث کو مطلق طور پر رد کر دیا ہے اور بعض ائمہ ایسے بھی ہیں جنہوں نے ان کی احادیث کو قبول کر لیا ہے جیسا کہ ابو الزبیر کی ہیں۔

میں کہتا ہوں : پہلا مذہب صحیح ہے یعنی ان مدلسین کی روایات قبول ہوں گی جن میں حدیث سننے کی صراحت موجود ہے جمہور محدثین کا یہی مذہب ہے لیکن حافظ ابن حزمؒ کا مسلک ان کے خلاف ہے وہ مدلسین کی روایات کو مطلق طور پر رد کرنے کے قائل ہیں اگرچہ وہ صراحتاً لفظ "حدثنا" کے ساتھ روایت کیوں نہ بیان کریں جیسا کہ انہوں نے "الاحکام فی اصول الاحکام" کے شروع میں میری دانست کے مطابق اس کا ذکر کیا ہے سردست کتاب میرے پاس نہیں ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ حافظ ابن حزمؒ نے خاص طور پر ابو الزبیر راوی کے بارے میں متضاد راستہ اختیار کیا ہے میں نے امام ذہبیؒ کا جو کلام ابھی نقل کیا ہے اس سے آپ نے معلوم کر لیا ہوگا کہ ابن حزمؒ ابو الزبیر کی حدیث کو اس وقت قابل حجت سمجھتے ہیں جب وہ "سمعت" کے صیغہ کے ساتھ بیان کرے اور اس حدیث میں یہ صیغہ صراحت کے ساتھ مذکور ہے "المحلّٰی" ۳۶۲ میں اپنے مخالفین کا رد کرتے ہوئے حافظ ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ان لوگوں کے خلاف حجت ہے جو میرے نظریہ کے خلاف نظریہ رکھتے ہیں اس لئے کہ

وہ بھیڑ کے ایک سالہ جانور کی قربانی کے جواز کے قائل ہیں اگرچہ دو دانت والا دستیاب ہو لہٰذا یہ لوگ حدیث کی مخالفت کر رہے ہیں جب کہ حدیث کو صحیح بھی کہتے ہیں لیکن ہم اس حدیث کو صحیح نہیں سمجھتے اس لئے کہ ابوالزبیر راوی مدلس ہے جب تک وہ حدیث میں یہ نہ کہے کہ اس نے جابرؓ سے سنا ہے (اس نے خود اس کا اقرار کیا ہے) ہمیں اس کی روایات لیث راوی کے طریق سے حاصل ہوئی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر حدیث جس کو ابوالزبیر جابرؓ سے یا کسی اور سے صیغہ "عن" وغیرہ کے ساتھ روایت کرے اور ابوالزبیر سے روایت کرنے والا لیث راوی نہ ہو تو اس میں استدلال سے توقف اختیار کیا جائے جب تک کہ اس کا اس سے سماع ثابت نہ ہو یا ہمیں اس کا کوئی شاہد نہ مل جائے جس سے اس کی تقویت ہوتی ہو۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا علم ہر ایسے شخص کو ہونا ضروری ہے جو حقائق سے محبت رکھتا ہے جہاں تک عوام الناس کا مسئلہ ہے وہ عموماً حقائق سے بے خبر ہوتے ہیں میں بھی ان میں شمار ہوتا ہوں لیکن مجھ پر اللہ کا خاص فضل ہوا کہ مجھے حقیقت سے آگاہی حاصل ہوئی پس اللہ ہی کی تعریف کرتا ہوں اور اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں دراصل میرے لئے ضروری تھا کہ قارئین کو اصل حقیقت سے آگاہ کیا جائے چنانچہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے (واللہ الموفق لا رب سواہ)

جب اس حقیقت سے آپ کو آگاہی حاصل ہو گئی ہے تو غور فرمائیں کہ میں نے جابرؓ کی اس مذکورہ حدیث سے قبل دو احادیث ذکر کی ہیں جو بھیڑ کے ایک سالہ بچے کی قربانی کو ثابت کر رہی ہیں ایک حدیث عقبہؓ بن عامر سے مروی ہے جب کہ دوسری حدیث مجاشع بن مسعود سلمیؓ سے مروی ہے اور اس میں مذکور ہے کہ بھیڑ کا ایک سالہ بچہ قربانی میں کفایت کرتا ہے جیسا کہ دو دانت والا کافی ہو جاتا ہے اور میں ان دونوں احادیث کی ان کے ظاہر کے خلاف تاویل کرتا رہا تاکہ ان دونوں احادیث اور جابرؓ کی حدیث کے درمیان جو تفاوت ہے دور ہو جائے اور ان میں تطبیق ہو جائے لیکن جب جابرؓ سے مروی حدیث کا ضعف ثابت ہوا اور یہ کہ وہ استدلال کے لائق نہیں ہے اور تاویل کے ساتھ بھی اس کی صحت ثابت نہیں ہوتی تو میں نے جابرؓ کی حدیث سے روگردانی کی اور ان دو احادیث کو اپنے سامنے رکھا جو خاص طور پر بھیڑ

کے ایک سالہ بچے کی قربانی کے جائز ہونے پر ظاہراً دلالت کر رہی تھیں اور مجاشع سے مروی حدیث اگرچہ عمومیّت کے لحاظ سے بکری کے ایک سالہ بچے کو بھی شامل ہے لیکن ایک ایسی دلیل موجود ہے جو اس کی نفی کرتی ہے اور وہ براء راوی سے مروی حدیث ہے براء بیان کرتے ہیں کہ میرے ماموں ابوبردہؓ نے عید کی نماز سے قبل قربانی ذبح کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' یہ (قربانی نہیں) گوشت کھانے کے لئے بکری ذبح کی گئی ہے۔ ابوبردہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اور مخاطب ہوا اے اللہ کے رسول! میرے پاس بکری کا ایک سالہ بچہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا' اس کی قربانی کر دے لیکن تیرے علاوہ کسی شخص سے کفایت نہیں کرے گی۔ ایک روایت میں ہے کہ اسے ذبح کر دے لیکن تیرے بعد کسی شخص سے اس طرح کی قربانی کافی نہیں ہے (مسلم) ۳۶۳۔ اور بخاری میں بھی مسلم کی طرح ہے۔

پس تمام روایات کے مجموعہ سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ لفظ "جذعہ" (بھیڑ کا ایک سالہ بچے) سے مقصود بکری کا ایک سالہ بچہ ہے پس براء راوی کی حدیث میں "جَذَعَۃٌ مِنَ الْمَعْزِ" (بکری کا ایک سالہ بچہ) کے الفاظ بخاری کی عقبہؓ راوی سے مروی حدیث کی مانند ہے البتہ حافظ ابن حزمؒ کا "جذعہ" کے لفظ سے عموی معنی مراد لینا کہ ان کے نزدیک "جَذَعَۃٌ مِنَ الضَّاْنِ" (بھیڑ کا ایک سالہ بچہ) کو بھی شامل ہے یہ اس کی ظاہریت ہے اور الفاظ کا خود کو پابند بنانا ہے اور تمام روایات جس پر دال ہیں اس سے صرف نظر کرنا ہے اور روایات کا سیاق و سباق مقید کر رہا ہے چنانچہ ابن دقیق العیدؒ اور اس طرح کے دیگر محققین نے اس کی صراحت کی ہے پس جابرؓ کی حدیث کا یہی جواب درست ہے البتہ "تلخیص" ۳۶۴۔ میں حافظ ابن حجرؒ کا قول ہے جس میں حافظ ابن حجرؒ متنبہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حدیث کا ظاہر اس بات کا متقاضی ہے کہ بھیڑ کا ایک سالہ بچہ قربانی کے لئے درست نہیں البتہ اس وقت درست ہے جب دو دانت والا جانور دستیاب نہ ہو جب کہ اجماع اس کے خلاف ہے تو اس کی تاویل ضروری ہے کہ اس سے مراد افضل ہے یعنی دو دانت والے جانور کی قربانی دینا مستحب ہے۔

میں کہتا ہوں: حدیث کو اس معنی پر محمول کرنا بعید از فہم ہے اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی یہ تاویل ہے اور تاویل تب ہوتی ہے جب پہلے حدیث کی

صحت کو ثابت کیا جائے اور آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ حدیث صحیح نہیں ہے تو اس کی تاویل کا کوئی مقصد نہیں ہے بعض حنبلی مسلک کے علماء نے اس کی ایک دوسری تاویل کی ہے شائد یہ تاویل حافظ ابن حجرؒ کی تاویل سے بہتر ہے انہوں نے "مسنۃ" کی تعریف کرتے ہوئے اسے مقید کر دیا ہے کہ اس سے مراد بکری کا دو دانت والا ہے ۳٦۵ـ لیکن یہ معنی "مسند ابو یعلی" ۳٦٦ـ کی اس روایت کو رد کرتا ہے جس میں ذکر ہے کہ جب بھیڑ کا دو دانت والا دستیاب نہ ہو تو بھیڑ کا ایک سالہ جانور کفایت کر جاتا ہے اگرچہ اس روایت کی سند ضعیف ہے (جیسا کہ میں نے اس کے ضعف کا "ارواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل" ۳٦۷ـ میں ذکر کیا ہے) تاہم اس کے اور لفظ سے یہی معنی سمجھ میں آتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ اور دیگر محدثین کو اس قسم کی بعید تاویل کے ارتکاب پر اس اعتقاد نے ابھارا ہے کہ اجماع حدیث کے ظاہر کے خلاف ہے اور حافظؒ نے تاویل کی ہے۔ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں تو اب مناسب یہ ہے کہ معلوم کیا جائے کہ بعض علماء اکثر دفعہ ایسے احکام کے بارے میں جن میں اختلاف مشہور ہے اجماع کا دعویٰ کرنے میں غلطی کر جاتے ہیں اور بعد میں معذرت بھی نہیں کرتے کہ ہمیں اختلاف کا علم نہیں تھا لہٰذا اجماع کے دعویٰ سے خاص طور پر (اس جیسے مسئلہ میں کہ اہل علم حضرات بھی استطاعت نہیں رکھتے کہ اس میں اختلاف کی نفی کریں) ثبوت مہیا کریں جیسا کہ امام احمدؒ بن حنبل نے ہماری راہنمائی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جو شخص اجماع کا دعویٰ کرتا ہے وہ کاذب ہے دعویٰ کرنے والے کو علم نہیں کہ شائد اس مسئلہ میں اختلاف ہو۔ اس قول کو عبداللہ بن احمد نے "مسائل الامام احمد" میں ذکر کیا ہے اس مسئلہ میں خیالی اجماع کا بطلان اس حدیث سے ہو رہا ہے جس کو امام مالک "موطا" ۳٦۸ـ میں نافع سے لائے ہیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ عبداللہؓ بن عمرؓ قربانیوں کے ان جانوروں کی قربانی کرنے سے گریز کرتے جو دو دانت والے نہیں ہوتے تھے نیز عبدالرزاق نے امام مالکؒ سے انہوں نے نافعؒ سے انہوں نے ابن عمرؓ سے بیان کیا انہوں نے کہا کہ قربانی کا وہ جانور کفایت کرتا ہے جو دو دانت والا یا اس سے زائد عمر کا ہو اس کا ذکر حافظ ابن حزمؒ ۳٦۹ـ نے کیا ہے اور اسی مفہوم کے دیگر آثار ذکر کئے ہیں جو شخص زیادہ معلومات

حاصل کرنے کا دلدادہ ہے وہ "محلّی" کا مطالعہ کرے۔

آخر میں ہم گزشتہ اوراق میں ذکر کردہ تحقیق کا خلاصہ بیان کرنے کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں ہلال ہادی کی حدیث "بھیڑ کے ایک سالہ بچے کی قربانی بہتر ہے" اور اس سے پہلے ذکر کردہ حدیث اگرچہ سند کے لحاظ سے ضعیف ہے لیکن معنی کے لحاظ سے صحیح ہے اس کی شاہد عقبہ اور مجاشع کی حدیث ہے اگر مجھے پہلے معلوم ہو جاتا جو مجھے بعد میں معلوم ہوا ہے تو میں ان دونوں احادیث کو "سلسلہ الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ" میں ذکر نہ کرتا اور ان کے بدل جابرؓ کی حدیث ذکر کرتا لیکن اللہ کے فیصلے پہلے ہو چکے ہیں اور اللہ کے اس کی مخلوق میں مختلف احوال ہیں۔

۶۶- مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ، فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ.

جس شخص نے اپنی ذات کو پہچان لیا اس نے اپنے پروردگار کو پہچان لیا۔

تحقیق: اس حدیث کا کچھ اصل نہیں ہے، حافظ سخاویؒ نے "المقاصد" ص ۳ میں ذکر کیا ہے کہ ابو المظفر بن السمعانیؒ نے کہا اس حدیث کا مرفوع ہونا معروف نہیں ہے البتہ یحییٰ بن معاذ رازیؒ سے اس کا قول منقول ہے نیز امام نوویؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے اور امام سیوطیؒ نے "ذیل الموضوعات" ص ۲۰۳ میں امام نوویؒ کا قول ذکر کیا ہے اور اس کی تصدیق کی ہے نیز اس نے "القول الاشبہ" ۲/۳۵۱ میں "الحاوی للفتاوی" سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور شیخ قاریؒ نے "موضوعات" ص ۸۳ میں ابن تیمیہؒ سے نقل کرتے ہوئے ان کا قول ذکر کیا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ علامہ فیروز آبادی مؤلف "القاموس" نے "الرد علی المعترضین علی الشیخ ابن عربی" ص ۱۵ میں واضح کیا ہے کہ یہ جملہ احادیث نبویہ سے نہیں ہے جب کہ اکثر لوگ اس جملہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث گردانتے ہیں یہ درست نہیں ہے البتہ اسرائیلی روایات میں مذکور ہے "اے انسان اپنے نفس کو پہچان تو اپنے رب کو پہچان لے گا"

یہاں کتنا ہونا اس حدیث پر یہ حکم ایسے اہل علم نے لگایا ہے جو فن رجال میں خصوصی ادراک رکھتے ہیں بایں ہمہ بعض متاخرین فقہاء احناف نے اس حدیث

کی شرح میں ایک رسالہ ترتیب دیا ہے وہ رسالہ "حلب" کے مکتبہ اوقاف اسلامیہ میں محفوظ ہے اس طرح بعض فقہاء حنفیہ نے اس حدیث کی شرح میں کہ اللہ نے فرمایا "میں پوشیدہ خزانہ تھا" (الحدیث) ایک خاص رسالہ ترتیب دیا ہے جو مکتبہ مذکورہ میں موجود ہے ۳۷۵ حالانکہ اس حدیث کا کچھ اصل نہیں ہے اس حدیث کی تشریح اس کے اپنے مقام میں ہو گی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان فقہاء نے سنت کی خدمت اور اس کو آلائشوں سے پاک صاف کرنے والے محدثین کی مساعی سے ہرگز استفادہ کرنا نہیں چاہا اور ان کا یہ طرز عمل نہایت افسوسناک ہے یہی وجہ ہے کہ فقہاء کی کتابوں میں کثرت کے ساتھ ضعیف اور موضوع احادیث پائی جاتی ہیں۔

۶۷- مَنْ قَرَأَ فِي الْفَجْرِ بِ « اَلَمْ نَشْرَحْ » ، وَ « اَلَمْ تَرَكَيْفَ » ؛ لَمْ يَرْمَدْ.

جس شخص نے فجر کی نماز میں "الم نشرح" اور "الم ترکیف" (سورتیں) تلاوت کیں تو اس کی آنکھوں میں درد نہیں ہو گا۔

تحقیق :- اس حدیث کا کچھ اصل نہیں ہے۔ امام سخاویؒ ۳۷۶ نے کہا ہے کہ اس کا کچھ اصل نہیں خواہ فجر کی نماز سے مقصود فجر کی سنتیں ہوں یا فرض نماز ہو اس لئے کہ فجر کی سنتوں اور فرض میں جو قرأت مسنون ہے اس حدیث میں اس کی مخالفت پائی جاتی ہے مقصود یہ ہے کہ فجر کی سنتوں میں قُلْ يَا اَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کی قرأت مسنون ہے اور فجر کی فرض نماز میں ساٹھ آیات یا اس سے زائد قرأت مسنون ہے تفصیل کے لئے میری کتاب "صفۃ صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کا مطالعہ کریں۔ ۳۷۷

۶۸- قِرَاءَةُ سُوْرَةِ « إِنَّا اَنْزَلْنَاهُ » عَقِبَ الْوُضُوْءِ.

وضو بنانے کے بعد اِنَّا اَنْزَلْنَا ... سورت کی قرأت کی جائے۔

تحقیق :- اس حدیث کا کچھ اصل نہیں ہے جیسا کہ امام سخاویؒ نے کہا ہے نیز امام

سخاویؒ نے کہا ہے کہ مجھے امام ابواللیث حنفیؒ کے مقدمہ میں، اس کے دیکھنے کا اتفاق ہوا بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کی تلاوت کو وضو کے بعد مسنون قرار دینے سے اصل سنت فوت ہوتی ہے۔

میں کہتا ہوں: وضو کے بعد مسنون دعا یہ ہے:

«اَشْهَدُ اَنْ لاَّ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهٗ لاَ شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِىْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِىْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ» اس کا ذکر مسلم اور ترمذی میں ہے یا یہ الفاظ کہے۔

« سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لاَّ اِلٰهَ اِلاَّ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْكَ » اسے امام حاکمؒ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۶۹- مَسْحُ الرَّقَبَةِ اَمَانٌ مِّنَ الْغُلِّ.

(وضو میں) گردن کا مسح کرنا (قیامت کے دن) طوق سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

تحقیق: یہ حدیث موضوع ہے، امام نوویؒ نے "المجموع شرح المہذب" ۳۷۸۔ میں اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے نیز وضاحت کی ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہے چنانچہ امام سیوطیؒ نے اس کو "ذیل الاحادیث الموضوعہ" ۳۷۹۔ میں امام نوویؒ سے نقل کیا اور اس کی تصدیق کی ہے حافظ ابن حجرؒ نے "تلخیص الحبیر" ۳۸۰۔ میں مختصرًا ذکر کیا ہے کہ اس حدیث کو ابو محمد جوینی نے ذکر کیا ہے اور واضح کیا ہے کہ ائمہ حدیث نے اس کی سند کو ناپسندیدہ نظر سے دیکھا ہے۔ امام غزالیؒ نے اس حدیث کو "وسیط" میں ذکر کیا ہے ابن صلاحؒ نے تعاقب کیا اور واضح کیا کہ یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معروف نہیں ہے البتہ بعض سلف علماء کا قول ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے بیان کیا ہے کہ احتمال ہے کہ اس سے اس معنی کا

ارادہ کیا گیا ہو جس کو ابو عبیدؒ نے "کتاب الطہور" میں عبدالرحمان بن مہدی سے اس نے مسعودی سے اس نے قاسم بن عبدالرحمان سے اس نے موسیٰ بن طلحہ سے اس نے کہا کہ جو شخص سر کے ساتھ ساتھ گردن کا مسح کرے گا وہ قیامت کے دن طوق سے محفوظ رہے گا۔

میں کہتا ہوں: یہاں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اگرچہ یہ حدیث موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے اس لئے کہ اس قسم کی بات اپنی رائے سے نہیں کہی جاسکتی پس روایت مرسل ثابت ہو گئی۔

میں کہتا ہوں: مسعودی راوی مرض اختلاط میں مبتلا ہو گیا تھا لہذا اس کی حدیث حجت نہیں جب کہ وہ مرفوع ہو چنانچہ موقوف کیسے حجت ہو سکتی ہے؟ حافظ ابن حجرؒ ۳۸۱ نے بیان کیا کہ ابو نعیمؒ نے "تاریخ اصبہان" میں ذکر کیا ہے کہ ہمیں محمد بن احمد نے حدیث بیان کی اس نے کہا کہ ہمیں عبدالرحمٰن بن داوٗد نے حدیث بیان کی اس نے کہا' ہمیں عثمان بن خرزاد نے حدیث بیان کی اس نے کہا' ہمیں عمر بن محمد بن حسن نے حدیث بیان کی اس نے کہا' ہمیں محمد بن عمرو بن انصاری نے انس بن سیرین سے حدیث بیان کی اس نے عمرؓ سے بیان کیا کہ جب عمر رضی اللہ عنہ وضو کرتے تو اپنی گردن کا مسح کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بیان کرتے کہ جس شخص نے وضو بنایا اور اپنی گردن کا مسح کیا تو قیامت کے دن اس کی گردن میں طوق نہیں ڈالا جائے گا۔ نیز الرویانی کی "البحر" میں ہے کہ میں نے ایک مختصر مجموعہ دیکھا جس کو ابوالحسین بن فارس نے سند کے ساتھ فلیح بن سلیمان سے روایت کیا اس نے نافعؒ سے اس نے ابن عمرؓ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جس شخص نے وضو کیا اور اپنے ہاتھوں کے ساتھ اپنی گردن کا مسح کیا وہ قیامت کے دن گردن میں طوق ڈالے جانے سے محفوظ رہے گا نیز اس نے بیان کیا کہ انشاء اللہ یہ حدیث صحیح ہے۔

میں کہتا ہوں: ابن فارس اور فلیح کے درمیان ایک جنگل حائل ہے۔ غور کیا جائے کہ ان کے درمیان کون کون سے راوی ہیں جنہیں ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں: شیخ علی قاریؒ نے ابن عمرؓ کی حدیث کو "موضوعات" ۳۸۲ میں

"مسند الفردوس" کی طرف منسوب کیا ہے اور سند کو ضعیف کہا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں اصل خرابی محمد بن عمرو الانصاری ہے۔ یہی ابو سہل بصری ہے جس کے ضعیف ہونے پر سبھی کو اتفاق ہے چنانچہ یحیٰی بن سعید اس کو غایت درجہ ضعیف قرار دیتے ہیں۔

نیز کہتے ہیں کہ وہ حسن سے غیرمانوس احادیث بیان کرتا ہے اور ابو نعیمؒ کا شیخ بھی ضعیف ہے اس کا نام محمد بن احمد بن علی بن المخرم ہے۔ امام ذہبیؒ نے "میزان" میں تحریر کیا ہے کہ وہ ابو نعیمؒ کے کبار شیوخ سے ہے۔ امام دارقطنیؒ اس سے روایت کرتے ہیں اور اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ برقانیؒ کا قول ہے کہ اس میں کچھ حرج نہیں ابن ابی الفوارس کا قول ہے کہ وہ ان کے نزدیک کچھ اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ وہ ضعیف ہے۔ ابن عراقؒ نے "تنزیہ الشریعہ" ۲-۸۳ میں ابو نعیمؒ کی روایت "التاریخ" میں ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس میں ابوبکر المفید ابو نعیمؒ کا شیخ ہے۔ حافظ عراقیؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی خرابی یہ شخص ہے۔

اس حدیث پر مزید تحقیق انشاء اللہ تعالیٰ حدیث نمبر ۷۴۴ میں آئے گی۔

میں کہتا ہوں: اس قسم کی حدیث کو منکر شمار کیا جاتا ہے خصوصا جب کہ یہ تمام احادیث کے خلاف ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی کیفیت میں آتی ہیں جب کہ ان میں سے کسی حدیث میں گردن کے مسح کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ طلحہ بن مصرف کی حدیث میں ہے وہ اپنے والد وہ اپنے دادا سے بیان کرتا ہے انہوں نے کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ اپنے سر کا ایک بار مسح کرتے تھے یہاں تک کہ آپؐ کے ہاتھ گردن (گدی) تک پہنچ جاتے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ اپنے سر کا مسح اگلی جانب سے شروع فرماتے اور پچھلی جانب تک لے جاتے یہاں تک کہ دونوں ہاتھوں کو کانوں کے پیچھے سے نکالتے اس حدیث کو ابوداؤد اور دیگر محدثین نے ذکر کیا ہے اور ابن عیینہ سے منقول ہے کہ وہ اس حدیث کو منکر سمجھتے تھے اور مناسب بھی یہی ہے کہ اس حدیث کو منکر کہا جائے اس لئے کہ اس حدیث میں تین علتیں پائی جاتی ہیں ان میں سے ہر علت اس کو ضعیف بنا دینے کی اہلیت رکھتی ہے تو حدیث کیسے ضعیف نہ ہوگی؟ جب کہ اس میں تینوں علتیں

موجود ہیں اس حدیث میں ضعف' جہالت اور مصرف کے والد کے صحابی ہونے کے بارے میں اختلاف ہے اس لئے امام نوویؒ' امام ابن تیمیہؒ' حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور دیگر محدثین نے اس کو ضعیف کہا ہے میں نے اس کے ضعف کو "ضعیف سنن ابوداؤد" ۳۴۳ میں بیان کیا ہے۔

۷۰ - مَنْ أَطْعَمَ أَخَاهُ خُبْزًا حَتَّى يُشْبِعَهُ، وَسَقَاهُ مَاءً حَتَّى يُرْوِيَهُ؛ بَعَّدَهُ اللَّهُ عَنِ النَّارِ سَبْعَ خَنَادِقَ، بُعْدُ مَا بَيْنَ خَنْدَقَيْنِ مَسِيرَةُ خَمْسِ مِئَةِ سَنَةٍ.

جو شخص اپنے بھائی کو پیٹ بھر کر روٹی کھلاتا ہے اور اس کو پانی سے سیراب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ سے سات خندقیں دور رکھے گا جب کہ دو خندقوں کے درمیان پانچ صد سال کی مسافت ہوگی۔

تحقیق: یہ حدیث موضوع ہے' اس حدیث کو دولابی نے "الکنی" ۸۵/۲ اور حاکمؒ نے ۱۲۹/۴ اور طبرانیؒ نے "اوسط" ۲۸۷/۱ میں "زوائد المعجمین" سے اور ابن عساکرؒ نے ۴۸۸/۵ ادریس بن یحییٰ خولانی کے طریق سے اس نے کہا' مجھے رجاء بن ابی عطاء نے حدیث بیان کی اس نے واصب بن عبداللہ کعبی سے اس نے عبداللہؓ بن عمروؓ بن عاص سے مرفوع بیان کیا۔ امام حاکمؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا۔ امام ذہبیؒ نے ان کی موافقت کی ہے لیکن یہ ان دونوں کی فحش غلطی ہے اس لئے کہ رجاء راوی کی کسی نے بھی توثیق نہیں کی ہے بلکہ وہ متہم ہے۔

ذرا ملاحظہ فرمائیں کہ امام حاکمؒ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو انہوں نے "میزان" سے نقل کیا ہے کہ وہ ساقط مصری موضوع روایات بیان کرتا ہے ابن حبانؒ کا قول ہے کہ موضوع روایات بیان کرتا ہے بعد ازاں انہوں نے اس کی وہ حدیث ذکر کی ہے جس میں مسلسل مصری رواۃ ہیں پھر امام ذہبیؒ نے رجاء تک اس کی سند کا ذکر کیا ہے اور اس حدیث کو غریب منکر قرار دیا ہے نیز اس کی سند میں ادریس راوی

متفرد ہے جو کہ صوفی ہے۔

میں کہتا ہوں: ادریس سچ بولنے والا ہے جیسا کہ ابن ابی حاتمؒ ۳۸۹ ـ نے ذکر کیا ہے اس لحاظ سے تہمت صرف رجاء میں ہے نیز حافظ نے "لسان المیزان" میں مزید کہا ہے کہ اس حدیث کو ابن حبانؒ نے ذکر کیا ہے اور موضوع کہا ہے لیکن امام حاکمؒ نے روایت کیا اور اس کو صحیح الاسناد کہا۔ اب امام حاکمؒ کے دو مختلف اقوال میں کیسے مطابقت پیدا کی جائے؟ ایک طرف وہ حدیث کو صحیح کہہ رہے ہیں اور دوسری طرف راوی کو موضوع احادیث پیش کرنے والا کہا ہے جیسا کہ مجھے سمجھ آ رہی ہے کہ امام ذہبیؒ کے صویلح راوی کے بارے میں "تلخیص المستدرک" میں امام حاکمؒ کے صحیح قرار دینے پر خاموشی اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ امام حاکمؒ اور ابن حبانؒ سے نقل کرنا کہ انہوں نے اس کے بارے میں گواہی دی ہے کہ وہ موضوع احادیث بیان کرتا ہے

میں کہتا ہوں: اس حدیث کو امام ہیثمیؒ نے "مجمع الزوائد" ۳۹۰ ـ میں "طبرانی کبیر" اور "اوسط" کی جانب منسوب کیا ہے نیز کہا ہے کہ اس کی سند میں رجاء بن عطاء راوی ضعیف ہے جب کہ رجاء راوی اس سے زیادہ ضعیف ہے جس قدر ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ پہلے اس کا ذکر گزر چکا ہے لیکن بایں ہمہ امام ہیثمیؒ امام منذریؒ سے اقرب الی الصّواب ہیں۔ جب کہ امام منذریؒ نے اس حدیث کو "الترغیب" ۳۹۱ ـ میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کو امام طبرانیؒ نے "الکبیر" میں اور ابوالشیخ ابن حبانؒ نے "الثواب" میں اور امام حاکمؒ اور امام بیہقیؒ نے بھی روایت کیا اور امام حاکمؒ نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا چنانچہ امام حاکمؒ کے صحیح قرار دینے سے وہم لاحق ہوتا ہے کہ حدیث صحیح ہے حالانکہ صحیح نہیں ہے۔

درحقیقت اس بات نے مجھے مجبور کیا کہ اس حدیث کی اشاعت کی جائے اور اس کا موضوع ہونا ثابت کیا جائے تاکہ کوئی شخص ان افاضل محدثین کے پھسل جانے سے دھوکے میں واقع نہ ہو جائے اور کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کذب بیانی جیسے عظیم گناہ میں نہ مبتلا ہو جائے اللہ پاک ہم کو اپنے فضل اور احسان کے ساتھ محفوظ فرمائے۔

۷۱ - اَلتَّکْبِیْرُ جَزْمٌ۔

اللہ اکبر کو لمبا کر کے نہ پڑھا جائے۔

تحقیق: اس کا کوئی اصل نہیں ہے، حافظ ابن حجرؒ امام سخاویؒ اور امام سیوطیؒ نے اسی طرح کہا ہے۔ امام سیوطیؒ کا اس حدیث کے بارے میں ان کی اپنی کتاب "الحاوی للفتاویٰ" ۲/۹۲ میں ایک خاص رسالہ ہے اس میں بیان کیا ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے بلکہ ابراہیم نخعیؒ کا قول ہے اور لفظ "جزم" کا معنی یہ ہے کہ اللہ اکبر کو لمبا کر کے نہ پڑھا جائے بعد ازاں اس شخص کے قول کا ذکر ہے جس نے لفظ جزم کی تفسیر کرتے ہوئے کہا کہ اس کے آخر کو اعراب نہ دیا جائے بلکہ ساکن پڑھا جائے اس تفسیر کے بعد اس کا تین وجوہ سے رد کیا ہے جو شخص ان وجوہ کی واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہے وہ اس کا مطالعہ کرے۔

خیال رہے کہ حدیث کا مرفوع ہونا تو ثابت نہیں۔ البتہ یہ ابراہیم نخعیؒ کا قول ہے۔ اس قول سے ان کا مقصود یہ ہے کہ نماز میں اللہ اکبر کو لمبا نہ کیا جائے جیسا کہ امام سیوطیؒ کے رسالہ میں اس کا پتہ چلتا ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے لہذا اذان کے ساتھ اس حدیث کا کچھ تعلق نہیں ہے جیسا کہ بعض اہل علم کا وہم ہے چنانچہ مصر اور دیگر شہروں میں ایسے لوگ موجود ہیں جو خود کو سنّت کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اذان کے "اللہ اکبر" کے ہر کلمہ کو الگ الگ کہتے ہیں یعنی "اللہ اکبر" پھر "اللہ اکبر" دونوں کو ملاتے نہیں ہیں۔ وہ اپنے خیال میں اس حدیث پر عمل کرتے ہیں جب کہ میری دانست کے مطابق اس کیفیت کے ساتھ اذان کہنے کا سنت میں کچھ ثبوت نہیں ملتا جب کہ حدیث کا ظاہر اس کے خلاف ہے چنانچہ صحیح مسلم میں عمر بن خطاب ۲/۴ سے مرفوع حدیث ہے کہ جب مؤذن اللہ اکبر، اللہ اکبر کہے پھر اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہے پھر اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہے الحدیث ـــــ

اس حدیث میں واضح اشارہ موجود ہے کہ مؤذّن دونوں تکبیروں کو ملا کر کہے گا اور اذان سننے والا دونوں تکبیروں کو ملا کر ہی جواب دے گا اور صحیح مسلم کی شرح نووی سے اس کی تائید حاصل ہوتی ہے جو شخص واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہے وہ اس کا

مطالعہ کرے نیز اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہو رہی ہے کہ اذان کے کلمات دوہرے ہیں۔

۷۲- اَدَّبَنِی رَبِّی ، فَاَحْسَنَ تَاْدِیْبِی.

میرے رب نے مجھے ادب سے نوازا اور مجھے اچھا نوازا۔

تحقیق: یہ حدیث ضعیف ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ "مجموعۃ الرسائل للکبریٰ" ۳۹۴ میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مفہوم کے لحاظ سے صحیح ہے لیکن اس کی سند نہیں ہے۔ امام سخاویؒ اور امام سیوطیؒ نے ان کی تائید کی ہے اس کے لئے "کشف الخفاء" ۳۹۵ کا مطالعہ کریں۔

۷۳- مَسْحُ الْعَیْنَیْنِ بِبَاطِنِ اَنْمُلَتَیِ السَّبَّابَتَیْنِ عِنْدَ قَوْلِ الْمُؤَذِّنِ: اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ . . . الخ، وَاَنَّ مَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ: حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

مؤذن جب اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہے تو دونوں ہاتھوں کی انگشت شہادت کے پوروں کے ساتھ دونوں آنکھوں کا مسح کیا جائے جو شخص یہ کام سرانجام دے گا اس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت حاصل ہو گی۔

تحقیق: یہ حدیث صحیح نہیں ہے' اس حدیث کو دیلمیؒ نے "مسند الفردوس" میں ابوبکرؓ سے مرفوع بیان کیا ہے لیکن ابن طاہرؒ کا "التذکرہ" میں قول ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ امام شوکانیؒ کی تالیف "الاحادیث الموضوعہ" ۳۹۶ میں اسی طرح ہے نیز امام سخاویؒ نے "المقاصد" میں اس حدیث کو غیر صحیح قرار دیا ہے۔

۷۴- عَظِّمُوْا ضَحَایَاکُمْ؛ فَاِنَّهَا عَلَى الصِّرَاطِ مَطَایَاکُمْ.

قربانیوں کی تعظیم کرو' اس لئے کہ تمہاری قربانیاں پل صراط پر

تمہاری سواریاں ہوں گی۔

تحقیق: ان الفاظ کے ساتھ اس حدیث کا کچھ اصل نہیں ہے' ابن صلاحؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث معروف نہیں ہے اور نہ ثابت ہے اس حدیث کو شیخ اسماعیل عجلونی نے "الکشف" میں اور ان سے قبل ابن الملقن نے "الخلاصہ" ۳۹۷ھ میں ذکر کیا ہے اس میں اضافہ ہے' ابن الملقن نے کہا ہے کہ اس حدیث کو "الفردوس" کے مؤلف نے عَظِّمُوا کی جگہ پر اِسْتَفْرِهُوا کا ذکر کیا ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ قیمتی' مضبوط اور موٹی تازی قربانی کرو۔

میں کہتا ہوں: اس کی سند غایت درجہ ضعیف ہے اس حدیث کی مزید تحقیق اللہ پاک کے حکم سے حدیث نمبر ۲۵۵ کے ضمن میں آئے گی۔

۷۵- عَجِّلُوا بِالصَّلَاةِ قَبْلَ الْفَوْتِ، وَعَجِّلُوا بِالتَّوْبَةِ قَبْلَ الْمَوْتِ.

نماز فوت ہونے سے پہلے ادائیگی میں جلدی کرو اور وفات سے پہلے توبہ کرنے میں جلدی کرو۔ ۳۹۸ھ

تحقیق: یہ حدیث موضوع ہے' جب کہ معنی کے لحاظ سے حدیث صحیح ہے امام صغانیؒ نے اس حدیث کو "الاحادیث الموضوعہ" میں ذکر کیا ہے۔

۷۶- اَلنَّاسُ كُلُّهُمْ مَوْتٰى، إِلَّا الْعَالِمُوْنَ. وَالْعَالِمُوْنَ كُلُّهُمْ هَلْكٰى، إِلَّا الْعَامِلُوْنَ، وَالْعَامِلُوْنَ كُلُّهُمْ غَرْقٰى، إِلَّا الْمُخْلِصُوْنَ، وَالْمُخْلِصُوْنَ عَلٰى خَطَرٍ عَظِيْمٍ.

اہلِ علم کے سوا تمام لوگ مردہ ہیں اور علم کے مطابق عمل کرنے والوں کے علاوہ سب لوگ ہلاکت میں ہیں اور اخلاص والوں کے علاوہ سب عمل کرنے والے (ذلت میں) ڈوبے ہوئے ہیں اور مخلص لوگ عظیم خطرات سے دوچار ہوتے ہیں۔

تحقیق: یہ حدیث موضوع ہے' اس حدیث کو امام صغانیؒ ۳۹۹ھ نے ذکر کیا ہے اور اس حدیث کو جھوٹ اور غلط قرار دیا ہے خیال رہے کہ اس حدیث میں اَلْعَالِمُوْنَ اور اَلْعَامِلُوْنَ' اور اَلْمُخْلِصُوْنَ تینوں الفاظ اعراب کے لحاظ سے درست نہیں ہیں۔ انہیں اَلْعَالِمِیْنَ' اَلْعَامِلِیْنَ' اور اَلْمُخْلِصِیْنَ لکھنا چاہئے تھا۔

میں کہتا ہوں: یہ حدیث صوفیاء کے کلام کے مشابہہ ہے چنانچہ سہل بن عبداللہ تستری کا قول بھی اس جیسا ہے ان کا قول ہے کہ علماء کے علاوہ تمام لوگ نشہ میں مخمور ہیں۔ علم کے مطابق عمل کرنے والے علماء کے علاوہ تمام علماء حیرانی کے جال میں ہیں۔ سہل بن عبداللہ کے اس قول کو خطیب بغدادیؒ نے "اقتضاء العلم العمل" ۴۰۰ھ میں ذکر کیا ہے نیز ایک دوسرے طریق سے اس کا یہ قول مروی ہے کہ دنیا جہالت کا کرشمہ ہے اور زائل ہونے والی ہے اور علم سراپا محبت ہے اور عمل میں اخلاص نہ ہو تو وہ هَبَاءً مَّنْثُوْرًا ہے نیز اخلاص میں عظیم خطرات آتے ہیں جب تک کہ خاتمہ اخلاص پر نہ ہو۔

میں کہتا ہوں: یہ قول ذکر کردہ حدیث کے زیادہ قریب ہے شائد حدیث کا اصل یہی قول ہے جس کو بعض جاہل قسم کے صوفیاء نے مرفوع حدیث بنا دیا ہے۔

۷۷- لَا مَهْدِيَّ اِلَّا عِيْسٰى.

عیسیٰ علیہ السلام ہی مہدی ہوں گے۔

تحقیق: یہ حدیث منکر ہے' اس حدیث کو ابن ماجہؒ ۴۰۱ھ' امام حاکمؒ ۴۰۲ھ نے نیز ابن عبدالبرؒ نے جامع العلم ۴۰۳ھ میں اور ابو عمرو الدانی نے "السنن الواردۃ فی الفتن" ۴۰۴ھ میں اور السلفی نے "الطیوریات" ۴۰۵ھ میں محمد بن خالد الجندی کے طریق سے ذکر کیا ہے اس نے ابان بن صالح سے اس نے حسن سے اس نے انسؓ سے ان الفاظ کے ساتھ مرفوع ذکر کیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے:

"معاملہ مزید سنگین ہو رہا ہے اور دنیا تیزی کے ساتھ بے وفائی کر رہی ہے اور لوگ بخل میں مزید آگے بڑھ رہے ہیں اور قیامت ایسے لوگوں پر برپا ہو

گی جو بدترین ہوں گے اور عیسیٰ علیہ السلام ہی مہدی ہیں۔"

میں کہتا ہوں: اس حدیث کی سند میں تین علتیں ہیں۔

پہلی علت: حسن مدلس راوی ہے اس نے حدیث عن کے ساتھ نقل کی ہے۔

دوسری علت: محمد بن خالد جندی مجہول راوی ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے "تقریب" میں دیگر ائمہ کی پیروی کرتے ہوئے اس کو مجہول کہا ہے آئندہ اوراق میں اس کا ذکر آ رہا ہے۔

تیسری علت: اس کی سند میں اختلاف ہے امام بیہقیؒ کا بیان ہے کہ ابو عبداللہ حافظ نے کہا ہے کہ محمد بن خالد راوی مجہول ہے نیز اس کے بارے میں اس کی سند میں بھی اختلاف کیا ہے چنانچہ اس حدیث کو صامت بن معاذ نے بیان کیا اس نے کہا کہ ہمیں یحییٰ بن السکن نے حدیث بیان کی اس نے کہا کہ ہمیں محمد بن خالد نے بیان کیا (آگے حدیث ذکر کی) صامت کا بیان ہے کہ میں "صنعاء" سے دو روز کی مسافت طے کر کے "جند" پہنچا۔ میں وہاں کے محدث کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے اس حدیث کو اس کے ہاں پایا کہ وہ محمد بن خالد سے بیان کرتا ہے' وہ ابان بن ابی عیاش سے' وہ حسن سے مرسل روایت کرتا ہے' امام بیہقیؒ کا قول ہے کہ حدیث کی روایت محمد بن خالد جندی تک پہنچ گئی ہے جب کہ جندی راوی مجہول ہے اور ابان راوی متروک ہے اور حسنؒ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرنے میں انقطاع ہے لیکن مہدی کے نکلنے کی واضح حدیثیں سند کے لحاظ سے غایت درجہ صحیح ہیں اور وہ "تہذیب" میں منقول ہیں۔

امام ذہبیؒ کا "میزان" میں قول ہے کہ یہ حدیث منکر ہے بعد ازاں آخری روایت کا ذکر کیا جس کو ابن ابی عیاش راوی حسن سے مرسل روایت کرتا ہے لیکن یہ حدیث واضح طور پر غایت درجہ ضعیف ہے لیکن امام صغانیؒ نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے جیسا کہ امام شوکانیؒ کی "الاحادیث الموضوعہ" ۱۹۶ھ میں ہے اور امام سیوطیؒ نے "العرف الوردی فی اخبار المہدی" ۲۰۷ھ میں حاوی سے نقل کیا ہے' اس نے امام قرطبیؒ سے' اس نے "التذکرہ" میں اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔

لیکن امام مہدیؒ کے خروج پر کہ وہ فاطمہؓ کی اولاد سے ہوگا صریح احادیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں اور وہ اس حدیث سے کہیں زیادہ صحت والی ہیں لہٰذا امام مہدیؒ کے نکلنے کا حکم ان احادیث کی روشنی میں لگایا جائے گا نہ کہ اس منکر حدیث سے اس کو ثابت کیا جائے گا اور حافظ ابن حجرؒ نے "فتح الباری" ۲۰۸ میں اس حدیث کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے اس لئے کہ یہ حدیث ان احادیث کے خلاف ہے جو مہدی کے آنے کے بارے میں مروی ہیں۔ مرزا طاہر احمد قادیانی کو بزعم خود نبی سمجھنے والے قادیانی اس حدیث کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مرزا طاہر احمد جس نے نبوت کا دعویٰ کیا وہی عیسیٰ بن مریم ہے جس کی آخر زمانہ میں اترنے کی خوش خبری دی گئی ہے اور دراصل عیسیٰ بھی یہی مہدی ہے۔ ان کے اس دعویٰ کی بنیاد یہی منکر حدیث ہے اس کی نبوت کے دعویٰ نے بہت سے کمزور عقیدہ لوگوں کو گمراہ کر دیا جیسا کہ ہر باطل دعوت بھی کچھ نہ کچھ لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے اور اپنی جانب مائل کر لیتی ہے اس گمراہ فرقہ کے خلاف متعدد کتب تالیف کی گئی ہیں۔

اس گمراہ مرتد فرقہ کے خلاف جس قدر کتب تالیف ہوئیں ان میں سب سے بہتر کتاب فاضل استاذ مجاہد ابوالاعلیٰ مودودی کی ہے اور ان کی دوسری کتاب "بیانات" کے نام سے آخر میں شائع ہوئی اس میں انہوں نے قادیانیوں کی حقیقت کو واشگاف الفاظ میں بیان کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ وہ دین اسلام سے خارج ہیں اور دلائل ایسے دیئے ہیں جن میں ہرگز شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے ان کی کتابوں کا مطالعہ کریں۔

تنبیہہ: اس حدیث کا یہ جملہ کہ "قیامت ان لوگوں پر ہی برپا ہوگی جو بدترین ہوں گے" عبداللہؓ بن مسعود کی حدیث سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے۔ ۲۰۹

۷۸ - سُؤرُ الْمُؤمِنِ شِفَاءٌ.

مومن کا بچا ہوا پانی شفاء ہے۔ ۲۱۰

تحقیق: اس حدیث کا کچھ اصل نہیں ہے، شیخ احمد غزی العامریؒ نے "**الجد الحثیث**" میں اس کو حدیث قرار نہیں دیا ہے۔ نیز شیخ عجلونیؒ نے "**کشف الخفاء**" ۱۱۴۔ میں اس کا اقرار کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: شیخ علی قاریؒ نے "موضوعات" ۲۴۔ میں اس حدیث کو معنی کے لحاظ سے صحیح کہا ہے اس لئے کہ یہ حدیث "دارقطنی" کی حدیث کے معنی میں ہے جو "الافراد" میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ "تواضع کا تقاضا ہے کہ مومن اپنے بھائی کا بچا ہوا پانی پی لے" لیکن ہم اس سے کہیں گے کہ پہلے اس حدیث کو ثابت تو کیجئے۔ پھر اس کی بنیاد پر دوسری حدیث کو معنی کے لحاظ سے ثابت کیجئے جب کہ بلاشبہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور اگر صحیح تسلیم بھی کر لی جائے تو یہ حدیث اس کی شاہد نہیں ہے اس لئے کہ اس میں صراحتًا یا اشارةً یہ ذکر نہیں ہے کہ مومن کا بچاہوا پانی شفاء ہے البتہ اس کا شاہد معنی کے لحاظ سے میری نظروں سے گزر چکا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ "مومن کے وضو سے بچے ہوئے پانی کو پینے میں ہر بیماری سے شفاء ہے جب کہ ادنیٰ درجہ کی بیماری غم ہے" لیکن یہ حدیث موضوع ہے اس کا بیان حدیث نمبر ۳۷۵۷ میں آئے گا۔

۱۷۹ - مِنَ التَّوَاضُعِ اَنْ یَّشْرَبَ الرَّجُلُ مِنْ سُؤْرِ اَخِیْهِ، وَمَنْ شَرِبَ مِنْ سُؤْرِ اَخِیْهِ اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰی؛ رُفِعَتْ لَهٗ سَبْعُوْنَ دَرَجَةً، وَمُحِیَتْ عَنْهُ سَبْعُوْنَ خَطِیْئَةً، وَکُتِبَ لَهٗ سَبْعُوْنَ دَرَجَةً.

انسان کی تواضع کی علامت ہے کہ وہ اپنے مومن بھائی کا جوٹھا پانی پی لے اور جو شخص اپنے بھائی کا اللہ کی رضا کے لئے جوٹھا پیتا ہے اس کے ستّر درجات بلند ہوتے ہیں اور اس کی ستّر غلطیاں محو ہوتی ہیں اور اس کے ستّر درجے ثبت ہوتے ہیں۔

تحقیق: یہ حدیث موضوع ہے، ابن جوزیؒ نے اس حدیث کو "الموضوعات" میں "دارقطنی" کی روایت کے ساتھ نوح بن ابی مریم کے طریق سے اس نے ابن جریج

سے اس نے عطاء سے اس نے ابن عباسؓ سے موضوع روایت کیا ہے۔ ابن جوزیؒ نے تبصرہ کیا ہے کہ اس کی سند میں نوح راوی متفرد ہے اور وہ متروک ہے لیکن امام سیوطیؒ نے "اللآلیٔ المصنوعہ" ۲؍۱۱۳ میں اس کا تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس کا متابع موجود ہے چنانچہ اسماعیلیؒ اپنی "معجم" میں لائے ہیں کہ مجھے علی بن محمد بن حاتم ابوالحسن القومسی نے خبر دی اس نے کہا، ہمیں جعفر بن محمد الحداد القومسی نے حدیث بیان کی اس نے کہا، ہمیں ابراہیم بن احمد البخلی نے اس نے کہا کہ ہمیں حسن بن رشید مروزی نے ابن جریج سے بیان کیا اور مروزی تین راوی ہیں تینوں میں ضعف ہے۔

میں کہتا ہوں: بلکہ حسن راوی منکر الحدیث ہے چنانچہ ابن ابی حاتمؒ نے "الجرح والتعدیل" ۱؍۲؍۱۴ میں اس کے والد سے نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ وہ مجہول ہے اس کی حدیث اس کے منکر ہونے پر دلالت کرتی ہے اس طرح کہ اس نے ابن جریج سے اس نے عطاء سے اس نے ابن عباسؓ سے روایت کیا اس نے بیان کیا کہ جو شخص مکہ مکرمہ کی گرمی میں صبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے جہنم کو ستر سال دور کر دے گا اور جو شخص مکہ کے راستہ میں ایک ساعت چلتا ہے ہر قدم رکھنے کے عوض اس کا ایک درجہ بلند ہوتا ہے اور نیکی ثبت ہوتی ہے "لسان المیزان" میں عقیلیؒ نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ اس کی حدیث میں وہم ہے اور وہ منکر احادیث بیان کرتا ہے بعد ازاں ابن عباسؓ کی حدیث کو بیان کیا جس کو ابن ابی حاتمؒ نے منکر کہا ہے اور بیان کیا ہے کہ یہ حدیث باطل ہے اس کا کچھ اصل نہیں ہے نیز اس حدیث کو سہمی جرجانیؒ نے "تاریخ جرجان" ۲۱۵ میں اپنے شیخ ابوبکر اسماعیلیؒ کے طریق سے بیان کیا اس نے کہا کہ ہمیں علی بن محمد بن حاتم بن دینار ابوالحسن القومسی نے حدیث بیان کی اور وہ سچا انسان ہے الخ ـــــ نیز بیان کیا کہ ہمارے شیخ ابوبکر اسماعیل نے کہا کہ ابراہیم بن احمد اور حسن بن رشید دونوں مجہول ہیں ہم نے متابعت کے لئے جو احادیث ذکر کی ہیں چونکہ ان میں ضعف اور جہالت ہے اس لئے ان سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہو رہا ہے لہٰذا امام سیوطیؒ نے جو ابن جوزیؒ کا تعاقب کیا ہے اس سے بھی کچھ فائدہ حاصل نہیں ہے۔ غالباً امام شوکانیؒ کا انداز اس کی

جانب اشارہ کر رہا ہے کہ انہوں نے "الاحادیث الموضوعہ" ۳۲۱ھ میں جب حدیث کا ذکر کیا ہے تو اس کی تخریج میں صرف یہ کہا ہے کہ یہ حدیث "دارقطنی" میں ہے اور اس کی سند میں متروک راوی ہے صرف اسی پر اکتفا کیا ہے خیالی متابعت کا ذکر نہیں کیا ہے۔

میں کہتا ہوں : نوح کا شمار اہل علم سے ہوتا ہے اور اس کا لقب جامع تھا اس لئے کہ اس نے امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کو اکٹھا کیا ہے جب کہ وہ حدیث بیان کرنے میں متہم ہے اور ابو علی نیشاپوری کا قول ہے کہ وہ کذّاب تھا ابوسعید نقاش کا تبصرہ ہے کہ وہ موضوع احادیث بیان کرتا ہے۔ امام حاکمؒ نے کہا ہے کہ وہ علوم میں تو پیش پیش ہے لیکن ذاھب الحدیث تھا نیز ائمہ حدیث نے اس کے بارے میں واضح دلائل کی روشنی میں گھٹیا کلمات کہے ہیں نیز اس نے کہا کہ وہ سوائے سچائی کے ہر چیز کو جمع کرنے والا تھا (نعوذ باللہ تعالیٰ من الخذلان)

ابن حبانؒ کا قول بھی اسی طرح کا ہے اور حافظ برہان الدین حلبیؒ نے "الکشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث" میں اس کو داخل کیا ہے جیسا کہ اس کا ذکر "الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ" ۷۱ھ میں ہے۔

جب کہ اس حدیث میں ایک اور علّت بھی ہے مجھے معلوم نہیں ہو سکا کہ کسی بھی اہل علم کو اس کی خبر ہوئی ہو۔ وہ علّت یہ ہے کہ ابن جریج لفظ "عن" کے ساتھ روایت کرتا ہے خیال رہے کہ ابن جریج اگرچہ جلیل القدر امام تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ مدلّس تھے امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ کچھ ایسی احادیث ہیں جن کو ابن جریج مرسل بیان کرتے ہیں جب کہ وہ موضوع ہیں ابن جریج کو اس بات سے کچھ واسطہ نہیں تھا کہ وہ کہاں سے لے رہے ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں مجھے خبر دی گئی ہے' مجھے فلاں سے حدیث بیان کی گئی ہے "میزان" میں اسی طرح ہے۔ امام دارقطنیؒ کا قول ہے کہ ابن جریج کی تدلیس سے کنارہ کش رہو اس کی تدلیس قبیح ہے اس لئے کہ وہ مجروح راویوں سے تدلّس کرتا ہے جیسے ابراہیم بن ابی یحییٰ اور موسیٰ بن عبیدہ وغیرہ ہیں (اسی طرح تہذیب میں بھی ہے) فرض کیجئے کہ اگر حدیث' ابن مریم اور حسن بن رشید سے محفوظ ہو جائے تو ابن جریج کی تدلیس سے تو ہرگز محفوظ نہیں ہے۔

۸۰ - اَلْمَهْدِیُّ مِنْ وُلْدِ الْعَبَّاسِ عَمِّیْ.

مہدی میرے چچا عباسؓ کی اولاد سے ہے۔

تحقیق: یہ حدیث موضوع ہے' اس حدیث کو امام دارقطنیؒ نے "الافراد" ۳۱۸ھ میں محمد بن ولید قرشی کے طریق سے بیان کیا ہے۔ اس نے کہا کہ ہمیں اسباط بن محمد اور صلہ بن سلیمان واسطی نے سلمان تیمی سے اس نے قتادہ سے اس نے سعید بن مسیبؒ سے اس نے عثمانؓ بن عفان سے مرفوعا بیان کیا۔ امام دارقطنیؒ نے اس حدیث کو غریب کہا ہے اس کی سند میں محمد بن ولید مولٰی بنی ہاشم متفرد ہے۔

میں کہتا ہوں: وہ متہم با لکذب ہے۔ ابن عدیؒ کا قول ہے کہ وہ احادیث وضع کرتا تھا ابو عروبہ کا قول ہے کہ وہ کذاب ہے اسی وصف کے ساتھ امام مناویؒ نے "الفیض" میں ابن جوزیؒ سے نقل کرتے ہوئے اس کو معلول قرار دیا ہے اس تبصرہ سے امام سیوطیؒ کا غلط انداز معلوم ہو گیا جب انہوں نے اس حدیث کو "الجامع الصغیر" میں شامل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس حدیث کے کاذب ہونے پر بس یہ دلیل کافی ہے کہ یہ حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مخالف ہے کہ "مہدیؑ میری اولاد فاطمہ کی اولاد سے ہو گا" اس حدیث کو امام ابوداودؒ ۳۱۹ھ' ابن ماجہؒ ۳۲۰ھ' امام حاکمؒ ۳۲۱ھ اور ابو عمرو الدانیؒ نے "السنن الواردۃ فی الفتن" ۳۲۲ھ میں اور عقیلیؒ ۳۲۳ھ نے زیاد بن بیان کے طریق سے اس نے علی بن نفیل سے اس نے سعید بن مسیب سے اس نے امّ سلمہؓ سے مرفوع روایت کیا اس حدیث کی سند جید ہے سب راوی ثقہ ہیں نیز کثرت کے ساتھ اس کے شواہد موجود ہیں پس یہ حدیث باب کی حدیث کو واضح طور پر رد کر رہی ہے اسی طرح ایک دوسری حدیث ملاحظہ کریں۔

۸۱ - یَا عَبَّاسُ! اِنَّ اللّٰہَ فَتَحَ هٰذَا الْاَمْرَ بِیْ، وَسَیَخْتِمُهٗ بِغُلَامٍ مِنْ وُلْدِكَ، یَمْلَؤُهَا عَدْلًا؛ كَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا، وَهُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ بِعِیْسٰی.

اے عباسؓ! بے شک اللہ تعالٰی نے دین اسلام کا آغاز میرے ساتھ

کیا اور اس کا اختتام ایسے جواں سال انسان سے فرمائے گا جو تیری اولاد سے ہو گا وہ زمین کو عدل سے معمور کرے گا جس طرح وہ پہلے ظلم سے بھری ہوئی تھی۔

تحقیق: یہ حدیث موضوع ہے' اس حدیث کو خطیب بغدادیؒ نے "تاریخ بغداد" ۴/۳۳ میں احمد بن حجاج بن الصلت کے حالات میں بیان کیا ہے' انہوں نے کہا کہ ہمیں سعید بن سلیمان نے اس نے کہا' ہمیں خلف بن خلیفہ نے حدیث بیان کی اس نے مغیرہ سے اس نے ابراہیم سے اس نے علقمہ سے اس نے عمارؓ بن یاسر سے مرفوع روایت بیان کی۔

میں کہتا ہوں: اس حدیث کی سند کے تمام راوی ثقہ معروف اور مسلم کے رواۃ سے ہیں البتہ احمد بن حجاج نہیں ہے لیکن خطیب بغدادیؒ نے اس کے بارے میں جرح' تعدیل نہیں کی ہے جب کہ امام ذہبیؒ نے اس کو اس حدیث کی وجہ سے متہم قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس نے اس حدیث کو صحاح کی سند کے ساتھ مرفوع کیا یہ راوی اس حدیث کے لئے خرابی کی بنیاد ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ خطیب بغدادیؒ نے "تاریخ" میں اس کا ذکر کیا ہے اور اس راوی کو ضعیف نہیں کہا بلکہ خاموشی اختیار کی ہے اس لئے کہ اس کا حال ظاہر ہے' اور حافظ ابن حجرؒ نے "لسان المیزان" میں اس کی تائید کی ہے نیز امام سیوطیؒ نے اس حدیث کو "اللآلی المصنوعہ" ۴۳۵ میں ذکر کیا ہے اور خاموشی اختیار کی ہے۔ یہیں سے آپ کو امام ذہبیؒ اور امام سیوطیؒ کے درمیان جو فرق ہے واضح ہو جائے گا اس لئے کہ امام ذہبیؒ حافظ اور نقاد ہیں جب کہ امام سیوطیؒ رطب و یابس اکٹھا کرنے والے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ان کی کتابوں میں کثرت کے ساتھ اغلاط اور تناقض پایا جاتا ہے اس حدیث کو ابن جوزیؒ نے "الموضوعات" میں ابن عباسؓ سے اس کی مثل روایت کیا ہے اور اس کو موضوع کہا ہے۔ الغلابی راوی وضع کے ساتھ متہم ہے اور امام سیوطیؒ نے "اللآلی" ۴۳۶ میں ابن جوزیؒ کی تصدیق کی ہے البتہ "مہدی علیہ السلام امامت کرائیں گے اور عیسیٰ علیہ السلام ان کی امامت میں نماز ادا کریں گے" درست

ہے۔ اس مضمون کی کثرت کے ساتھ احادیث موجود ہیں سابقہ حدیث کی مثل آگے ذکر کی جانے والی حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

۸۲- اَلاَ اُبَشِّرُكَ يَا اَبَا الْفَضْلِ؟ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ اِفْتَتَحَ بِىْ هٰذَا الْاَمْرَ، وَبِذُرِّيَّتِكَ يَخْتِمُهٗ.

خبردار! اے ابوالفضل، میں تجھے خوشخبری دیتا ہوں کہ اللہ عزّ و جل نے دینِ اسلام کا آغاز میرے ساتھ کیا ہے اور اس کا اختتام تیری اولاد کے ساتھ کرے گا۔

تحقیق: یہ حدیث موضوع ہے، اس حدیث کو ابونعیمؒ نے "الحلیہ" ۲۷/۱ھ میں لاھز بن جعفر کے طریق سے بیان کیا ہے اس نے کہا کہ ہمیں عبدالعزیز بن عبدالصمد العمی نے حدیث بیان کی اس نے کہا، مجھے علی بن زید بن جدعان نے خبر دی اس نے سعید بن مسیّب سے اس نے ابوہریرہؓ سے مرفوع بیان کیا اور تبصرہ کیا کہ اس کی سند میں لاھز بن جعفر متفرد ہے نیز یہ حدیث غریب ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ راوی متہم ہے اس کے بارے میں ابن عدیؒ کا قول ہے کہ بغدادی مجہول ہے وہ ثقہ راویوں سے منکر احادیث بیان کرتا ہے بعد ازاں اس سے حضرت علیؓ کی فضیلت میں مروی . دیث کا ذکر کیا اور ابن عدیؒ نے اس کو باطل قرار دیا۔ امام ذہبیؒ کا قول ہے کہ اللہ کی قسم! یہ حدیث یقیناً غایت درجہ موضوع ہے جب کہ علیؓ کے بارے میں ہمارا نظریہ یہ ہے کہ اللہ کی اس پر لعنت ہو جو علیؓ سے محبت نہیں کرتا۔ "کنز العمال" کے مؤلف نے اس حدیث کا ذکر "کنز العمال" میں، ابونعیمؒ کی روایت کے ساتھ ابوہریرہؓ سے مروی ان الفاظ کے علاوہ کیا ہے جو "الحلیہ" میں ہیں۔ لیکن مجھے "الحلیہ" میں اس روایت کی اطلاع نہیں ہو سکی۔ (واللہ اعلم)

تنبیہہ: جب آپ نے اس حدیث اور اس سے ما قبل کا حال معلوم کر لیا ہے تو ان دونوں کے درمیان اور صحیح متقدم کے درمیان اختلاف نہ رہا اس لئے کہ امام مہدیؒ فاطمہؓ کی اولاد سے ہوں گے، صحیح حدیث ہے اور اس کی مخالف حدیث

شدید ضعیف ہے اس مسئلہ میں استاذ مودودی کی تالیف "البیانات" ۳۲۸ھ کا مطالعہ کریں حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں احادیث کے درمیان موافقت قائم کرنے کا کوئی متقاضی نہیں ہے جیسا کہ بعض حضرات نے ایسا کیا ہے (واللہ الموفق لا الہ سواہ)

۸۳- نِعْمَ الْمُذَكِّرُ السُّبْحَةُ، وَإِنَّ أَفْضَلَ مَا يُسْجَدُ عَلَيْهِ الْأَرْضُ، وَمَا أَنْبَتَتْهُ الْأَرْضُ.

تسبیح کے دانوں پر اللہ کا ذکر کرنا بہترین طریقہ ہے۔۔۔

تحقیق: یہ حدیث موضوع ہے' اس حدیث کو دیلمیؒ نے "مسند الفردوس" میں ذکر کیا ہے اس نے کہا کہ ہمیں عبدوس بن عبداللہ الحسین بن فختویہ ثقفی نے خبر دی اس نے کہا' ہمیں علی بن محمد بن نصر نے خبر دی نیز اس حدیث کی ہمیں محمد بن ہارون بن عیسیٰ بن منصور ہاشمی نے خبر دی اس نے کہا' محمد بن علی حمزہ علوی نے حدیث بیان کی اس نے کہا' مجھے عبدالعزیز بن موسیٰ نے حدیث بیان کی اس نے کہا' مجھے زینب بنت سلیمان بن علی نے حدیث بیان کی اس نے کہا' مجھے عبدالصمد بن موسیٰ نے حدیث بیان کی اس نے کہا' مجھے زینب بنت سلیمان بن علی نے حدیث بیان کی اس نے کہا' مجھے اُمّ الحسن بنت جعفر بن حسن نے حدیث بیان کی اس نے اپنے والد سے اس نے اپنے دادا سے اس نے علیؓ سے مرفوعا بیان کیا اس حدیث کو امام سیوطیؒ نے اپنے رسالہ "المنحۃ فی السبحہ" ۳۲۹ھ میں ذکر کیا ہے اور اس سے امام شوکانیؒ نے "نیل الاوطار" ۳۳۰ھ میں ذکر کیا ہے اور دونوں نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس حدیث کی سند غایت درجہ ظلمت میں ڈوبی ہوئی ہے اس کے تمام راوی مجہول ہیں جب کہ بعض متہم ہیں ام الحسن بنت جعفر بن الحسن کے حالات مجھے معلوم نہیں ہو سکے ہیں اور زینب بنت سلیمان بن علی کے حالات خطیب بغدادیؒ نے "تاریخ" ۳۳۱ھ میں سپرد قلم کئے ہیں اور بیان کیا ہے کہ یہ عورت افضل ترین عورتوں میں سے تھی اور عبدالصمد بن موسیٰ ہاشمی کے حالات خطیب بغدادیؒ ۳۳۲ھ نے بیان کئے ہیں لیکن اس پر جرح تعدیل نہیں کی ہے البتہ امام ذہبیؒ نے "میزان" میں خطیب بغدادیؒ سے نقل کیا ہے کہ اس نے اس کے بارے میں کہا ہے

کہ محدثین نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے شائد اس کا تذکرہ اس کی دیگر کتابوں میں ہو بعد ازاں امام ذہبیؒ نے بیان کیا کہ وہ اپنے داوا مدین ابراہیم امام سے منکر احادیث بیان کرتا ہے

میں کہتا ہوں: اس حدیث کی آفت شائد یہی شخص ہے اور محمد بن علی بن حمزہ علوی راوی کے حالات خطیب بغدادیؒ ۴۳۳ نے بھی بیان کیے ہیں اور ابن ابی حاتم کا قول بیان کیا ہے کہ میں نے اس سے سنا اور وہ سچا انسان ہے ۲۸۶ھ میں فوت ہوا اور محمد بن ہارون دراصل محمد بن ہارون بن عباس بن ابی جعفر المنصور ہے اس طرح خطیب بغدادیؒ ۴۳۴ نے اس کا ذکر کیا ہے اور بیان کیا کہ یہ شخص علم و فضل سے بہرہ ور اور باوقار خطیب تھا اور بغداد میں شہر کی مسجد کا پچاس سال امام رہا اس کی وفات ۳۰۹ھ ہے جب کہ دیگر راویوں کے حالات مجھے نہیں مل سکے ہیں معلوم ہوا کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے قابلِ حجت نہیں ہے نیز حدیث معنوی لحاظ سے میرے نزدیک کائی وجوہ سے باطل ہے۔

پہلی وجہ: تسبیح کے دانوں پر ذکر کرنا بدعت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت میں اس کا ثبوت نہیں ملتا آپؐ کے دور کے بعد اس کا رواج ہوا ہے اس کی تائید علماء لغت کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ لفظ "سُبْحَة" مولد ہے اہل عرب اس سے آشنا نہیں ہیں ۴۳۵ تو جب آپؐ کے دور میں اس کا ثبوت نہیں ملتا تو کیسے یہ بات باور کی جا سکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرامؓ کو ایسے کام پر راغب کریں جس کا انہیں علم نہیں ہے؟ اس کی دلیل ابن وضّاح قرطبی کی وہ روایت ہے جو "البدع والنّهي عنها" ۴۳۶ میں صلت بن بہرام سے مروی ہے اس نے بیان کیا کہ عبداللہؓ بن مسعود ایک عورت کے قریب سے گزرے اس کے پاس تسبیح تھی جس کے دانوں پر وہ تسبیح کر رہی تھی۔ ابن مسعودؓ نے اس کو کاٹ کر پھینک دیا بعد ازاں ان کا گزر ایک ایسے آدمی کے پاس سے ہوا جو کنکروں پر تسبیح پڑھ رہا تھا آپ نے اس کے پاؤں مارا پھر اسے کہا، تم سے پہلے دین اسلام کی تعلیمات موجود ہیں لیکن تم ظلمت و بدعت میں مستغرق ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کے پاس جو علم تھا تم اس سے آشنا نہیں ہو۔ خیال رہے اس حدیث کی سند صلت راوی

تک صحیح ہے اور صلت راوی ثقہ ہے اور تبع تابعین سے ہے لیکن شیخ حبشی کا یہ کہنا کہ وہ مجہول ہے یہ اس کا اپنا خیال ہے۔ ہم نے اس کا رد کیا ہے ملاحظہ فرمائیں ۲۳۷ھ۔

نیز یہ روایت ابان بن ابی عیاش سے مروی ہے اس نے بیان کیا کہ میں نے حسنؓ سے "النظام" کے بارے میں سوال کیا اس سے مقصود دھاگہ ہے جس میں موتی اور خرمہرے وغیرہ پروئے جاتے ہیں ان پر تسبیح پڑھی جاتی ہے یعنی ذکر الہی کیا جاتا ہے۔ حسنؓ نے جواب دیا' یہ کام نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں نے اور نہ ہی مہاجر عورتوں نے کیا ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔

دوسری وجہ: یہ طریقہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے خلاف ہے عبداللہؓ بن عمرو نے بیان کیا' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپؐ اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں پہ سبحان اللہ کے کلمات پڑھتے اور گرہ لگاتے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ اور امام ترمذیؒ نے روایت کیا۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اور امام حاکمؒ ۴۰۴ھ اور امام ذہبیؒ ۷۴۸ھ نے بیان کیا کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے جیسا کہ امام ذہبیؒ نے ذکر کیا ہے جب کہ یہ کیفیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہے جب آپؐ نے بعض عورتوں سے کہا "تم سبحان اللہ' لا الہ الا اللہ اور اس کی قدوسیت کا ذکر کرو' تم ہرگز غفلت میں نہ پڑنا کہ تم اللہ کی وحدانیت کو فراموش کر جاؤ" ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں "رحمت کو فراموش کر جاؤ اور ہاتھوں کی انگلیوں کی گرہوں پر شمار کرو ان سے سوال ہو گا اور وہ بتائیں گی"

یہ حدیث حسن درجہ کی ہے اس کو امام ابوداؤدؒ اور دیگر محدثین نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے اس حدیث کو امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے صحیح کہا ہے امام نوویؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے حسن کہا اور اس حدیث کا حضرت عائشہؓ سے مروی ایک موقوف شاہد ہے یہی وجہ ہے کہ ایک جماعت نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اس کا ذکر شیخ محمد خلیل القاوقجی نے "الشوارق الانوار الجلیلہ" ۱۳۰۵ھ میں کیا ہے بعد ازاں مجھے علم ہوا کہ حدیث اس سے کہیں زیادہ ضعیف ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے حدیث کے ضعیف ہونے کی اصل خرابی محمد بن ہارون بن عیسیٰ بن

المنصور الہاشمی راوی ہے وہ احادیث وضع کیا کرتا تھا آئندہ اوراق میں اس کا ذکر آئے گا۔ اسی حدیث کی تحقیق میں محمد بن ہارون راوی کے بارے میں تزکیہ کے کچھ الفاظ تحریر ہو گئے ہیں جو دراصل میرا وہم ہے حقیقت میں "تاریخ خطیب" میں اس کے حالات بیان ہوئے ہیں ان سے میں ناواقف تھا چنانچہ خطیب بغدادیؒ نے محمد بن ہارون کے بارے میں کہا ہے کہ محمد ہارون بن یحییٰ بن ابراہیم بن عیسیٰ بن ابی جعفر المنصور کنیت ابواسحاق اور معروف ابن بریہ کے ساتھ ہے اس کی احادیث میں کثرت کے ساتھ منکر احادیث ہیں نیز امام دارقطنیؒ نے اس کو "لا شئی" قرار دیا ہے۔ "تاریخ دمشق" میں ابن عساکرؒ نے کہا ہے کہ وہ احادیث وضع کرتا تھا بعد ازاں اس کی ایک حدیث ذکر کرنے کے بعد کہا کہ یہ حدیث اس کی موضوع احادیث میں سے ہے نیز خطیب بغدادیؒ نے اس کو متہم کہا ہے چنانچہ اس نے اس حدیث کے بعد جس کی جانب اشارہ ۳۴۳ھ کیا ہے۔ کہا ہے کہ ہاشمی 'ابن بریہ کے ساتھ معروف ہے' ذاہب الحدیث اور وضع کے ساتھ متہم ہے اور میں نے یقین کے ساتھ کہا ہے کہ حدیث کا راوی یہ شخص ہے اس لئے کہ اس حدیث کی سند میں محمد بن ہارون بن یحییٰ ہے اور اس میں محمد بن ہارون بن العباس نہیں ہے یہ دونوں الگ الگ راوی ہیں اتفاق ہے کہ ان کا اور ان کے والد کا نام ایک ہے البتہ دونوں کے دادا کے نام میں اختلاف ہے پہلے راوی کے دادا کا نام یحییٰ ہے اور دوسرے راوی کے دادا کا نام العباس ہے اور وہ مستور ہے جب کہ پہلا متہم ہے پس حدیث کے وضع ہونے کا شبہ اس میں بند ہے لیکن عبدالصمد کا ذمہ اس سے بری ہے اگرچہ راوی ضعیف ہے اور منکر روایات بیان کرتا ہے۔ خیال رہے اس حقیقت پسندانہ تجزیہ کے لئے میری دماغی کاوشوں کا محور وہ قدیم مقالہ ہے جو میں نے اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے مرتب کیا تھا (فالحمد للہ علی توفیقہ)

اس حدیث پر میں نے جو تحقیق پیش کی ہے اس سے قبل میں نے "التعقب الحثیث" (جو شیخ حبشی کی تالیف ہے) کے رد میں تحریر کیا تھا۔

اگر اعتراض کیا جائے کہ بعض احادیث میں کنکروں پر تسبیح کرنے کا ذکر ہے اور آپؐ نے ان کے اس فعل کو برقرار رکھا اس لحاظ سے کنکروں کو شمار کرتے ہوئے

تسبیح کرنا یا تسبیح کے دانوں کو شمار کرتے ہوئے تسبیح کرنا دونوں برابر ہیں ان میں کچھ فرق نہیں جیسا کہ امام شوکانیؒ نے کہا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس بات کو تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ اگر اس کے بارے میں ذکر کردہ احادیث صحیح ہوں جب کہ احادیث صحیح نہیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ اس مسئلہ میں دو احادیث پیش کی جا سکتی ہیں جن کو امام سیوطیؒ نے اپنے رسالہ میں ذکر کیا ہے' ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ان احادیث کو بیان کریں اور ان میں جو علت پائی جاتی ہے اس سے مطلع کریں۔

پہلی حدیث : سعدؓ بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ایک عورت کے ہاں گئے اس کے آگے کھجور کی گٹھلیاں یا کنکر تھے جن پر وہ تسبیح کر رہی تھی آپؐ نے اس سے کہا کہ میں تجھے اس سے آسان یا افضل کام بتاتا ہوں آپؐ نے فرمایا "سُبْحَانَ اللّٰهِ عددَ مَا خلق فِي السَّمَاءِ ــــــ" کا ورد کر (الحدیث)۔ اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ ۳۴۵ھ' امام ترمذیؒ ۳۴۶ھ' امام دورقیؒ ۳۴۷ھ نے "مسند سعد" میں اور امام المخلصؒ نے "الفوائد" ۳۴۸ھ اور امام حاکمؒ ۳۴۹ھ نے عمرو بن حارث کے طریق سے روایت کیا ہے کہ سعید بن ہلال نے اس کو خزیمہ سے حدیث بیان کی اس نے عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص سے اس نے اپنے والد سے بیان کیا۔ نیز اس حدیث کو امام سیوطیؒ نے "المنح" میں "نسائی" اور "ابن ماجہ" کی طرف منسوب کیا ہے نیز امام شوکانیؒ نے اس کی متابعت کی ہے لیکن اس پر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں۔

پہلا اعتراض : ابن ماجہ نے اس حدیث کو ذکر نہیں کیا ہے۔

دوسرا اعتراض : امام نسائیؒ نے اس حدیث کو "الیوم واللیلہ" میں روایت کیا ہے مناسب تھا کہ اس حدیث کو مقید کیا جاتا۔

امام ترمذیؒ نے حدیث کو حسن قرار دیا جب کہ امام حاکمؒ نے صحیح الاسناد کہا۔ امام ذہبیؒ نے اس کی موافقت کی ہے لیکن غلطی کی ہے اس لئے کہ خزیمہ راوی مجہول ہے امام ذہبیؒ نے "میزان" میں کہا ہے کہ خزیمہ معروف نہیں ہے۔ سعید بن ابی ہلال اس سے روایت کرنے میں متفرد ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے بھی "التقریب"

میں اس کو غیر معروف کہا ہے اور سعد بن ابی ہلال راوی کے ثقہ ہونے کے باوجود الساجی نے امام احمدؒ سے نقل کیا ہے کہ اس کو اختلاط ہو گیا تھا تو ایسے راوی کی حدیث کو صحیح یا حسن کیسے کہا جا سکتا ہے؟

دوسری حدیث صفیہؓ سے مروی ہے اس نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے میرے آگے چار ہزار کھجور کی گٹھلیاں تھیں میں ان کو شمار کرتے ہوئے تسبیح کر رہی تھی آپؐ نے فرمایا' اے حیی کی بیٹی! یہ کیا ہے؟ میں نے جواب دیا' میں ان پر تسبیح کر رہی ہوں آپؐ نے فرمایا' میں جب سے تیرے سر پر کھڑا ہوں میں نے تجھ سے زیادہ بار تسبیح کی ہے۔ میں نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! مجھے آپ تعلیم دیں۔ آپؐ نے فرمایا' تو کہہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ عدد ما خلق اللہ مِنْ شَيْءٍ" (مخلوقات کی گنتی کے برابر اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہوں) اس حدیث کو امام ترمذیؒ ۵۰ھ اور ابوبکر الشافعیؒ ۵۱ھ نے "الفوائد" میں اور امام حاکمؒ ۵۲ھ نے ہاشم بن سعید کے طریق سے اس نے کنانہ سے جو صفیہؓ کا غلام ہے اس نے صفیہؓ سے یہ حدیث بیان کی اور امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے جب کہ اس پر تبصرہ کیا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے ہم اس حدیث کو اس طریق یعنی ہاشم بن سعید الکوفی سے ہی جانتے ہیں اس کی سند معروف نہیں ہے نیز اس باب میں ابن عباسؓ سے روایت ہے البتہ امام حاکمؒ نے اس حدیث کو صحیح الاسناد کہا ہے۔ امام ذہبی نے اس کی تائید کی ہے اور امام سیوطیؒ نے "المنحہ" میں اس کی متابعت کی ہے۔ امام شوکانیؒ اس وجہ سے دھوکے میں آ گئے لیکن امام ذہبیؒ سے یہ بات انوکھی ہے جب کہ انہوں نے ہاشم بن سعید کا ذکر "میزان" میں کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ ابن معینؒ نے اس کو "لیس بشئی" کہا ہے نیز ابن عدیؒ کا قول ہے کہ جس قدر بھی اس کی مرویات ہیں ان کی متابعت نہیں ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے اس کو "التقریب" میں ضعیف کہا ہے اور کنانہ راوی مجہول الحال ہے۔ ابن حبانؒ کے علاوہ اس کو کسی نے ثقہ نہیں کہا ہے اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ابن حبانؒ کی توثیق کو جرح و تعدیل کے آئمہ کچھ وقعت نہیں دیتے ہیں۔ میں نے اس کی تحقیق کا تفصیل کے ساتھ اس مقالہ میں ذکر کیا ہے جو الشیخ حبشی کے رد ۵۳ھ میں ہے اسی لئے حافظ ابن حجرؒ نے

کنانہ کے بارے میں اس کی توثیق کا کچھ اعتبار نہیں کیا ہے بلکہ "تقریب" میں اشارہ کیا ہے کہ وہ لین الحدیث ہے اور امام ذہبیؒ نے "الکاشف" میں توثیق مذکور کو ضعیف قرار دیا ہے جو اس کے لفظ "وثق" کے ساتھ ہے۔ ان دونوں احادیث کے ضعف پر یہ قرینہ دال ہے کہ یہ واقعہ ابن عباسؓ سے مروی ہے لیکن اس میں کنکروں کا ذکر نہیں ہے اس کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

جویریہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس سے صبح سویرے نماز سے فراغت کے بعد باہر نکلے جب کہ وہ اپنی نماز کی جگہ میں تھی۔ آپؐ چاشت کے بعد واپس گھر لوٹے تو وہ ابھی بیٹھی ہوئی تھی۔ آپؐ نے اس سے دریافت کیا، بھلا تو اس حالت میں رہی ہے جس حالت پر میں تجھے چھوڑ کر گیا تھا؟ اس نے اثبات میں جواب دیا اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں نے تیرے پاس سے جانے کے بعد چار کلمات تین بار کہے ہیں اگر ان کا وزن ان کلمات سے کیا جائے جو شروع دن سے تو نے کہے ہیں تو ان پر بھاری ہوں گے وہ کلمات یہ ہیں۔

"سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَ رِضَا نَفْسِهٖ وَ زِنَةَ عَرْشِهٖ وَ مِدَادَ كَلِمَاتِهٖ"

(ترجمہ) اللہ پاک ہے میں اس کی تعریف بیان کرتا ہوں جس قدر اس کی مخلوق ہے جس قدر اس کی رضامندی ہے جس قدر اس کے عرش کا وزن ہے جس قدر اس کے کلمات کی سیاہی ہے۔

اس حدیث کو امام مسلمؒ ۵۴ھ اور امام ترمذیؒ ۵۵ھ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے نیز اس کو ابن ماجہؒ ۵۶ھ اور احمدؒ ۵۷ھ نے روایت کیا ہے۔ اس صحیح حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

پہلی بات: صاحب واقعہ جویریہؓ ہے صفیہؓ نہیں ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں صفیہؓ کا ذکر ہے۔

دوسری بات: اس واقعہ میں کنکروں کے ذکر سے انکار کیا جاتا ہے اس کی تائید عبداللہؓ بن مسعود کے انکار سے واضح ہے کہ جب انہوں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ کنکریوں پر تسبیح کر رہے ہیں۔ یہ واقعہ عبداللہؓ بن مسعود سے متعدد طرق کے ساتھ وارد ہے ان میں سے ایک کا ذکر پہلے ہو چکا ہے لیکن شیخ حبشی نے اس طریق کو تسلیم

کرنے سے انکار کیا ہے میں نے ان میں سے ایک طریق کو صحیح سند کے ساتھ ذکر کرکے اس کا رد کیا ہے ۵۸ھ۔ اگر کنکروں پر تسبیح کرنے کا عمل ثابت ہوتا اور آپؐ نے اسے برقرار رکھا ہوتا تو ابن مسعودؓ جیسے شخص پر یہ عمل مخفی نہ رہتا پھر عبداللہؓ بن مسعود کے مدرسہ سے فراغت حاصل کرنے والے ابراہیم نخعیؒ کوفی جیسے فقیہ اس عمل کا انکار نہ کرتے حالانکہ ابن مسعودؓ اپنی بیٹی کو منع کرتے ہیں کہ وہ تسبیح کے دانوں کو پرونے کے لئے دھاگوں کے تیار کرنے پر ہرگز مدد نہ کرے۔ اس واقعہ کو ابن ابی شیبہؒ نے "مصنف" ۵۹ھ میں جیّد سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

اس حوالہ سے اور اس سے ماقبل کی بحث سے شیخ حبشی کے مسلک کا رد ہو رہا ہے شیخ حبشی کا یہ خیال درست نہیں کہ مجھ سے پہلے تسبیح پر ذکر کرنے کا انکار کسی اہل علم سے ثابت نہیں تردید ملاحظہ فرمائیں۔ ۶۰ھ

ایک اعتراض اور اس کا جواب: بعض لوگ کہتے ہیں کہ انگلیوں پر شمار کرنا (جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے) اس صورت میں گنتی کرتے ہوئے غلطی لگ جاتی ہے یا گنتی ممکن نہیں رہتی جب کہ گنتی زیادہ ہو۔ اس کا جواب نہایت واضح ہے دراصل یہ ایسا اشکال ہے جو دوسری بدعت کا پیدا کردہ ہے اور وہ بدعت یہ ہے کہ اللہ کا ذکر ایسی محصور گنتی سے کیا جائے جس کا تعین شارح سے ثابت نہیں ہے۔ دراصل تسبیح کے دانوں پر ذکر کرنے کی بدعت کو ایسی ہی بدعت نے جنم دیا ہے خیال کیجئے کہ سنت صحیحہ میں ذکر وغیرہ کے سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ گنتی سو کے عدد تک کی ہے اور سو کی گنتی کو آسانی کے ساتھ انگلیوں پر شمار کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ اس کی عادت ہو اگر تسبیح کے دانوں پر ذکر کرنا صرف ایک ہی برائی ہوتی کہ اس سے انگلیوں پر شمار کرنے کی سنت ختم ہو کر رہ گئی ہے یا قریب الاختتام ہے (جب کہ ان کا اتفاق ہے کہ انگلیوں پر شمار کرنا افضل ہے) تو اس کے لئے یہ کافی تھا لیکن یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ کوئی شیخ انگلیوں پر تسبیح کر رہا ہو۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ اس بدعت میں مبتلا ہو چکے ہیں وہ عجیب انداز اختیار کرتے ہیں آپ نے ملاحظہ کیا ہو گا کہ بعض اصحابِ طریقت جو تصوف کے کسی ایک مشرب کے حامی ہیں وہ اپنی گردن میں. تسبیح ڈال کر رکھتے ہیں اور کچھ ایسے لوگ بھی دیکھنے میں آتے ہیں جو آپ سے باتیں بھی کر

رہے ہوتے ہیں آپ کی باتوں کو سن بھی رہے ہوتے ہیں اور تسبیح کے دانوں کو بھی حرکت دیتے رہتے ہیں اور چند دنوں کی بات ہے کہ میں نے ایک شخص کو موٹرسائیکل پر دیکھا کہ وہ ایسی گلیوں میں موٹرسائیکل چلا رہا ہے جہاں ازدہام ہے اور اس کے ایک ہاتھ میں تسبیح ہے دراصل ایسے لوگ اس قسم کا مظاہرہ کرنے سے لوگوں کو باور کراتے ہیں کہ وہ آنکھ جھپکنے کے بقدر بھی اللہ کے ذکر سے غافل نہیں رہتے یہ ایسی بدعت ہے کہ اکثر اوقات یہ بدعت ایک فرض کو ضائع کرنے کا سبب بن جاتی ہے چنانچہ یہ واقعہ متعدد بار میرے ساتھ پیش آیا (اور دوسرے لوگوں کو بھی پیش آتا ہو گا) کہ میں ایسے لوگوں کو جب سلام کہتا ہوں تو وہ تسبیح کے اشارے کے ساتھ مجھے جواب دیتے ہیں زبان سے سلام کا جواب نہیں دیتے اگر غور کیا جائے تو اس بدعت کے مفاسد بے شمار ہیں ایک شاعر نے خوب کہا ہے۔

؎ وَكُلُّ خَيْرٍ فِي اِتِّبَاعِ مَنْ سَلَفْ وَكُلُّ شَرٍّ فِي اِبْتِدَاعِ مَنْ خَلَفْ

سلف کی اتباع میں ہر قسم کی خیر ہے اور ناخلف لوگوں کی بدعات میں ہر قسم کا شر ہے۔

تیسری حدیث: نیز مجھے ایک تیسری حدیث سے بھی واسطہ پڑا جو ابوہریرہؓ سے مرفوع مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنکروں پر تسبیح کرتے تھے لیکن اس کی سند غایت درجہ ضعیف ہے نیز اس مسئلہ میں امام مالکؒ سے موضوع احادیث روایت کرنے والے رواۃ بھی موجود ہیں اس کا ذکر دوسرے ہزار کے آغاز میں آئے گا۔ (انشاء اللہ)

۸۴- كُلُّكُمْ اَفْضَلُ مِنْهُ.

تم سب اس سے افضل ہو۔

تحقیق: یہ حدیث ضعیف ہے، سنت کی کتابوں میں مجھے یہ حدیث نہیں مل سکی البتہ ابن قتیبہؒ نے اس حدیث کو "عیون الاخبار" میں ضعیف سند کے ساتھ ذکر کیا ہے اس نے بیان کیا ۲۶۱ھ کہ مجھے محمد بن عبید نے حدیث بیان کی اس نے معاویہ بن عمرے اس نے ابواسحاق سے اس نے خالد حذاء سے اس نے ابوقلابہ سے اس نے

مسلم بن یسار سے کہ اشعر قبیلہ کے کچھ رفقاء ایک سفر میں تھے جب وہ آئے تو انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص فلاں سے افضل نہیں ہے وہ دن بھر روزے سے رہتا ہے جب ہم (کسی جگہ آرام کے لئے) اترتے ہیں تو وہ سفر پر روانہ ہونے تک نماز پڑھتا رہتا ہے آپؐ نے ان سے دریافت کیا کہ اس کے کام کون سرانجام دیتا اور محنت کرتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہم کرتے ہیں (اس پر) آپؐ نے فرمایا' تم سب اس سے افضل ہو۔

اس حدیث کی سند ضعیف ہے اس کے تمام رواۃ ثقہ ہیں البتہ روایت مرسل ہے اس لئے کہ مسلم بن یسار بصری اموی تابعی ہے اور اس کے حالات میں مذکور ہے کہ وہ اکثر طور پر ابوالاشعث صنعانی اور ابوقلابہ سے روایت کرتا ہے اور اس کی یہ حدیث ابوقلابہ سے ہے ان دونوں کی وفات سن ۱۰۰ھ کے چند سال بعد ہوئی ہے جب کہ ابوقلابہ راوی مدلس ہے۔ امام ذہبیؒ نے "میزان" میں اس کے حالات بیان کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ ابوقلابہ مشہور امام اور ثقہ عالم ہیں' ان کا شمار تابعین میں ہوتا ہے البتہ مدلس ہیں۔ جن سے ان کی ملاقات ہے اور جن سے ان کی ملاقات نہیں ہے ان سے بھی روایت کرتے ہیں اس کے پاس کچھ مجموعے تھے جن سے وہ بیان کرتا اور تدلیس کرتا تھا اسی لئے حافظ برہان الدین عجمی حلبیؒ نے اپنے رسالہ "التبیین لأسماء المدلسین" ۳/۱۲ میں اس کا ذکر کیا ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے بھی "طبقات المدلسین" ۳/۱۳ میں اس کا ذکر کیا ہے نیز امام ذہبیؒ اور علائیؒ نے اس کو مدلس کہا ہے پس اگر یہ حدیث ارسال سے محفوظ ہے تو ابوقلابہ کے "بصیغہ عن" روایت کرنے سے تو محفوظ نہیں ہے بہرحال ضعیف ہے اور اس حدیث سے انسؓ کی حدیث مستغنی کر دیتی ہے انہوں نے بیان کیا کہ ہم ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں تھے ہم میں کچھ لوگ روزہ دار تھے اور بعض کا روزہ نہیں تھا' دن گرم تھا ہم ایک مقام پر اترے ہم میں اکثر ساتھیوں نے چادروں کے ساتھ سایہ کیا اور کچھ ایسے ساتھی بھی تھے جو صرف ہاتھ کے ساتھ سورج کی گرمی سے بچاؤ حاصل کر رہے تھے (راوی کا بیان ہے) روزے دار تو (آرام کے لئے) دراز ہو گئے اور جو روزے سے نہیں تھے وہ کھڑے ہو گئے انہوں نے خیمے لگائے اور جانوروں کو پانی پلایا

(اس پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جو لوگ روزہ سے نہیں ہیں انہوں نے آج ثواب حاصل کر لیا ہے۔ ۴۶۴ؔ

۸۵- يُقْتَلُ عِنْدَ كَنْزِكُمْ ثَلَاثَةٌ؛ كُلُّهُمْ اِبْنُ خَلِيْفَةٍ، ثُمَّ لَا يَصِيْرُ اِلٰى وَاحِدٍ مِّنْهُمْ، ثُمَّ تَطْلُعُ الرَّايَاتُ السُّوْدُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ، فَيَقْتُلُوْنَكُمْ قَتْلاً لَمْ يَقْتُلْهُ قَوْمٌ، ثُمَّ ذَكَرَ شَيْئاً لَا اَحْفَظُهُ، فَقَالَ: فَاِذَا رَاَيْتُمُوْهُ؛ فَبَايِعُوْهُ، وَلَوْ حَبْواً عَلَى الثَّلْجِ، فَاِنَّهٗ خَلِيْفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِيُّ.

وَفِيْ رِوَايَةٍ: اِذَا رَاَيْتُمُ الرَّايَاتِ السُّوْدَ خَرَجَتْ مِنْ قِبَلِ خُرَاسَانَ؛ فَاْتُوْهَا، وَلَوْ حَبْوًا. . . الخ.

تمہارے خزانے کے باعث تین انسان قتل ہوں گے وہ تینوں خلیفہ کے بیٹے ہوں گے پھر ان میں سے کسی کو کچھ نہ ملے گا بعد ازاں مشرق کی جانب سے سیاہ جھنڈے نمودار ہوں گے وہ تمہیں ایسے قتل کریں گے کہ اس قسم کا قتل کسی قوم نے نہ کیا ہوگا بعد ازاں اس نے کسی بات کا ذکر کیا مجھے وہ بات یاد نہیں ہے اور کہا جب تم اس کو دیکھو تو اس کی بیعت کرو اگرچہ برف پر کیوں نہ بیٹھنا پڑے وہ اللہ کا خلیفہ مہدی ہے دوسری روایت میں ہے جب تم سیاہ رنگ کے جھنڈوں کو دیکھو کہ وہ خراسان کی طرف سے نمودار ہوئے ہیں تو ان جھنڈوں کے پاس پہنچو اگرچہ تمہیں خود کو گھسیٹنا پڑے۔

تحقیق: یہ حدیث منکر ہے' اس حدیث کو ابن ماجہؒ ۴۶۵ؔ اور امام حاکمؒ ۴۶۶ؔ نے خالد حذاء کے طریق سے اس نے ابوقلابہ سے اس نے ابواسماء سے اس نے ثوبان سے پہلی روایت کی مثل بیان کیا نیز اس کو امام احمدؒ ۴۶۷ؔ نے علی بن زید اور امام حاکمؒ ۴۶۸ؔ نے خالد حذاء سے اس نے ابوقلابہ سے اس حدیث کو بیان کیا لیکن علی بن زید بن جدعان نے اپنی سند میں ابواسماء کا ذکر نہیں کیا ہے دراصل یہ اس کا

وہم ہے نیز اس حدیث کو اس کے طریق سے ابن جوزیؒ "الاحادیث الواھیہ" میں ذکر کیا ہے جس طرح حافظ ابن حجرؒ کی کتاب "القول المسدد فی الذب عن المسند" ۴۹ میں ہے اس نے بیان کیا ہے کہ علی بن زید راوی میں ضعف ہے۔ اس کی بنا پر امام مناویؒ نے اس حدیث کو معلول قرار دیا ہے اس نے بیان کیا ہے کہ "میزان" میں امام احمدؒ اور اس کے علاوہ دیگر محدثین سے اس کا ضعیف ہونا منقول ہے نیز امام ذہبیؒ کا قول ہے کہ میں اس حدیث کو منکر خیال کرتا ہوں نیز ابن جوزیؒ نے اس حدیث کو "الموضوعات" میں داخل کیا ہے لیکن ابن حجرؒ کا قول ہے کہ ابن جوزیؒ نے صحیح نہیں کیا جب کہ رواۃ میں سے کوئی بھی متہم با لکذب نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کلام میں کچھ غلطیاں ہیں جن پر متنبہ کرنا ضروری ہے۔

پہلی غلطی: ابن جدعان کے بارے میں وہم کرنا کہ وہ متفرد ہے اس وجہ سے حدیث کو معلول قرار دینا درست نہیں ہے اس لئے کہ "مستدرک حاکم" اور "ابن ماجہ" میں اس کی متابعت خالد حذاء نے کی ہے جیسا کہ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور خالد حذاء ثقہ صحیحین کے رواۃ سے ہے۔

دوسری غلطی: نیز یہ وہم کرنا کہ ابن جوزیؒ نے اس حدیث کو ابن جدعان کے طریق سے بیان کیا ہے جب کہ یہ بات درست نہیں ہے اس لئے کہ اس نے اس حدیث کو عمرو بن قیس کے طریق سے بیان کیا ہے اس نے حسن سے اس نے ابوعبیدہ سے اس نے عبداللہؓ بن مسعود سے مرفوع بیان کیا جیسا کہ ثوبان سے دوسری روایت ہے بعد ازاں ابن جوزیؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث کا کچھ اصل نہیں ہے عمرو بن قیس لاشیئ ہے اس نے حسن سے نہیں سنا اور نہ ہی حسنؒ نے ابوعبیدہؓ سے سنا ہے۔

میں کہتا ہوں: ابوعبیدہ نے بھی اپنے والد ابن مسعودؓ سے نہیں سنا۔ امام سیوطیؒ نے "اللآلی" ۲/۳۰۷ میں ابن ثوبان کی حدیث کے ساتھ اس کا تعاقب کیا ہے نیز اس نے "الزوائد" ۳/۷۱ میں کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور اس کے رواۃ ثقہ ہیں اور امام حاکمؒ کا قول ہے کہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے نیز امام ذہبیؒ نے اس کی

موافقت کی ہے باوجود اس بات کے وہ "میزان" میں کہتے ہیں کہ میں اس حدیث کو منکر خیال کرتا ہوں جیسا کہ پہلے اس کا ذکر گزر چکا ہے اور یہی بات درست ہے لیکن جس شخص نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے وہ اس کی علت سے غافل ہے اور علت یہ ہے کہ ابوقلابہ راوی جو مدلسین سے ہے' اس نے "عن" کے ساتھ حدیث بیان کی ہے جیسا کہ اس سے قبل والی حدیث کی بحث میں امام ذہبیؒ اور دیگر محدثین سے اس کا نقل کرنا پہلے گزر چکا ہے۔ البتہ حدیث معنی کے لحاظ سے صحیح ہے یہ جملہ کہ "اس میں اللہ کا خلیفہ مہدی ہے" اس جملہ کو ابن ماجہؒ ۴۰۸۴ نے علقمہ کے طریق سے اس نے ابن مسعودؓ سے ثوبان کی دوسری روایت کی طرح مرفوع بیان کیا ہے اس کی سند حسن ہے جب کہ اس میں "خلیفۃُ اللہ" کے الفاظ نہیں ہیں ان الفاظ کا کوئی طریق ثابت نہیں ہے اور نہ کوئی طریق اس صلاحیت کا مالک ہے کہ اس کو اس کا شاہد کہا جا سکے پس یہ جملہ منکر ہے جیسا کہ امام ذہبیؒ کا پہلا کلام اس کا فائدہ بخشتا ہے اور اس کے منکر ہونے کی یہ وجہ بھی ہے کہ شریعت میں ہرگز جائز نہیں ہے کہ کسی شخص کے بارے میں کہا جائے کہ فلاں اللہ کا خلیفہ ہے اس لئے کہ اس کے اس جملہ میں ایسے نقص اور عجز کا وہم دلاتا ہے جو اللہ کی شان کے مناسب نہیں ہے چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فتاویٰ ۲/۴۶۱ میں کہا ہے کہ کچھ غلط فہم کے لوگوں کا خیال ہے جن میں ابن عربی پیش پیش ہے کہ خلیفہ سے مقصود اللہ کا خلیفہ ہے جیسے اللہ کا نائب کہا جاتا ہے جب کہ اللہ کے لئے اس کا خلیفہ بنانا جائز نہیں یہی وجہ ہے کہ جب صحابہ کرامؓ نے ابوبکرؓ کو خلیفہ اللہ کہا تو ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ میں اللہ کا خلیفہ نہیں ہوں البتہ اللہ کے رسول کا خلیفہ ہوں مجھے یہی اعزاز بس کرتا ہے ۴۶۲ البتہ اللہ پاک اپنے غیر کا خلیفہ ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے (اے اللہ!) "تو سفر کا رفیق ہے اور اہل (وعیال) کا خلیفہ ہے۔ اے اللہ! ہمارے سفر میں ہمارا رفیق بنا رہ اور ہمارے اہل میں ہمارا خلیفہ بنا رہ"

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ زندہ' حاضر' محافظ' قائم دائم' نگران' حفاظت فرمانے والا اور دونوں جہانوں سے مستغنی ہے اس کا کوئی شریک اور اس کو کوئی مدد

پہنچانے والا نہیں اور اس کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر کوئی شخص سفارش نہیں کر سکتا اور خلیفہ کا تصور یہ ہے کہ خلیفہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ ذات جس کا وہ خلیفہ ہے فوت ہو جائے یا غائب ہو جائے اور خلیفہ اس کی ضرورت ہو اور خلیفہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ میدان جنگ سے پیچھے رہتا ہے اور وہ فوج کے قائد کا خلیفہ ہے۔ لیکن یہ سب معانی اللہ تعالیٰ کے حق میں پورا نہیں اترتے۔ اللہ پاک کی ذات ان سب سے منزّہ ہے اللہ پاک تو زندہ حاضر ہے اس پر کبھی موت طاری نہ ہوگی اور نہ وہ کبھی غیرحاضر ہو گا اور کوئی بھی اس کا خلیفہ نہیں ہے نہ کوئی اس کا قائم مقام ہے اللہ پاک کی ذات کا کوئی برابر نہیں ہے نہ اس کا کوئی مثل ہے پس جو شخص کسی کو اللہ کا خلیفہ بناتا ہے وہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والا ہے۔

۸۶ - اَلطَّاعُوْنُ وَخْزُ اِخْوَانِكُمْ مِنَ الْجِنِّ.

طاعون کی وبا تمہارے "جن" بھائیوں کی طرف سے ایک گرفت ہے۔

تحقیق: اس حدیث کا ان الفاظ کے ساتھ کچھ اصل نہیں ہے' اگرچہ ابن الاثیر نے اس حدیث کو "نہایہ" میں "وخز" کے مادہ میں ھرویؒ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ذکر کیا ہے حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری ۷۵/۱۰ میں ذکر کیا ہے کہ میں نے طویل موثر جستجو کے باوجود مسند احادیث کے کسی طریق میں بلکہ کتب مشہورہ اور اجزائے منشورہ میں ان الفاظ کے ساتھ اس حدیث کو نہیں پایا ہے جب کہ بعض محدثین نے اس حدیث کی نسبت "مسند احمد" اور "طبرانی" اور ابن ابی الدنیا کی کتاب "الطواعین" کی جانب کی ہے لیکن ان کتابوں میں سے کسی کتاب میں اس حدیث کا وجود نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ حدیث مسند احمد ۷۶/۴' معجم الصغیر طبرانی ۷۷/۴' اور مستدرک حاکم ۷۸/۴ میں ابوموسیٰ اشعریؓ سے متعدد طرق کے ساتھ ان الفاظ کے ساتھ مرفوع مروی ہے کہ "طاعون تمہارے دشمن "جنوں" کی جانب سے ایک گرفت ہے" امام حاکمؒ نے اس حدیث کو مسلمؒ کی شرط پر صحیح کہا ہے اور امام ذہبیؒ نے اس کی موافقت کی ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ حدیث صحیح ہے لیکن مسلم کی شرط پر نہیں ہے اس لئے کہ

اس حدیث کی سند میں امام حاکمؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک بعض طرق میں ابو ہلح راوی ہے اس کا نام یحییٰ بن سلیم ہے اور وہ ثقہ ہے جب کہ وہ مسلم کے راویوں میں سے نہیں ہے لیکن امام احمدؒ کے ہاں اس حدیث کا ایک دوسرا طریق صحیح سند کے ساتھ مذکور ہے نیز حافظ ابن حجرؒ نے اس کو صحیح کہا ہے پس "وَخُزُ اَعْدَائِكُمْ" کے الفاظ تو حدیث میں محفوظ ہیں جب کہ "اِخْوَانِكُمْ" کے الفاظ دوسری حدیث میں ہیں۔

ارشاد نبویؐ ہے کہ تم ہڈی اور گوبر کے ساتھ استنجا نہ کرو اس لئے کہ وہ دونوں تمہارے "جن" بھائیوں کی خوراک ہیں۔

یہ حدیث مسلم اور دیگر کتابوں میں موجود ہے۔ اس سلسلہ میں "نیل الاوطار" کا مطالعہ فرمائیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض رواۃ کی طرف سے اس کا اول کے ساتھ اختلاط ہو گیا ہے چنانچہ امام سیوطیؒ "الحاوی" میں ذکر کرتے ہیں کہ ہڈی کے ذکر والی حدیث میں جنوں کو ایمان کے لحاظ سے بھائی کہا گیا ہے ظاہر ہے کہ دینی اخوت اتحاد فی الجنس کو مستلزم نہیں ہے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے اپنی عمدہ کتاب "بذل الماعون فی فضل الطاعون" ۷۹-۲ میں اس حدیث کے طرق کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ اس حدیث میں "اِخْوَانِكُمْ" کے الفاظ نہیں ہیں۔ طویل بحث کی ہے۔

۸۷ - اِذَا صَعِدَ الْخَطِيْبُ الْمِنْبَرَ: فَلاَ صَلاَةَ، وَلاَ كَلاَمَ.

جب خطیب منبر پر چلا جائے تو پھر نماز ہے نہ گفتگو کرنا ہے۔

تحقیق: یہ حدیث باطل ہے' یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ عوام کی زبانوں پر مشہور ہے اور عام طور پر اس مضمون کا کتبہ منبر کے قریب لٹکایا ہوتا ہے جب کہ اس کا کچھ اصل نہیں ہے البتہ "طبرانی کبیر" میں ابن عمرؓ سے مرفوع روایت ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو اور امام منبر پر ہو تو پھر نہ نماز ادا کی جائے نہ کلام کیا جائے جب تک کہ امام فارغ نہ ہو جائے اس حدیث میں ایوب بن نہیک ہے۔ "الجرح والتعدیل" ۸۰-۱ میں ابن ابی حاتمؒ کا قول ہے کہ میں نے اپنے والد سے اس حدیث کے بارے میں سنا ہے وہ اس حدیث کو ضعیف کہتے تھے۔ میں نے ابوزرعہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں ایوب بن نہیک سے

حدیث بیان نہیں کرتا ہوں اور نہ ہی ہم پر اس کی حدیث بیان کی گئی ہے یہ راوی منکر الحدیث ہے۔ "مجمع الزوائد" ۲۸۱ھ میں امام ہیثمیؒ کا قول ہے کہ یہ راوی متروک ہے محدّثین کی ایک جماعت نے اس کو ضعیف کہا ہے اسی لئے حافظ ابن حجرؒ نے "فتح الباری" ۲۸۲ھ میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے نیز امام بیہقیؒ نے اس حدیث کو "سنن" ۲۸۳ھ میں ابوہریرہؓ سے ان الفاظ کے ساتھ مرفوع بیان کیا ہے کہ "جمعہ کے دن امام کا نماز کی جماعت کرانے کے لئے نکلنا کلام کرنے کو روک دیتا ہے۔

نیز اس نے کہا کہ اس حدیث کو مرفوع بیان کرنا فاحش خطا ہے جب کہ یہ سعید بن مُسیّب کا کلام ہے نیز امام زیلعیؒ نے "نصب الرایہ" ۲۸۴ھ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

میں نے اس حدیث کو باطل کہا ہے اس لئے کہ جہاں حدیث کی سند میں ضعف ہے وہاں یہ حدیث درج ذیل دو صحیح احادیث کے مخالف بھی ہے۔

پہلی حدیث: ارشاد نبویؐ ہے کہ "جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے روز مسجد میں آئے اور امام (گھر سے) نکل چکا ہو تو وہ دو رکعت سنت ادا کرے"۔ اس حدیث کو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ جابرؓ سے صحیحین میں لائے ہیں نیز جابرؓ کی دوسری روایت میں ہے اس نے بیان کیا کہ سلیک غطفانیؓ آیا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے آپؐ نے اس کو حکم دیا اے سلیک! اٹھئے دو رکعت (سنت) ادا کیجئے اور ان میں تخفیف کا خیال رکھئے بعد ازاں آپؐ نے فرمایا' جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کی نماز کے لئے نکلے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ تخفیف کے ساتھ دو رکعت (سنت) ادا کرے۔ اس حدیث کو مسلم ۲۸۵ھ اور دیگر محدّثین نے اپنی تالیفات میں ذکر کیا ہے

دوسری حدیث: ارشاد نبویؐ ہے کہ "جب آپ اپنے کسی ساتھی کو جمعہ کے روز جب امام خطبہ دینے میں مصروف ہو (یہ) کہیں کہ آپ خاموش ہو جائیں تو آپ نے لغو کام کیا" ۲۸۶ھ

پس پہلی حدیث واضح طور پر تاکید کرتی ہے کہ امام کے نکلنے کے بعد دو رکعت سنّت ادا کی جائے جب کہ باب میں ذکر کردہ حدیث دونوں سے روک رہی ہے۔ پس

اس سے بڑی جہالت اور کیا ہو سکتی ہے کہ بعض خطیب حضرات جب مسجد میں آتے ہیں تو دو رکعت سنت ادا کرنے سے روکتے ہیں ان کا دو رکعت ادا کرنے سے روکنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہے اور مجھے خطرہ لاحق ہے کہ کہیں اس قسم کا خطیب اللہ پاک کے اس قول کی وعید کی زد میں نہ آ جائے ارشاد ربانی ہے:

أَرَءَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ ۸۷؎

بھلا! اس شخص کے بارے میں بتائیں جو اللہ کے بندہ کو اللہ کی نماز ادا کرنے سے روکتا ہے۔

نیز ارشادِ ربانی ہے:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۸۸؎

"ان لوگوں کو خوفزدہ رہنا چاہئے جو اللہ کی مخالفت کرتے ہیں کہیں ان کو فتنہ یا دردناک عذاب اپنی لپیٹ میں نہ لے لے"

اسی لئے امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نص صریح ہے جس میں تاویل کی ہرگز گنجائش نہیں ہے اور میں ہرگز تسلیم نہیں کرتا کہ ایک عالم دین تک ارشاد نبویؐ پہنچ جائے اور وہ اس کی صحت کا بھی قائل ہو پھر اس کی مخالفت کرے اور دوسری حدیث کا مفہوم کہ جب امام خطبہ دے رہا ہو اس وقت کلام کرنا ممنوع نہیں ہے اور خلافت فاروقیؓ کے عہد میں اس پر عمل ثابت ہے چنانچہ ثعلبہ بن ابو مالک بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ عمرؓ کے منبر پر بیٹھنے کے وقت بھی باتیں کرتے رہتے تھے البتہ جب مؤذن اذان کہنے سے خاموش ہو جاتا اور حضرت عمرؓ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوتے تو دونوں خطبوں کے اختتام تک کوئی شخص بات نہیں کرتا تھا اس واقعہ کو امام مالکؒ "مؤطا" ۸۹؎ میں اور طحاویؒ ۹۰؎ اور ابن ابی حاتم "العلل" ۹۱؎ میں جب کہ پہلے دونوں مولفین کی بیان کردہ روایت کی سند صحیح ہے پس اس حدیث سے ثابت ہوا کہ امام کا کلام کرنا سامعین کو کلام کرنے سے روکتا ہے امام کا منبر پر بیٹھنا کلام کرنے سے رکاوٹ نہیں ہے اور امام کا منبر پر تشریف لانا "تحیۃ المسجد" سے نہیں روکتا پس باب کی حدیث کا باطل ہونا واضح ہو گیا ہے۔

(واللہ تعالیٰ ھو الھادی للصواب)

۸۸- اَلزَّرْعُ لِلزَّارِعِ، وَاِنْ کَانَ غَاصِبًا۔

کھیتی کاشتکار کی ہے اگرچہ اس نے زمین پر غاصبانہ قبضہ کیا ہو۔

تحقیق: یہ حدیث باطل ہے' اس کا کچھ اصل نہیں ہے۔ "سبل السلام" ۳/۹۲۔ میں امام صنعانیؒ کا قول ہے کہ اس حدیث کو کسی محدث نے ذکر نہیں کیا "المنار" کے مؤلف کا قول ہے کہ میں نے اس حدیث کی تفتیش کی ہے لیکن مجھے نہیں مل سکی۔ شارح نے اس حدیث کو ذکر کیا لیکن کس محدث نے اس کو اپنی تالیف میں ذکر کیا ہے یہ نہیں بتایا نیز "نیل الاوطار" ۵/۹۳۔ میں امام شوکانیؒ کا قول ہے کہ مجھے اس حدیث پر اطلاع نہیں مل سکی لہٰذا حدیث پر غور و فکر جاری رکھا جائے۔

میں کہتا ہوں: میں نے اس حدیث کی پڑتال کی ہے لیکن مجھے نہیں ملی جب کہ یہ حدیث ان احادیث کے مخالف ہے جو اس مسئلہ میں ثابت ہیں۔

پہلی حدیث: "جس شخص نے بے آباد زمین کو آباد کیا وہ زمین اس کی ہے کسی ظالم کا اس پر کچھ حق نہیں ہے۔"

اس حدیث کو ابوداؤد ۲/۹۳۔ نے صحیح سند کے ساتھ سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ترمذی ۲/۹۵۔ نے اس کو حسن کہا ہے "نہایہ" میں اس کے مؤلف نے "ولیس لعرق ظالم حق" کا مفہوم واضح کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ "ایک شخص ایسی زمین کا قصد کرتا ہے جس کو اس سے پہلے کسی دوسرے شخص نے آباد کیا ہے یہ شخص (جو قصد کرنے والا ہے) اس میں غاصبانہ طور پر درخت لگاتا ہے تاکہ اس ذریعہ سے وہ زمین پر قابض ہو جائے" خیال رہے لفظ "عرقٌ" تنوین کے ساتھ پڑھا جائے اس کا مضاف محذوف ہے اس کا اصل "لذی عرق ظالم" تھا بعد ازاں مضاف کو حذف کر دیا گیا اور "عرق" کو ہی بذاتہ ظالم بنا دیا گیا اور اس کو اس کے صاحب کے ساتھ ملا دیا گیا یا لفظ "ظالم" "صاحب العرق" کی صفت ہے اور اگر "عرق" کو مضاف پڑھا جائے تو اس صورت میں "صاحب عرق ظالم" ہوگا اور اس کو

عرق کے ساتھ ملایا گیا ہے لفظ "عرق" دراصل درخت کی رگ کو کہتے ہیں۔
میں کہتا ہوں: حدیث کا ظاہر دلالت کر رہا ہے کہ زمین پر اس کا کچھ حق نہیں ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ حق سے مراد مطلق حق ہو نہ زمین پر اور نہ کھیتی پر۔ اس کی تائید بعد میں ذکر ہونے والی حدیث سے ہو رہی ہے۔

دوسری حدیث: "جس شخص نے کسی قوم کی زمین میں ان کی اجازت کے بغیر کاشت کی اس کا کھیتی میں کچھ حصہ نہیں اور اس پر اس کا خرچ واپس کیا جائے۔"
اس حدیث کو ابوداودؒ ۴۹۶ھ، ترمذیؒ ۴۹۷ھ، ابن ماجہؒ ۴۹۸ھ، طحاویؒ ۴۹۹ھ، بیہقیؒ ۵۰۰ھ اور احمدؒ ۵۰۱ھ نے رافع بن خدیج سے روایت کیا امام ترمذیؒ نے بیان کیا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے بعض اہل علم کے نزدیک اس پر عمل ہے احمدؒ اور اسحاقؒ کا یہی قول ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں میں نے اس حدیث کے بارے میں امام بخاریؒ سے دریافت کیا انہوں نے حدیث کو حسن قرار دیا۔ امام صنعانیؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث کے شواہد ہیں جو اس کو تقویت دے رہے ہیں۔
میں کہتا ہوں: امام ترمذیؒ سے امام طحاویؒ کا قول اوجھل رہ گیا ہے وہ کہتے ہیں ہمارے علم میں نہیں ہے کہ کسی اہلِ علم نے سوائے شریک بن عبداللہ قاضی کے اس حدیث کے ساتھ وابستگی اختیار کی ہو اور حدیث کے موافق اس کا قول ہو جب کہ دیگر اہلِ علم اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں اور یہ قول حسن ہے اس لئے کہ اس کی تقویت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی سے بھی ہو رہی ہے۔

۸۹ - صَاحِبُ الشَّیْءِ اَحَقُّ بِحَمْلِهٖ؛ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ ضَعِیْفًا یَعْجَزُ عَنْهُ، فَیُعِیْنُهٗ اَخُوْهُ الْمُسْلِمُ.

کسی چیز کا مالک ہی اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ وہ اس چیز کو اٹھائے البتہ اگر وہ ضعیف ہے، اس کے اٹھانے کی استطاعت نہیں رکھتا تو اس کا مسلمان بھائی اس کی مدد کرے۔

تحقیق: یہ حدیث موضوع ہے، ابن الاعرابیؒ نے اس حدیث کو اپنی "معجم" ۵۰۲ھ

میں اور ابن بشرانؒ نے "الامالی" ۵۰۳ھ میں اور حافظ محمد بن ناصرؒ نے "التنبیہ" ۵۰۴ھ میں یوسف بن زیاد بصری کے طریق سے اس نے عبدالرحمان بن زیاد بن انعم سے اس نے اغرابو مسلم سے اس نے ابوہریرۃؓ سے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں بازار گیا آپؐ کپڑا بیچنے والوں کے پاس تشریف فرما ہوئے آپؐ نے چار درہم کے بدلے شلوار خریدی اور بازار والوں نے ایک انسان کا تعین کر رکھا تھا جو دراہم کا وزن کرتا تھا وہ "فلاں وزان" کے نام سے معروف تھا راوی نے بیان کیا' اس کو بلایا گیا تاکہ وہ شلوار کی قیمت کا وزن کرے اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کہا' دراہم کا وزن کرو اور جھکتا لو۔ وزان نے کہا' یہ ایسا کلمہ ہے جس کو میں نے (پہلے) کسی شخص سے نہیں سنا ہے۔ آپ کون ہیں؟ ابوہریرۃؓ اس پر برہم ہوئے اور کہا' دین اسلام میں داخل ہونے کے بعد تیرے مزاج میں شدت اور دیہاتی پن نمایاں نظر آ رہا ہے (کمال ہے) کہ تجھے اپنے پیغمبر کی پہچان بھی نہیں ہے۔ اس نے دریافت کیا' اچھا یہ شخص اللہ کا نبی ہے؟ اس نے ترازو کو زمین پر رکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب لپکا آپؐ نے اس کو دبایا اور فرمایا" رک جا! یہ انداز تو عجمی لوگ اپنے بادشاہوں کے ساتھ روا رکھتے ہیں۔ سن لے! میں بادشاہ نہیں ہوں میں ایک انسان ہوں جس کا شمار تم میں ہوتا ہے اس کے بعد وہ انسان بیٹھ گیا اس نے دراہم کا وزن کیا اور جھکتا کیا۔ جس طرح آپؐ نے اس کو حکم دیا تھا جب ہم واپس لوٹے تو میں نے آپؐ سے شلوار کو لینا چاہا تاکہ آپؐ کی بجائے میں اسے اٹھاؤں آپؐ نے مجھے روک دیا اور فرمایا' (باب کی حدیث کو بیان کیا)

راوی نے بیان کیا کہ میں نے آپؐ سے دریافت کیا' اے اللہ کے رسول! کیا آپؐ شلوار زیب تن فرماتے ہیں؟ آپؐ نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے فرمایا' رات دن سفر و حضر ہر وقت پہنتا ہوں۔ یوسف نے بیان کیا مجھے آپؐ کے اس قول میں شک گزرا کہ اپنے اہل کی معیت میں بھی پہنتا ہوں۔ مجھے پردے کا حکم دیا گیا ہے شلوار سے زیادہ پردے والا لباس میرے نزدیک کوئی دوسرا نہیں ہے۔

ابن جوزیؒ نے اس حدیث کو "موضوعات" میں ابن عدیؒ کے طریق سے اس نے یوسف سے بیان کیا پھر اس پر تبصرہ کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ امام دار

قطنیؒ نے "الافراد" میں ذکر کیا ہے کہ حدیث کی صحت کا دارومدار یوسف بن زیاد پر ہے اور وہ باطل باتوں کے ساتھ مشہور ہے نیز اس حدیث کو افریقی سے اس کے علاوہ کسی اور نے نقل نہیں کیا ہے۔

امام مناویؒ نے "الفیض" میں کہا ہے کہ حافظ عراقیؒ اور ابن حجرؒ نے حدیث کو ضعیف کہا ہے لیکن امام سخاویؒ نے ضعیف ترین کہا ہے بلکہ ابن جوزیؒ نے تو اس پر موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے اور وضاحت کی ہے کہ اس کی سند میں یوسف بن زیاد' عبدالرحمان افریقی سے روایت کرتا ہے جب کہ اس حدیث کو اس سے اس کے علاوہ کسی دوسرے نے روایت نہیں کیا لیکن امام سیوطیؒ نے اس کی تردید کی ہے کہ اس حدیث میں یوسف متفرد نہیں ہے جب کہ اس حدیث کو امام بیہقیؒ نے "الشعب" اور "الادب" میں حفص بن عبدالرحمان کے طریق سے بیان کیا ہے اور حدیث میں یوں وارد ہے "عبدالرحمان" حالانکہ شائد لفظ ابن عبدالرحمان ہے۔

ابن حبانؒ کا قول ہے کہ وہ موضوع روایات ثقہ راویوں سے بیان کرتا ہے یہی بات اس کو موضوع بنا دینے کے لئے کافی ہے۔

میں کہتا ہوں: حق ابن جوزیؒ کے ساتھ ہے اس کا ذکر آئندہ اوراق میں ہوگا اور امام مناویؒ کا امام سیوطیؒ سے حفص بن عبدالرحمان کی متابعت کرنا شائد تحریف ہے لیکن میں نے امام سیوطیؒ کی "التعقبات علی الموضوعات" ۵۰۵ میں دیکھا ہے کہ جعفر بن عبدالرحمان بن زیاد ہے اور مجھے "تعقبات" اور "الفیض" کے نسخوں میں تحریف کا اندیشہ ہے تاہم مجھے ابن عبدالرحمان کی معرفت نہیں ہے (واللہ اعلم)

ہاں! ابن جوزیؒ کا کلام جو پہلے گزر چکا ہے اس کو امام سیوطیؒ نے "اللآلی" ۵۰۶ میں نقل کیا ہے اور اس پر رضامندی کا اظہار کیا ہے اسی لئے اس کا تعاقب نہیں کیا البتہ کہا ہے کہ اس حدیث کو امام طبرانیؒ نے روایت کیا ہے اور "حاوی" ۵۰۷ کے مؤلف نے اس حدیث کو طبرانیؒ اور ابویعلیؒ کی طرف نسبت کرنے کے بعد کہا ہے کہ یوسف اور اس کا شیخ دونوں ضعیف ہیں اور امام ہیثمیؒ نے "مجمع الزوائد" ۵۰۸ میں کہا ہے کہ اس حدیث کو ابویعلیؒ نے اور طبرانیؒ نے "الاوسط" میں نقل کیا ہے اس کی سند میں یوسف بن زیاد بصری راوی ضعیف ہے لیکن وہ سند

کی دوسری علت سے غافل ہے اور وہ افریقی کا ضعیف ہونا ہے۔

اور خطیب بغدادیؒ نے "تاریخ" ۹/۵۰ میں یوسف کے حالات بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ امام نسائیؒ سے مروی ہے انہوں نے کہا ہے کہ یہ راوی ثقہ نہیں ہے اور امام بخاریؒ اور ساجیؒ نے اس کو منکر الحدیث کہا ہے اسی طرح ابوحاتمؒ نے "الجرح والتعدیل" ۱۰/۵ میں اس کو متہم کہا ہے بعد ازاں میں نے دیکھا کہ امام سخاویؒ نے اس حدیث کو "الفتاوی الحدیثیہ" ۱۱/۵ میں ذکر کیا ہے اور تبصرہ کیا ہے کہ اس کی سند ضعیف ترین ہے جب کہ ہمارے شیخ حافظ ابن حجرؒ نے "فتح الباری" میں اس کے رواۃ کو صرف ضعیف کہا ہے چونکہ اس راوی میں انتہا درجہ کا ضعف ہے اس لئے بعض علماء نے یقین کے ساتھ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شلوار نہیں پہنی ہے۔

۹۰ - عَلَيْكُمْ بِلِبَاسِ الصُّوْفِ؛ تَجِدُوْا حَلَاوَةَ الْإِيْمَانِ فِىْ قُلُوْبِكُمْ، وَعَلَيْكُمْ بِلِبَاسِ الصُّوْفِ؛ تَجِدُوْا قِلَّةَ الْأَكْلِ، وَعَلَيْكُمْ بِلِبَاسِ الصُّوْفِ؛ تُعْرَفُوْنَ بِهٖ فِى الْآخِرَةِ، وَاِنَّ لِبَاسَ الصُّوْفِ يُوْرِثُ الْقَلْبَ التَّفَكُّرَ، وَالتَّفَكُّرُ يُوْرِثُ الْحِكْمَةَ تَجْرِىْ فِى الْجَوْفِ مَجْرَى الدَّمِ، فَمَنْ كَثُرَ تَفَكُّرُهٗ؛ قَلَّ طَعْمُهٗ، وَكَلَّ لِسَانُهٗ، وَرَقَّ قَلْبُهٗ، وَمَنْ قَلَّ تَفَكُّرُهٗ؛ كَثُرَ طَعْمُهٗ، وَعَظُمَ بَدَنُهٗ، وَقَسَا قَلْبُهٗ، وَالْقَلْبُ الْقَاسِىْ بَعِيْدٌ مِّنَ الْجَنَّةِ، قَرِيْبٌ مِّنَ النَّارِ.

اونی لباس زیب تن کرو تم (اس کی وجہ سے) اپنے دلوں میں ایمان کی حلاوت پاؤ گے۔ تم اونی لباس زیب تن کرو تم اس لباس کی وجہ سے آخرت میں پہچانے جاؤ گے۔ بلاشبہ اونی لباس دل میں سوچ پیدا کرتا ہے اور دل میں تفکر کا نمودار ہونا حکمت کو جنم دیتا ہے اور حکمت یعنی دانائی تمام جسم میں خون کی مانند گردش کرنے لگتی ہے پس جس شخص میں تفکر زیادہ ہے اس کی خوراک کم ہو جاتی ہے

اس کی زبان رکی رہتی ہے اور وہ انسان رقیق القلب ہو جاتا ہے
اور جس شخص میں تفکر کم ہوتا ہے اس کی خوراک زیادہ ہو جاتی
ہے اس کا بدن موٹا ہو جاتا ہے اس کے دل پر قساوت کا غلبہ ہو
جاتا ہے (یاد رکھو) وہ دل جو قساوت سے معمور ہے وہ جنت سے
دور ہے دوزخ کے قریب ہے۔

تحقیق : یہ حدیث موضوع ہے' اس حدیث کو ابوبکر بن النقورؒ نے "الفوائد" ۲/۵ـ میں اور ابن بشرانؒ نے "الامالی" ۲/۵ـ میں اور ابن جوزیؒ نے "الموضوعات" میں خطیب بغدادیؒ کے طریق سے اس نے محمد بن یونس کریمی سے اس نے کہا کہ ہمیں عبداللہ بن داؤد الواسطی التمار نے بیان کیا اس نے کہا کہ ہمیں اسماعیل بن عیاش نے ثور بن یزید سے حدیث بیان کی اس نے خالد بن معدان سے اس نے ابوامامہؓ سے مرفوع روایت کیا بعد ازاں ابن النقورؒ نے کہا' یہ حدیث غریب ہے اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن داؤد الواسطی اکیلا رہ گیا ہے پھر یہ شخص محل نظر ہے اور اس سے کدیمی نے بیان کیا ہے۔ ابن جوزیؒ کا قول ہے کہ حدیث صحیح نہیں ہے کدیمی راوی احادیث وضع کیا کرتا تھا اور اس کا شیخ بھی قابل حجت نہیں ہے نیز اس حدیث کو امام سیوطیؒ نے "اللآلی" ۲/۵ـ میں ذکر کیا ہے اور واضح کیا کہ حدیث میں کچھ حصہ داخل کیا گیا ہے اس نے بیان کیا کہ امام بیہقیؒ نے "شعب الایمان" میں ذکر کیا ہے کہ ہمیں یہ حدیث ابو عبداللہ الحافظ الحاکمؒ صاحب "المستدرک" نے بتائی اس نے بیان کیا کہ ہمیں اس حدیث کی خبر ابوبکر الفقیہ نے دی ہے اس نے کہا کہ ہمیں محمد بن یونس نے بتایا۔

میں کہتا ہوں : اس نے سابقہ سند کے مثل سند بیان کی ہے البتہ متن میں صرف یہ قول ہے کہ "تم اونی لباس زیب تن کرو تم ایمان کی حلاوت پاؤ گے۔" امام بیہقیؒ نے کہا کہ ہمیں ابو عبدالرحمان نے خبر دی۔

میں کہتا ہوں : اس کی سند کدیمی تک پہلی سند کی مثل ذکر کی ہے اور حدیث بیان کرنے کے بعد اس حدیث کو منکر قرار دیا ہے اس کے اس قول کہ "تم اونی لباس

زیب تن کرو تم محسوس کرو گے کہ تم کم کھانا کھاتے ہو" کو قلم بند کیا ہے اور کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بعض رواۃ کا کلام ہے لیکن اس کو حدیث کے ساتھ ملا دیا گیا ہے خیال رہے کہ اس عبارت میں کچھ خلط مبحث ہے اس کی وضاحت "فیض القدیر" کی عبارت سے ہو رہی ہے۔

امام بیہقیؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ زیادتی منکر ہے کچھ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ زیادتی کسی راوی کی طرف سے کی گئی ہے اس کے بعد میں نے اس عبارت کی تفتیش کی تو یہ عبارت امام سیوطیؒ کی "المدرج الی المدرج" میں صحیح طور پر دستیاب ہوگئی۔ امام سیوطیؒ کا قول ہے ۵۱۵۔ کہ اس حدیث کو امام بیہقیؒ نے "شعب الایمان" میں ذکر کیا ہے اور واضح کیا کہ "تم اونی لباس زیب تن کرو تم اپنے دلوں میں ایمان کی حلاوت محسوس کرو گے" مرفوع ہے اور باقی حصہ زائد ہے اور اس کا انکار کیا گیا ہے نیز بیان کیا کہ یہ حصہ کسی راوی کی جانب سے اضافہ شدہ ہے۔

میں کہتا ہوں : فی الحقیقت امام سیوطیؒ کا قول متعذر ہے کہ اس نے "الجامع الصغیر" میں حدیث کے پہلے حصے کا ذکر کیا ہے اور اس کی نسبت "مستدرک حاکم" اور "سنن بیہقی" کی جانب کی ہے لیکن اس سے کیا فائدہ ہے؟ جب کہ مزید علیہ پر مزید دونوں محمد بن یونس وضاع کے طریق سے مذکور ہیں۔ اور ابن حبانؒ کا قول ہے کہ شائد اس راوی نے دو ہزار سے زائد احادیث وضع کی ہیں۔

بعد ازاں "المستدرک" ۵۴۲ میں اسی طریق کے ساتھ مجھے اس حدیث کو دیکھنے کا اتفاق ہوا اس میں صرف پہلا جملہ تھا جس کا ذکر بطور شاہد کے تھا جب کہ امام ذہبیؒ نے اس طریق کو ضعیف قرار دیا ہے۔

۹۱ - لَاَنْ اَحْلِفَ بِاللّٰهِ وَاَكْذِبَ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَحْلِفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ وَاَصْدُقَ.

میں اللہ کی قسم جھوٹی اٹھاؤں مجھے زیادہ محبوب ہے کہ میں غیر اللہ کا نام لے کر سچی قسم اٹھاؤں۔

تحقیق : یہ حدیث موضوع ہے' اس حدیث کو ابو نعیمؒ نے "الحلیہ" ۵۱۷ اور

"اخبارِ اصبہان" ۵۱۸ء میں محمد بن معاویہ کے طریق سے بیان کیا اس نے کہا کہ ہمیں عمرو بن علی المقدمی نے بتایا اس نے کہا، ہمیں مسعر نے وبرہ سے خبر دی اس نے ھمام سے اس نے ابن مسعودؓ سے مرفوع بیان کیا نیز ابو نعیمؒ نے "الاخبار" میں ذکر کیا ہے کہ اس کو رواۃ نے موقوف بیان کیا ہے نیز "الحلیہ" میں اس نے بیان کیا کہ اس حدیث میں محمد بن معاویہ راوی متفرد ہے۔

میں کہتا ہوں: اس شخص سے مراد نیشاپوری ہے۔ امام دارقطنیؒ نے اس کو کذاب کہا ہے ابن معینؒ نے بھی کذاب کہا ہے البتہ جیسا کہ ابو نعیمؒ نے ذکر کیا ہے یہ حدیث موقوف ہے اور ابن مسعودؓ کا قول ہے نیز اس حدیث کو امام طبرانیؒ نے "الکبیر" ۵۱۹ء میں صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس کے رواۃ صحیح کے رواۃ ہیں جیسا کہ "المجمع" ۵۲۰ء اور "الارواء" ۵۲۱ء میں ہے۔

۹۲ - ثَلاَثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ نَشَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ كَنَفَهُ، وَأَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ: رِفْقٌ بِالضَّعِيفِ، وَالشَّفَقَةُ عَلَى الْوَالِدَيْنِ، وَالْإِحْسَانُ إِلَى الْمَمْلُوكِ.

جس شخص میں تین خصلتیں ہیں اللہ اس پر اپنے پہلو کو جھکاتا ہے اور اس کو جنت میں داخل فرمائے گا (وہ یہ ہیں) کمزور کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا، ماں باپ پر شفقت کرنا اور غلام پر احسان کرنا۔

تحقیق: یہ حدیث موضوع ہے، اس حدیث کو امام ترمذیؒ ۵۲۲ء نے عبداللہ بن ابراہیم غفاری المدینی کے طریق سے بیان کیا اس نے کہا کہ مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی اس نے ابوبکر بن المنکدر سے اس نے جابرؓ سے مرفوع روایت کیا اور امام ترمذیؒ نے حدیث کو غریب کہا ہے۔

میں کہتا ہوں: ابن حبانؒ نے عبداللہ بن ابراہیم کے بارے میں کہا ہے کہ وہ احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ امام حاکمؒ نے بیان کیا کہ اس نے ضعفاء کی ایک جماعت سے موضوع احادیث روایت کی ہیں جن کو اس کے علاوہ کسی نے بیان نہیں کیا۔

میں کہتا ہوں: اس کا والد مجہول ہے اس کا ذکر "تقریب" میں ہے پس اس سند

کے لحاظ سے یہ حدیث موضوع ہے نیز اس حدیث کو امام منذریؒ نے "الترغیب" ۵۲۳۔ میں اس کے ضعف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ذکر کیا ہے اس میں کچھ زائد الفاظ ہیں کہ جس شخص میں تین خصلتیں موجود ہوں گی اللہ عزوجل اس کو اپنے عرش کے سائے کے نیچے مقام عطا فرمائے گا جس روز عرش کے سائے کے علاوہ کوئی دوسرا سایہ نہیں ہو گا (وہ تین خصلتیں یہ ہیں) تکلیف کے اوقات میں وضو کرنا جب کہ وضو کرنا مشکل ہو' اندھیری راتوں میں مسجد میں جانا اور بھوکے انسان کو کھانا کھلانا نیز اس نے بیان کیا کہ اس حدیث میں امام ترمذیؒ نے صرف پہلے تین کا ذکر کیا ہے اور حدیث کو غریب کہا ہے اور نیز ابوالشیخ نے اس حدیث کو "الثواب" میں اور ابوالقاسم اصبہانی نے مکمل ذکر کیا۔

۹۳ - يَصُفُّ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صُفُوْفًا، فَيَمُرُّ الرَّجُلُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ عَلَى الرَّجُلِ، فَيَقُوْلُ: يَافُلَانُ! أَمَا تَذْكُرُ يَوْمَ اسْتَسْقَيْتَ، فَسَقَيْتُكَ شُرْبَةً ؟ قَالَ: فَيُشْفَعُ لَهُ وَيَمُرُّ الرَّجُلُ فَيَقُوْلُ: أَمَا تَذْكُرُ يَوْمَ نَاوَلْتُكَ طَهُوْرًا ؟ فَيَشْفَعُ لَهُ. وَ يَمُرُّ الرَّجُلُ فَيَقُوْلُ: يَافُلَانُ! أَمَا تَذْكُرُ يَوْمَ بَعَثْتَنِيْ فِيْ حَاجَةٍ كَذَا وَكَذَا، فَذَهَبْتُ لَكَ ؟ فَيَشْفَعُ لَهُ؟

قیامت کے دن لوگ صفیں باندھے ہوں گے۔ ایک دوزخی انسان غیردوزخی کی قریب سے گزرے گا اس کو (مخاطب کرکے) کہے گا' اے فلاں! کیا تجھے وہ دن یاد ہے جس دن تو نے پانی طلب کیا تھا اور میں نے تجھے ایک گھونٹ پانی پلایا تھا؟ (راوی نے بیان کیا) وہ اس کی سفارش کرے گا۔ ایک اور انسان گزرے گا وہ کہے گا' کیا تجھے یاد نہیں کہ جب میں نے تجھے وضو کا پانی دیا تھا؟ چنانچہ وہ اس کی سفارش کرے گا۔ ایک اور انسان گزرے گا وہ کہے گا' اے فلاں! کیا تجھے وہ دن یاد نہیں جس دن؟ تو نے مجھے فلاں فلاں کام (سرانجام دینے) کے لئے بھیجا تھا؟ اور میں تیرے کام کے لئے گیا

تھا۔ چنانچہ وہ اس کی سفارش کرے گا۔

تحقیق: یہ حدیث ضعیف ہے' اس حدیث کو ابن ماجہ" ۵۲۴۔ نے یزید رقاشی کے طریق سے اس نے انسؓ سے مرفوع روایت کیا ہے اور یزید بن ابان راوی ضعیف ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ اور دیگر محدثین نے بیان کیا ہے۔ دیگر محدثین نے بھی انسؓ سے اس حدیث کی طرح بیان کیا ہے خیال رہے کہ ان احادیث میں کوئی حدیث صحیح نہیں۔ ترغیب کا مطالعہ فرمائیں۔۵۲۵۔

۹۴ - عُرَى الْإِسْلَامُ وَقَوَاعِدُ الدِّيْنِ ثَلَاثَةٌ، عَلَيْهِنَّ أُسِّسَ الْإِسْلَامُ، مَنْ تَرَكَ وَاحِدَةً مِّنْهُنَّ؛ فَهُوَ بِهَا كَافِرٌ حَلَالُ الدَّمِ: شَهَادَةُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَالصَّلَاةُ الْمَكْتُوبَةُ، وَصَوْمُ رَمَضَانَ.

اسلام اور دینِ اسلام کی بنیادی باتیں تین ہیں ان پر اسلام کی بنیاد استوار ہوئی ہے جو شخص ان تین باتوں میں سے ایک کو بھی ترک کرے گا وہ کافر ہوگا اس کا خون مباح ہے (پہلی بات) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں (دوسری بات) فرض نماز ہے اور (تیسری بات) رمضان کے روزے ہیں۔

تحقیق: یہ حدیث ضعیف ہے' اس حدیث کو ابویعلیؒ نے "مسند" ۵۲۶۔ میں اور لالکائی نے "السنۃ" ۵۲۷۔ میں مومل بن اسماعیل کے طریق سے اس نے بیان کیا کہ ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی اس نے عمرو بن مالک نکری سے اس نے ابوالجوزاء سے اس نے ابن عباسؓ سے بیان کیا۔

حماد کا قول ہے کہ ہمارے علم کے مطابق ہمارے شیخ نے اس حدیث کو مرفوع روایت کیا ہے۔ امام منذریؒ ۵۲۸۔ کا قول ہے کہ اس کی سند حسن ہے اور اس کی متابعت امام ہیثمیؒ ۵۲۹۔ نے کی ہے۔

میں کہتا ہوں: ان دونوں کا قول محلِ نظر ہے اس لئے کہ عمرو کی توثیق ابن حبانؒ کے علاوہ کسی نے نہیں کی ہے جب کہ ابن حبانؒ کسی راوی کو ثقہ قرار دینے

میں متساہل ہیں یہاں تک کہ وہ ایسے رواۃ کو بھی ثقہ قرار دیتے ہیں جو ناقدین ائمہ کے نزدیک مجہول ہیں اس پر ہم متعدد بار تنبیہہ کر چکے ہیں ۵۳۰۔ یہی وجہ ہے کہ جس راوی کی توثیق میں ابن حبانؒ متفرد ہیں اس راوی کے بارے میں دل اطمینان حاصل نہیں کر پاتا اور خود انہوں نے مالک راوی کے بارے میں کہا ہے کہ اس کی حدیث کا اعتبار ہو گا جب کہ اس کا بیٹا یحیٰی اس سے روایت نہ کرتا ہو وہ خطائیں بھی کرتا ہے اور غرائب بھی ذکر کرتا ہے ۵۳۱۔ پس جب اس کا یہ حال ہے کہ وہ خطائیں کرتا ہے اور غرائب ذکر کرتا ہے تو مناسب یہی ہے کہ اس کی حدیث کو اس وقت تک قابل حجت نہ سمجھا جائے جب تک کہ اس کی متابعت نہ ہو تاکہ ہم غلطی سے محفوظ رہیں اور جب وہ کسی حدیث میں متفرد ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے تو مناسب یہی ہے کہ وہ ضعیف ہے نیز مومل بن اسماعیل صدوق راوی ہے لیکن کثرت کے ساتھ خطائیں کرتا ہے جیسا کہ ابوحاتمؒ اور دیگر محدثین کا قول ہے لہٰذا اس حدیث کے بارے میں ظنِ غالب یہ ہے کہ اگر اس حدیث کا اصل ابن عباسؓ سے ثابت ہے تو حدیث موقوف ہے اس لئے کہ حماد بن زید راوی بعض باتوں کی نسبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنے میں متردد ہیں البتہ سعید بن زید راوی جو حماد کے بھائی ہیں انہوں نے وثوق کے ساتھ اس حدیث کو مرفوع کہا ہے لیکن سعید اس لائق نہیں ہے کہ اس کے قول کو حجت سمجھا جائے جیسا کہ سعدی نے اس پر تبصرہ کیا ہے۔ امام نسائیؒ اور دیگر محدثین کا قول ہے کہ وہ قوی راوی نہیں ہے نیز یہ حدیث ظاہری طور پر اس حدیث کے خلاف ہے جس کی صحت پر اتفاق ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے۔۔۔۔ اس کے دو سبب ہیں۔

پہلا سبب: صحیح حدیث میں اسلام کے بنیادی ستون پانچ قرار دیئے گئے ہیں۔ جب کہ اس حدیث میں تین قرار دیئے گئے ہیں۔

دوسرا سبب: صحیح حدیث میں وہ شخص قطعیت کے ساتھ کافر قرار نہیں پاتا جو کسی ایک کام کو ترک کرے لیکن اس حدیث میں ہے کہ جو شخص ایک کام ترک کرے گا وہ کافر ہے اور سعید بن حماد کی روایت میں ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ کفر کرنے والا ہے اور میرا اعتقاد یہ نہیں ہے کہ معتبر علماء میں سے کسی ایک نے بھی

ایسے شخص کو کافر کہا ہو جو رمضان کے روزوں کو ترک کرتا ہے بشرطیکہ ترک کو حلال نہیں جانتا جب کہ حدیث کے ظاہری الفاظ اس کے مخالف ہیں پس امتِ مسلمہ کی جانب سے یہ ایک عملی دلیل ہے جو اس حدیث کو ضعیف قرار دے رہی ہے۔

(واللہ اعلم)

اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ ارکانِ اربعہ میں سے کسی ایک رکن کی ادائیگی میں تساہل اختیار کرنا ایسا فعل ہے جو اس کے فاعل کو کفر میں واقع کرنے کا پیش خیمہ ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلمؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ "آدمی اور کفر کے درمیان فرق نماز کو چھوڑنا ہے" ۵۳۲۔ پس وہ شخص جو نماز کی ادائیگی میں سستی کرتا ہے خطرہ ہے کہ کہیں وہ انسان کفر پر نہ فوت ہو جائے (العیاذ باللہ) لیکن کسی صحیح حدیث میں قطعیت کے ساتھ تارکِ صلوۃ اور تارکِ صوم کو کافر نہیں کہا گیا ہے جب کہ کافر قرار دینے والی صرف یہی ایک حدیث ہے جو ضعیف ہے (واللہ اعلم)

لیکن ارکانِ خمسہ میں سے پہلا رکن کہ انسان اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں اس کے بغیر کوئی بھی عمل صالح فائدہ نہیں بخشتا۔ اسی طرح جب کوئی شخص کلمۂ شہادت کا اقرار کرتا ہے لیکن اس کے معنی کی حقیقت معلوم نہیں کر پاتا یا اسے حقیقت کا علم تو ہے لیکن عملی زندگی اس کے مطابق نہیں ہے۔ مثال کے طور پر مصائب کے وقت غیر اللہ سے مدد طلب کرتا ہے اور اس طرح کے دیگر شرکیہ کام کرتا ہے۔

۹۵ - اَلتَّائِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ.

توبہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے۔

تحقیق: ان الفاظ کے ساتھ حدیث کا اصل نہیں ہے' اس حدیث کی نسبت امام غزالیؒ نے "الاحیاء" ۵۳۳۔ میں یقین کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی ہے "الطبقات" ۵۳۴۔ میں شیخ تاج الدین سبکیؒ کا قول ہے کہ مجھے اس حدیث کی سند نہیں مل سکی ہے اس کے بعد ذکر ہونے والی حدیث بھی اسی حدیث کی طرح ہے ملاحظہ فرمائیں۔

۹۶ - اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ الْمُفْتَنَ التَّوَّابَ.

بے شک اللہ تعالیٰ ایسے مومن بندے کو محبوب جانتا ہے جو فتنے میں مبتلا ہو کر تائب ہو جاتا ہے۔

تحقیق: یہ حدیث موضوع ہے' اس حدیث کو عبداللہ بن احمد نے "زوائد المسند" ۵۳۵۔ میں ذکر کیا ہے اور اس کے طریق ؒ سے ابو نعیمؒ نے "الحلیہ" ۵۳۶۔ میں ابو عبداللہ مسلمہ رازی سے اس نے ابو عمرو بجلی سے اس نے عبدالملک بن سفیان ثقفی سے اس نے ابو جعفر محمد بن علی سے اس نے محمد بن الحنفیہ سے اس نے اپنے والد سے مرفوع روایت کیا ہے۔

اس حدیث کی سند موضوع ہے ابو عبداللہ مسلمہ رازی کے حالات مجھے نہیں مل سکے ہیں نیز حافظ ابن حجرؒ نے "تعجیل المنفعہ بزوائد رجال الائمہ الاربعہ" میں اس کو ذکر نہیں کیا ہے۔ حالانکہ یہ ان کی شرط پر تھا دراصل اس جیسے کثیر راویوں کے حالات ان سے مخفی ہیں اور ابو عمرو بجلی کے بارے میں امام ذہبیؒ نے "میزان" میں اور حافظؒ نے "تعجیل" میں بیان کیا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ اس کا نام عبیدہ ہے اس سے حرمی بن حفص نے روایت کیا ہے ابن حبانؒ نے کہا ہے کہ یہ راوی قابل حجت نہیں ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے "لسان المیزان" کی "الکنی" میں ۵۳۷۔ یقین کے ساتھ تحریر کیا ہے کہ اس سے مراد عبیدہ بن عبدالرحمان ہے اور اس کی تائید اس سے بھی ہو رہی ہے کہ امام ذہبیؒ اور عسقلانیؒ نے اس کا اندراج "الاسماء" میں اس طرح کیا ہے: "عبیدہ بن عبدالرحمان ابو عمرو البجلی" ابن حبانؒ نے اس کا ذکر کیا اور کہا کہ اس نے یحییٰ بن سعید سے حدیث بیان کی ہے اس سے حرمی بن حفص نے بیان کیا کہ وہ ثقہ رواۃ سے موضوع روایات بیان کرتا ہے (چنانچہ) اس نے یحییٰ سے اس نے سعید بن مسیب سے اس نے ابو ایوبؓ سے بیان کیا اس نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک سے کچھ بال لئے اس پر آپؐ نے فرمایا' اے عرب کے

باپ تجھے کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔

میں کہتا ہوں: ابن ابی حاتمؒ ۵۳۸۔ نے اس کا ذکر ان رواۃ میں کیا ہے جن کا نام "عبیدہ" فتح کے ساتھ ہے لیکن اس کے بارے میں جرح تعدیل کا ذکر نہیں کیا اس مقام نے خبردار کر دیا ہے کہ یہ بات مناسب نہیں ہے کہ کسی راوی کے بارے میں ابن ابی حاتمؒ کی خاموشی کو اس راوی کے ثقہ ہونے پر محمول کیا جائے جیسا کہ بعض ہمعصر محدثین کا یہی وطیرہ ہے۔ آپ نے ملاحظہ فرما لیا ہے کہ ابن ابی حاتمؒ نے اس راوی کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے لیکن یہ سمجھنا ہرگز درست نہیں کہ یہ راوی اس کے نزدیک ثقہ ہے جب کہ اس کے بارے میں ابن حبانؒ کا قول پہلے گزر چکا ہے یہ بحث گہرے غور و فکر کی متقاضی ہے۔ بلکہ ابن ابی حاتمؒ ۵۳۹۔ نے اپنی کتاب کے آغاز میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ جن راویوں پر اس نے جرح تعدیل نہیں کی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ ان کے بارے میں اس کو معلومات حاصل نہیں ہو سکیں انکا ذکر اس لئے کر دیا ہے تا کہ جس شخص کو ان کے بارے میں کسی قسم کی جرح تعدیل کا علم ہو جائے تو وہ اس کی وضاحت کرے تا کہ ان کے ساتھ اس کا الحاق کر دیا جائے اور عبدالملک بن سفیان ثقفی کے بارے میں حسینی نے کہا ہے کہ وہ مجہول ہے اور حافظؒ نے "تعجیل" میں اس کا اقرار کیا ہے کہ یہ حدیث "مجمع الزوائد" ۵۴۰۔ میں ہے۔

حافظ ہیثمیؒ نے بیان کیا کہ اس حدیث کو عبداللہ اور ابویعلیٰؒ نے بیان کیا ہے اس کی سند میں ایسے راوی ہیں جن کو میں نہیں جانتا اور اس کے شیخ عراقیؒ نے "تخریج الاحیاء" ۵۴۱۔ میں اس حدیث کی نسبت ان دونوں کی طرف کی ہے اور اس کی سند کو ضعیف کہا ہے بعد ازاں میں نے اس حدیث کو "مفتاح المعانی" ۵۴۲۔ میں واقدی کے طریق سے دیکھا اس نے کہا کہ ہمیں ابراہیم بن اسماعیل نے حدیث بیان کی اس نے عبداللہ بن ابی سفیان سے اس نے یزید بن رکانہ سے اس نے محمد بن حنفیہ سے بیان کیا جب کہ واقدی راوی کذاب ہے۔

۹۷ - اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الشَّابَّ التَّائِبَ.

بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس نوجوان کو محبوب جانتا ہے جو توبہ کرنے والا ہے۔

تحقیق: یہ حدیث ضعیف ہے۔ "تخریج" ۳/۲۲ میں حافظ عراقیؒ نے بیان کیا ہے کہ اس حدیث کو ابن ابی الدنیاؒ نے "التوبہ" میں اور ابوالشیخ نے "کتاب الثواب" میں انسؓ سے ضعیف سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

۹۸ - اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الشَّابَّ الَّذِيْ يُفْنِيْ شَبَابَهٗ فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ.

یقیناً اللہ عزّ و جل اس نوجوان کو محبوب جانتا ہے جس کی جوانی اللہ عزّ و جل کی اطاعت میں صرف ہوئی۔

تحقیق: یہ حدیث موضوع ہے' اس حدیث کو ابونعیمؒ ۳/۲۴ نے محمد بن فضل بن عطیہ کے طریق سے روایت کیا اس نے سالم الافطس سے اس نے عمر بن عبدالعزیز سے اس نے عبداللہؓ سے مرفوع بیان کیا (خیال رہے) اس حدیث کی سند موضوع ہے محمد بن فضل راوی کذاب ہے۔ پہلے بھی اس کا ذکر ہو چکا ہے' حدیث کی علت دراصل یہ راوی ہے۔ نیز مجھے خطرہ ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ اور ابن عمرؓ کے درمیان انقطاع ہے اس لئے کہ جس وقت عبداللہؓ بن عمر فوت ہوئے اس وقت عمر بن عبدالعزیز کی عمر قریباً تیرہ سال تھی۔

۹۹ - اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ النَّاسِكَ النَّظِيْفَ.

بلاشبہ اللہ عزّ و جل اس آدمی کو محبوب جانتا ہے جو عبادت گزار ہے اور نظافت سے رہتا ہے۔

تحقیق: یہ حدیث موضوع ہے' خطیب بغدادیؒ نے اس حدیث کو "تاریخ" ۳/۲۵ میں عبداللہ بن ابراہیم الغفاری کے طریق سے بیان کیا اس نے منکدر بن محمد سے اس نے اپنے والد محمد بن منکدر سے اس نے جابرؓ سے مرفوع بیان کیا اس کی

سند موضوع ہے۔ غفاری وضع کے ساتھ متہم ہے اور منکدر لین الحدیث ہے جیسے حافظؒ نے "تقریب" میں ذکر کیا ہے یہ اور اس سے ماقبل حدیث "الجامع الصغیر" کی موضوعات سے ہیں۔

۱۰۰ - حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ.

صالحین کی نیکیاں مقربین کی (نسبت کے لحاظ سے) برائیاں ہیں۔

تحقیق: یہ حدیث باطل ہے' اس کا کوئی اصل نہیں ہے اس حدیث کو امام غزالیؒ نے "الاحیاء" ۵۴۶ھ میں ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ "یہ قول ایسے قائل کا ہے جو صادق ہے' صالحین کی نیکیاں...." (آخر حدیث تک)

سبکیؒ ۵۴۷ھ نے کہا ہے کہ اس پر غور کیا جائے اگر یہ حدیث ہے۔ جب کہ مصنف نے کہا ہے کہ یہ ایسے قائل کا قول ہے جو صادق ہے لہذا دیکھا جائے کہ اس سے مقصود کون ہے؟

میں کہتا ہوں: یہ واضح ہے کہ امام غزالیؒ نے اس قول کو بطور حدیث کے ذکر نہیں کیا ہے یہی وجہ ہے کہ حافظ عراقیؒ نے "احادیث الاحیاء" میں اس کی تخریج نہیں کی ہے جب کہ امام غزالیؒ نے اشارہ کیا ہے کہ یہ ابوسعید خراز صوفی کا قول ہے چنانچہ ابن جوزیؒ نے "صفوۃ الصفوۃ" ۵۴۸ھ میں اس قول کو اس کی طرف منسوب کر کے ذکر کیا ہے نیز ابن عساکرؒ نے اس کے حالات کے ضمن میں بیان کیا ہے جیسا کہ "الکشف" ۵۴۹ھ میں ہے نیز اس نے ذکر کیا ہے کہ بعض لوگوں نے اس کو حدیث خیال کیا ہے جب کہ یہ حدیث نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: جن محدثین نے اس کو حدیث قرار دیا ہے ان میں الشیخ ابوالفضل محمد بن الشافعیؒ ہیں انہوں نے اپنی کتاب "الطلّ المورود" ۵۵۰ھ میں ذکر کیا ہے کہ مروی ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے چونکہ انہوں نے اس قول کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب صیغہ تمریض کے ساتھ کی ہے اس لئے اس سے کچھ قوت حاصل نہیں ہے جب اس صیغہ کے ساتھ کوئی قول مذکور ہو تو اس قول کا اصل ہوتا ہے اگرچہ وہ ضعیف ہو لیکن اس قول کا تو کچھ اصل

بھی نہیں۔

میں کہتا ہوں: اس قول کا معنی بھی میرے نزدیک درست نہیں ہے اس لئے کہ کوئی نیکی کبھی بھی برائی نہیں کہلا سکتی خواہ نیکی کے کرنے والے کا مقام کیسا ہی کیوں نہ ہو ظاہر ہے کہ اعمال کرنے والوں کے مقام کے لحاظ سے اعمال کے مراتب میں تفاوت ہوتا ہے جب کہ ان اعمال کا کرنا درست ہو اگرچہ وہ اعمال حسن یا قبح کے ساتھ موصوف نہ ہوں جیسے تین جھوٹ جو ابراہیم علیہ السلام سے صادر ہوئے۔ وہ اس لئے جائز ہیں کہ وہ اصلاح کے لئے بولے گئے تھے لیکن بایں ہمہ ابراہیم علیہ السلام نے ان تینوں جھوٹوں کو برائی قرار دیا اور ان کی وجہ سے معذرت کر دی کہ وہ سفارش کی اہلیت نہیں رکھتے جب کہ تمام لوگوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کرام شامل ہیں لیکن وہ نیکی جو اللہ کے قرب کا باعث ہے وہ اس لحاظ سے برائی بن جائے کہ اس کا صدور مقربین سے ہوا ہے یہ ایسی بات ہے جو ناقابل فہم اور ناقابل تسلیم ہے۔
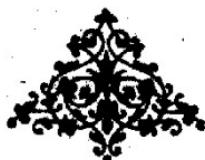
حدیث کی اِصطلاحات

(اصولِ حدیث کی چند اصطلاحات جن سے قارئین کرام کو آگاہ کرنا ضروری ہے)

مرتبہ: عبدالحفیظ مدنی
نائب مدیر ضیاء السنۃ
اِدارۃ الترجمہ و التالیف' فیصل آباد

اصولِ حدیث: ان قوانین کو کہتے ہیں جن کے ساتھ سند اور متن کے احوال معلوم کیے جاتے ہیں۔

متن: حدیث کے الفاظ کا نام متن ہے۔

سند: راویوں کا وہ سلسلہ جو متن تک پہنچاتا ہے' سند کہلاتا ہے۔

صحابی: وہ انسان جس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بحالتِ اسلام ملاقات ہوئی اور وہ اسلام پر فوت ہوا۔

تابعی: وہ انسان ہے جس کی کسی صحابی سے بحالتِ اسلام ملاقات ہوئی اور وہ اسلام پر ہی فوت ہوا۔

تبع تابعی: وہ انسان جس کی کسی تابعی سے بحالتِ اسلام ملاقات ہوئی اور وہ اسلام پر فوت ہوا۔

حدیثِ قُدسی: جو حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو لیکن اس کی نسبت اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف ہو۔

مسند: ایسی حدیث کو کہتے ہیں جو مرفوع ہو' اور اس کی سند میں ظاہرًا اتّصال ہو۔

من السنۃ کذا: اس سے مراد مرفوع حدیث ہے۔

صحیح حدیث: جس کی سند میں اتّصال ہو یعنی کوئی راوی گرا ہوا نہ ہو اور تمام

راوی عادل ہوں' نیز ان میں ضبط کا وصف ہو' شذوذ اور علّت بھی موجود نہ ہو۔

عادل: عادل سے مقصود یہ ہے کہ راوی منصف مزاج' مسلمان' عاقل اور بالغ ہو نیز کبائر کے ارتکاب سے محفوظ ہو۔

ضبط: راوی نے جس حدیث کو سنا اس کو اپنے سینے میں محفوظ کیا یا اسے تحریر کر لیا اور اسی حالت میں اس حدیث کو آگے پہنچایا۔

شذوذ: ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کرے۔

عِلّت: اس پوشیدہ سبب کو کہتے ہیں کہ جو سند میں پایا جاتا ہے جس سے حدیث کی صحت متاثر ہوتی ہے۔

مرفوع حدیث: جس کی نسبت کسی صحابی کی طرف ہو' سند میں اتصال ہو یا انقطاع۔

موقوف حدیث: جس کی نسبت کسی صحابی کی طرف ہو' سند میں اتصال ہو یا انقطاع۔

مقطوع حدیث: وہ اثر ہے جس کی نسبت تابعی کی طرف ہو نیز سند میں اتصال ہو۔

اثر: صحابہ اور تابعین کے اقوال کو اثر کہتے ہیں اور اثر کا لفظ حدیث کے مترادف بھی ہے۔

متواتر: ایسی حدیث کو کہتے ہیں کہ جس کو بیان کرنے والے رواۃ کثیر تعداد میں ہوں اور یہ تعداد شروع سے آخر تک ایک جیسی ہو' ان کا کذب بیانی پر موافقت کرنا ناممکن ہو' نیز ہر راوی حدیث کو واضح صیغہ کے ساتھ بیان کرے۔

خبرواحد: جس حدیث میں متواتر کی شرطیں نہ پائی جائیں۔

غریب: جس حدیث کی سند میں کسی جگہ کوئی راوی تعداد میں ایک ہو۔

حسن : جس حدیث کی سند میں اتصال ہو اور راوی بھی وصفِ عدالت کے ساتھ موصوف ہو لیکن وصف ضبط صحیح حدیث جیسے راویوں والا نہ ہو۔

ضعیف : جس حدیث میں صحیح اور حسن حدیث والی شرطیں موجود نہ ہوں۔

منقطع : جس حدیث کی سند میں مختلف مقامات سے ایک یا ایک سے زیادہ راوی گرے ہوئے ہوں۔

معضل : جس حدیث کی سند میں دو یا دو سے زیادہ راوی ایک جگہ سے مسلسل گرے ہوئے ہوں۔

مرسل : تابعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یا فعل بیان کرے درمیان میں کسی صحابی کا ذکر نہ کرے۔

معلّق : وہ حدیث ہے جس کی سند کے شروع میں ایک یا ایک سے زیادہ رواۃ مسلسل گرے ہوئے ہوں۔

مضطرب : سند کے رواۃ یا رواۃ اور متن دونوں میں اختلاف ہو اور ترجیح کی صورت نہ ہو۔

معلّل : ایسی حدیث کو کہتے ہیں جس میں کسی پوشیدہ علّت پر اطلاع حاصل ہو جائے جب کہ حدیث بظاہر اس سے محفوظ ہو۔

منکر : جس حدیث میں ضعیف راوی' ثقہ راوی کی مخالفت کرے۔

مدرج : ایسی حدیث کو کہتے ہیں جس کے اصل متن میں یا سند میں ایسا اضافہ کر دیا گیا ہو جو اصل حدیث میں نہ ہو اور اس طرح سے متن یا سند میں تبدیلی واقع ہو جائے۔

مدلّس : جس حدیث کی سند میں کوئی راوی مدلس ہو' یعنی راوی کا سماع اس کے استاذ سے ممکن ہو لیکن اس روایت کو اس نے نہ سنا۔ یا کسی راوی کا اپنے استاد سے

سماع ممکن ہونے کے باوجود اس کی بیان کردہ روایت میں سماع ثابت نہ ہو۔

موضوع: وہ حدیث ہے جو من گھڑت اور جھوٹی ہے۔

تابع: وہ حدیث ہے جو غریب حدیث کے موافق ہے دونوں کا صحابی ایک ہو۔

شاہد: ایسی حدیث کو کہتے ہیں جو غریب حدیث کے موافق ہو' البتہ صحابی میں اتحاد نہ ہو۔

اِختلاط: کسی راوی کی عقل کے فاسد ہو جانے' بڑھاپا طاری ہو جانے' نابینا ہو جانے یا کتابوں کے ضائع ہونے کی وجہ سے اس کی بیان کردہ احادیث کی صحت یا عدم صحت کا فیصلہ نہ ہو سکے۔

سند عالی: ایسی حدیث جس کی دو اسناد ہوں اس میں سے جس سند کے رواۃ تعداد میں کم ہوں عالی سند کہلاتی ہے اور سند جس کے راوی تعداد میں زیادہ ہوں وہ سند نازل کہلاتی ہے۔ چنانچہ محدثین سند عالی کے حصول کے لئے دشوار گزار اور دور دراز علاقوں کا سفر کرتے تھے۔

روایتِ بالمعنی: راوی نے اپنے استاد سے روایت کے جو الفاظ سنے ہیں انہیں بعینہٖ ادا نہ کرے بلکہ اس روایت کا معنی بیان کرے' اس کا جواز اس راوی کے لئے ہے جو الفاظ کے معانی کا فہم رکھتا ہو' نیز الفاظ کی تبدیلی معانی پر اثرانداز نہ ہو۔

تعدیل کے مراتب اور اُن کی وضاحت

۱۔ **اوثق النّاس' اثبت النّاس' اِلیہ المنتھی فی التّثبّت:** اِن اوصاف کے ساتھ جن راویوں کو موصوف کیا جائے گا ان کی بیان کردہ احادیث قابل حجت ہوں گی اور ان کا شمار درجہ اول میں ہو گا۔

۲۔ **ثقۃٌ ثقۃٌ' ثبتٌ ثبتٌ:** اِن اوصاف کے ساتھ جو راوی متصف ہوں گے تو . .

وہ دوسرے درجہ میں شمار ہوں گے۔

۳۔ ثقۃٌ حجۃٌ ثقۃٌ حافظ' ثقۃٌ عدل: جب کسی راوی کے یہ اوصاف ہوں گے اس کی بیان کردہ احادیث قابل حجت ہوں گی البتہ وہ تیسرے درجہ میں شمار ہوں گے۔

۴۔ صدوق' محلہ صدق' لاباس بہ: اِن اوصاف کے ساتھ جو روای متصف ہوں گے ان کی بیان کردہ احادیث کو تحریر کیا جائے گا اور ان پر غوروفکر کیا جائے گا یہ راوی دوسرے درجہ میں شمار ہوں گے۔

۵۔ شیخ: جب کسی راوی کے بارہ میں شیخ کا وصف مذکور ہو تو اس کا شمار تیسرے درجہ میں ہو گا' البتہ اس کی حدیث کو تحریر کیا جائے گا اور غوروفکر کیا جائے گا۔

۶۔ صالح الحدیث: جب کسی راوی کے بارہ میں یہ وصف مذکور ہو تو اس کی بیان کردہ حدیث تحریر کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی تحقیق بھی کی جائے گی۔

جرح کے مراتب اور اُن کی وضاحت

۱۔ اکذب النّاس' إلیہ المنتھی فی ا لکذب' ھو رکن ا لکذب' ھو منبع ا لکذب: یہ الفاظ شدید جرح پر دلالت کرتے ہیں۔

۲۔ دجّال' کذّاب' وضّاع: یہ الفاظ مذکورہ الفاظ کی نسبت کم جرح پر دلالت کرتے ہیں۔

۳۔ لینُ الحدیث یا فیہ مقالٌ: جب کسی راوی کو اس وصف کے ساتھ موصوف کیا جائے تو اس حدیث کو تحریر کیا جائے لیکن اس حدیث کے بارہ میں تحقیق کی جائے۔

۴۔ لیس بقوي: جب کسی راوی کے بارہ میں یہ وصف مذکور ہو تو وہ راوی دوسرے درجہ میں ہے۔ اس کی حدیث پر بھی غور و فکر کیا جائے۔

متروک الحدیث، ذاہب الحدیث، کذاب: جب کوئی راوی ان اوصاف کے ساتھ موصوف ہو تو اس کو بیان کرنا چاہیے، حدیث کو تحریر میں نہ لایا جائے، ایسی حدیث ناقابل اعتبار ہے۔

۵۔ **فلان لا یحتج بہ، ضعیف، منکر الحدیث:** جو راوی ان اوصاف کے ساتھ متصف ہو اس کی روایت قابل حجت نہیں البتہ حدیث کو تحریر کیا جائے اور تحقیق کی جائے۔

۶۔ **فلان یکتب حدیثہ، فلان ضعیف جداً، فلان لا تحل الروایۃ عنہ:**۔ جو راوی ان اوصاف کے ساتھ موصوف ہو تو اس کی روایت تحریر نہ کی جائے۔

۷۔ **فلان متہم بالکذب، متہم بالوضع، یسرق الحدیث:** اس صورت میں نہ ان کی بیان کردہ حدیث کو لکھا جائے اور نہ ان کو قابل حجت سمجھا جائے نہ ان کا اعتبار کیا جائے۔

کتبِ حدیث کی اقسام

جامع: وہ کتاب ہے جس میں تمام قسم کی احادیث مروی ہیں، جیسے جامع امام بخاریؒ، جامع امام ترمذیؒ۔

سنن: وہ کتاب ہے جس میں احکام کی احادیث مروی ہیں جیسے سنن نسائی۔

مسند: وہ کتاب ہے جس میں ہر صحابی سے مروی احادیث ایک مقام میں جمع ہوں جیسے مسند امام احمد بن حنبلؒ۔

جزء: وہ کتاب ہے جس میں ایک مسئلہ کی احادیث جمع ہوں جیسے جزء رفع الیدین۔

مستدرک: وہ کتاب ہے جس کو ایسی کتاب سامنے رکھ کر ترتیب دیا گیا ہو جس

کی بیان کردہ شرائط کے مطابق جو احادیث اس کتاب میں درج نہیں ہوئیں ان کو اس کتاب میں درج کیا جائے۔ جیسے "مستدرک حاکم علی الصحیحین" یعنی بخاری اور مسلم نے اپنی کتابوں میں احادیث ذکر کرنے کی جو شرائط متعین کی ہیں' ان شرائط پر پورا اترنے والی سب احادیث کو انہوں نے ذکر نہیں کیا۔ چنانچہ امام حاکمؒ نے ان احادیث کو "مستدرک" میں جمع فرمایا۔

مستخرج : وہ کتاب ہے جس میں کسی دوسری کتاب کی احادیث کو دوسری اسانید سے ذکر کیا ہے جیسے "**مستخرج الاسماعیلی البغدادی**"

معجم : وہ کتاب ہے جس میں اس کے مؤلف نے احادیث کو اساتذہ کے ناموں پر حروف تہجی کی ترتیب کے ساتھ جمع کیا ہو جیسے امام طبرانیؒ کی تالیف کردہ کتابیں **المعجم الصغیر' المعجم الکبیر اور المعجم الاوسط** ہیں۔

الاطراف : جس میں حدیث کا ایک ٹکڑا نقل کیا جائے جو بقیہ حدیث پر دلالت کرے اس کے ساتھ ساتھ متن کی تمام اسانید کو یا بعض کتب کو ذکر کیا جائے جیسے **تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف للمزیؒ**۔
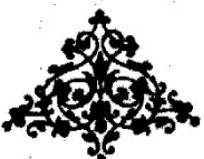
فہرست مراجع، ماخذ و حواشی

۱۔ آل عمران: ۱۰۲
۲۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سوال کرنا جائز ہے۔
۳۔ سورت النساء: ۱
۴۔ سورت الاحزاب: ۷۱
۵۔ اب الگ رسالہ کی شکل میں بھی مطبوع ہے (مترجم)
۶۔ اس حدیث کے راوی جابر رضی اللہ عنہ ہیں۔
۷۔ ابن ابی حاتم فی العلل ۱/۱۰
۸۔ الاحادیث الضعیفہ رقم ۸۳
۹۔ (ابوداؤد، ترمذی) امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ صحیح ابن حبان میں عبداللہؓ بن مسعود سے بھی مروی ہے۔ نیز صحابہ کرام کی ایک جماعت سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔
۱۰۔ متعمدا کا لفظ حدیث میں صحیح ہے۔
۱۱۔ مسلم ۱/۸
۱۲۔ صحیح ابن حبان صفحہ ۲۷
۱۳۔ مسلم ۱/۷
۱۴۔ مسلم
۱۵۔ صفحہ ۴۔ ۱۰
۱۶۔ ۲۹۔ ۳۰
۱۷۔ صفحہ ۴
۱۸۔ صفحہ ۲۵
۱۹۔ ۳/۱۰۶، ۲ مخطوط ظاہریہ
۲۰۔ ۴۳/۳
۲۱۔ ۲/۳۱۳
۲۲۔ ۸۳/۲/۱
۲۳۔ ۱/۱۳۴
۲۴۔ ۱/۱۳۳
۲۵۔ ۲۰/۹۲
۲۶۔ صفحہ ۱۵۹
۲۷۔ ۱۹۳/۱
۲۸۔ سورت العنکبوت: ۴۵
۲۹۔ صفحہ ۲۶۴
۳۰۔ ۲۰/۹۲
۳۱۔ ۴۳/۲
۳۲۔ صفحہ ۱۲
۳۳۔ سورت العنکبوت: ۴۵
۳۴۔ عبدالحق اشبیلی نے التہجد ق ۲/۲۴ میں ذکر کیا ہے کہ نبی علیہ السلام کا مقصد یہ ہے کہ صحیح معنی میں

نماز ادا کرنے والا جو نماز پر مداومت کرتا ہے اس کو اس کی نماز محرمات کے ارتکاب اور ان میں واقع ہونے سے روک دے گی۔

۳۵۔ ۲/۴۳۰
۳۶۔ ۹/۹۷/۱
۳۷۔ ۳،۲/۱/۶۹/۱
۳۸۔ ق ۳۲/۱
۳۹۔ فقہ حنبلی ۲/۱۲/۱-۲
۴۰۔ ۳/۲۹۳
۴۱۔ ۱/۱۳۶
۴۲۔ ۴/۱۴۵-۱۴۷
۴۳۔ ۲/۱۹۶
۴۴۔ ۲۰۰/۲
۴۵۔ ۳/۲۰۸/۲ و ۱۵/۷۰/۱
۴۶۔ ۲/۲۸/۲
۴۷۔ ۵/۳۶۳
۴۸۔ نمبر ۱۱۳۵
۴۹۔ جلد ۸ ق ۲ صفحہ ۱۹۸
۵۰۔ ۲/۱۸۵
۵۱۔ ۴/۱۵۶
۵۲۔ ۱/۴۶/۲
۵۳۔ ۲۱۸/۲
۵۴۔ ۳/۱۹
۵۵۔ بخاری، مسلم
۵۶۔ نمبر ۸۷۸
۵۷۔ ۲/۸۹
۵۸۔ ۲/۵۶
۵۹۔ بحمد اللہ علامہ البانی کی تحقیق کے ساتھ صحیح اور ضعیف الجامع الصغیر کے دونوں مجموعے زیور طباعت سے آراستہ ہو کر بازار میں آگئے ہیں (مترجم)
۶۰۔ ۱/۹۹
۶۱۔ ۸/۱۶۴/۲
۶۲۔ ۲۲۰/۲
۶۳۔ صفحہ ۱۶
۶۴۔ صفحہ ۲۹۸ نمبر ۲۲۵
۶۵۔ ۱/۱۰۱
۶۶۔ ق ۱۶/۲
۶۷۔ ۸/۴۴
۶۸۔ صفحہ ۱۰۱
۶۹۔ ق ۲۵۹/ میرے مسودے سے
۷۰۔ ۳/۴۹۸
۷۱۔ ۴/۶۳
۷۲۔ ۲/۳۸
۷۳۔ ق ۱۱۸/۱
۷۴۔ فضائل الشام صفحہ ۳
۷۵۔ ۲۲۸/۱

۷۶ـ ۴/۹۶
۷۷ـ ۱/۱۸۴
۷۸ـ ۱/۶
۷۹ـ ۶/۱۸۵
۸۰ـ ۲۸۸/۲
۸۱ـ ۵/۲۸۹
۸۲ـ ۳۹
۸۳ـ ۲۸۸/۲
۸۴ـ ۵/۳۸۰
۸۵ـ ۲/۱۷۹
۸۶ـ جلد۲/۲۲۹/۱
۸۷ـ ۴/۲۱۶
۸۸ـ ۲/۱۲
۸۹ـ صفحہ ۳۲
۹۰ـ ۳۵
۹۱ـ سورت المؤمن: ۶۰
۹۲ـ سنن کتابوں میں حسن سند کے ساتھ مروی ہے
۹۳ـ حاکم ۱/۴۹۱
۹۴ـ ابن السنی رقم ۳۴۹
۹۵ـ ترمذی ۴/۲۹۲
۹۶ـ ۱/۲۵۰
۹۷ـ سورت الاحزاب: ۶۹
۹۸ـ مقالات صفحہ ۳۸۱

۹۹ـ تاریخ خطیب بغدادی ۱/۱۲۳
۱۰۰ـ ایضاً ۱۲/۲۴۶
۱۰۱ـ اقتضاء الصراط المستقیم صفحہ ۱۶۵
۱۰۲ـ ۹/۲۵۷
۱۰۳ـ ۳/۱۲۱
۱۰۴ـ صفحہ ۱۸ـ۲۱
۱۰۵ـ مقالات کوثری صفحہ ۳۷۹
۱۰۶ـ امام ابن ابی حاتم "اصول السنۃ و اعتقاد الدین" کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں میں نے اپنے باپ رضی اللہ عنہ سے سنا، فرماتے تھے کہ اہلِ بدعت کی علامت یہ ہے کہ وہ اہلِ حدیث پر طعن و تشنیع کرتے ہیں اور زندیقوں کی علامت یہ ہے کہ وہ اہل حدیث کو حشویہ کہتے ہیں تاکہ احادیث کا ابطال کیا جائے
۱۰۷ـ مقالات کوثری صفحہ ۱۸۵
۱۰۸ـ میں نے اوعال کی حدیث کے ضعف کو ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ذکر کیا ہے جو مجلۃ المسلمون عدد مجلد ۷/۶۸۸ـ۶۹۳ میں اشاعت پذیر ہو چکا ہے
۱۰۹ـ تعلیق صفحہ ۳۰۹
۱۱۰ـ ۱/۲۶۱ـ۲۶۲

۱۱ـ احمد ۳ ر ۲۱
۱۲ـ بغوی ۹ ر ۹۳ ر ۳
۱۳ـ نمبر ۸۳
۱۴ـ مقالات کوثری صفحہ ۳۹۳
۱۵ـ صفحہ ۱۲
۱۶ـ صفحہ ۳۹۴
۱۷ـ مقالات کوثری صفحہ ۳۱۱
۱۸ـ ۱۲ ر ۱۱۰ ر ۱
۱۹ـ ۲ ر ۱۸۴
۲۰ـ مقالات کوثری صفحہ ۳۹
۲۱ـ ۲ ر ۶۱۵
۲۲ـ ۲ ر ۳۲۳ ر ۲
۲۳ـ ۲ ر ۳۲۳
۲۴ـ صفحہ ۲۰۷
۲۵ـ ۸ ر ۲۵۳
۲۶ـ صفحہ ۶۹
۲۷ـ صفحہ ۲۲۷
۲۸ـ صفحہ ۴۲۴۔۴۲۵
۲۹ـ ۲ ر ۳۱۰ ر ۲
۳۰ـ حدیث نمبر ۴۰۳
۳۱ـ صفحہ ۳۹
۳۲ـ صفحہ ۴۲۰
۳۳ـ صفحہ ۳۹
۳۴ـ مقالہ کعب اور اسرائیلیات

صفحہ ۳۴
۳۵ـ اس رسالے کا نام التوسل ہے اور یہ رسالہ طبع ہو گیا ہے۔
۳۶ـ ہماری تالیف "صفۃ صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۱۶۷ طبع ثالث" المکتب الاسلامی ملاحظہ فرمائیں۔
۳۷ـ صفحہ ۴۲
۳۸ـ صفحہ ۱۵
۳۹ـ "اسد الغابہ" میں فاطمہ بنت اسدؓ کے حالات کا مطالعہ کریں۔
۴۰ـ صفحہ ۱۵
۴۱ـ صفحہ ۱۶
۴۲ـ صفحہ ۱۲
۴۳ـ صفحہ ۳۶
۴۴ـ صفحہ ۱۶
۴۵ـ صفحہ ۲۵
۴۶ـ ۳ ر ۱۱۸ ر ۱، ۱۲۳ ر ۱
۴۷ـ (۱۶۳ ر ۱)
۴۸ـ ۶ ر ۴۴ ر ۲
۴۹ـ ۲ ر ۶۱
۵۰ـ ۱۴ ر ۷۳
۵۱ـ نمبر ۳۹۷
۵۲ـ ۳ ر ۸۹ ر ۱
۵۳ـ ۲ ر ۲۶۴ ر ۴

۵۴ ایضاً ۲/۷ ۵۵ ایضاً ۲/۵۰
۵۶ ایضاً ۱/۲/۳۳۸
۵۷ ایضاً ۲/۸۲
۵۸ ایضاً ۲۳/۶۹/۲
۵۹ ایضاً صفحہ ۵
۶۰ ایضاً صفحہ ۲۱۷
۶۱ ایضاً صفحہ ۲۲۹/۲
۶۲ ایضاً ۱۶۳/۲
۶۳ ایضاً ۱۴۰/۲
۶۴ ایضاً ۸/۶۸
۶۵ ایضاً صفحہ ۱۸۷
۶۶ ایضاً ۳/۱۴۶
۶۷ ایضاً ۱۳۴
۶۸ ایضاً نمبر ۱۲۲
۶۹ ایضاً ۱/۱۹۶
۷۰ ایضاً نمبر ۱۱۸
۷۱ ایضاً سورت البقرہ: ۲۹
۷۲ ایضاً سورت الاعراف: ۳۲
۷۳ ایضاً سورت القیامہ: ۲۲-۲۳
۷۴ ایضاً مسلم
۷۵ ایضاً سورت یونس: ۲۶
۷۶ ایضاً اس کا اردو ترجمہ بازار میں دستیاب ہے
۷۷ ایضاً ۳/۱۷۷

۷۸ ایضاً ۶/۳۷۵
۷۹ ایضاً ۲/۳۳۳/۲
۸۰ ایضاً ۱/۲۶۵/۲۶۶
۸۱ ایضاً ۹/۲۶۶-۲۶۷
۸۲ ایضاً ۳/۱۱
۸۳ ایضاً ۱/۴۰۰
۸۴ ایضاً ۸۸/۲
۸۵ ایضاً ۲۰۲/۱
۸۶ ایضاً ۳/۲۷/۲
۸۷ ایضاً صفحہ ۱۵۰
۸۸ ایضاً ۳/۱۰
۸۹ ایضاً صفحہ ۲۴
۹۰ ایضاً نمبر ۳۲۶
۹۱ ایضاً صفحہ ۲۳۲
۹۲ ایضاً ۲۹۵/۱
۹۳ ایضاً صفحہ ۷
۹۴ ایضاً ۲/۱۵۶
۹۵ ایضاً ۷/۲۸۷، ۸/۸۹
۹۶ ایضاً ۵/۱۸۹
۹۷ ایضاً ۲۰۳/۱ من الکواکب ۵۷۵
۹۸ ایضاً ۲/۱۷۶
۹۹ ایضاً صفحہ ۷
۲۰۰ ایضاً ۳۰/۱
۲۰۱ ایضاً ۲/۱۵۰

۲۰۲ـ ق ۲۱۱/۱

۲۰۳ـ ۵۳

۲۰۴ـ ۱۲/۲

۲۰۵ـ ۵/۱۵۱

۲۰۶ـ نمبر ۱۴۳ میرا نسخہ

۲۰۷ـ صفحہ ۹

۲۰۸ـ صفحہ ۲۰

۲۰۹ـ صفحہ ۱۰۷

۲۱۰ـ ق ۳۷/۲

۲۱۱ـ نمبر ۱۰۶

۲۱۲ـ صفحہ ۳۲۲

۲۱۳ـ ۲۳/۱

۲۱۴ـ ۱/۲۰۵

۲۱۵ـ ۲/۱۰۰

۲۱۶ـ مجموع ۲۰/۱۹۵ ـ ۲۰۳

۲۱۷ـ ۲/۲۴/۲

۲۱۸ـ ۱۲/۲۳۹/۲

۲۱۹ـ صفحہ ۶

۲۲۰ـ ۳/۲۳۷

۲۲۱ـ صفحہ ۶

۲۲۲ـ صفحہ ۴۲

۲۲۳ـ نمبر ۱۵۶ ـ میرا نسخہ

۲۲۴ـ نمبر ۱۱۹

۲۲۵ـ صفحہ ۴۲

۲۲۶ـ ۳/۲۰۳/۲

۲۲۷ـ ۱/۱۲۶/۲

۲۲۸ـ صفحہ ۲۷۹

۲۲۹ـ ۵/۲۳۶

۲۳۰ـ ۵۴/۲

۲۳۱ـ صفحہ ۲۴۵

۲۳۲ـ ۱/۱۲۶/۲

۲۳۳ـ المجمع ۴/۲

۲۳۴ـ صفحہ ۲۰

۲۳۵ـ صفحہ ۶۳

۲۳۶ـ ہم نے بعض احادیث کی تخریج ارواء الغلیل رقم ۱۱۱۲ میں کی ہے

۲۳۷ـ صفحہ ۵۷

۲۳۸ـ بخاری، مسلم

۲۳۹ـ مسند احمد وغیرہ' سند صحیح ہے

۲۴۰ـ صفحہ ۴

۲۴۱ـ صفحہ ۱۹۹

۲۴۲ـ ۱/۸۴/۱

۲۴۳ـ ۳/۶۰

۲۴۴ـ ۴/۳۱۸

۲۴۵ـ ۲/۲۳۳

۲۴۶ـ ۹۴/۲

۲۴۷ـ ۲/۲۰۹

۲۴۸ـ ۲۸۶/۱

۲۴۹ـ ۲، ۳۴۴ـ ۳۴۵

۲۵۰ـ ۹۱، ۲

۲۵۱ـ ۲، ۳۴۰

۲۵۲ـ ۱، ۲۱۵

۲۵۳ـ جلد ۲ صفحہ ۵۲۹

۲۵۴ـ صفحہ ۳۶

۲۵۵ـ جلد ۲ صفحہ ۲۷۳

۲۵۶ـ نمبر ۲۴۶

۲۵۷ـ جلد ۱ صفحہ ۲۹۵

۲۵۸ـ جلد ۲ صفحہ ۲۸۲

۲۵۹ـ ۲، ۱۹۵

۲۶۰ـ ۳، ۶۷

۲۶۱ـ ۲، ۲۹۷

۲۶۲ـ ۱، ۱۳۱

۲۶۳ـ ۱، ۱۳۶

۲۶۴ـ ۵، ۱

۲۶۵ـ ۱۰، ۲۹۰

۲۶۶ـ ۱، ۳۱۷

۲۶۷ـ صفحہ ۱۳۰، رقم ۱۸۱

۲۶۸ـ ق ۳۱، ۲

۲۶۹ـ ۵، ۱۳

۲۷۰ـ ۵، ۹۱، ۲

۲۷۱ـ ۳، ۱۹۴، ۱

۲۷۲ـ ۳، ۷۸، ۳

۲۷۳ـ صفحہ ۲۷۳

۲۷۴ـ ۲۳، ۶۹، ۲

۲۷۵ـ ۲، ۲۲، ۱

۲۷۶ـ ۳، ۱، ۳۶

۲۷۷ـ ۲، ۱۸۲

۲۷۸ـ ۳، ۲، ۲۲۸

۲۷۹ـ صفحہ ۲۴۰

۲۸۰ـ ۵۲، ۲

۲۸۱ـ ۱، ۵۲

۲۸۲ـ ۱، ۵۲ ' ادب المفرد للبخاریؒ صفحہ ۱۱۹ ' طبقات ابن سعد ۱، ۷۹، ۳ ' مجمع الزوائد صفحہ ۸، ۲۷۳

۲۸۳ـ سورت الفرقان: ۶۳

۲۸۴ـ سورت الاسراء: ۳۷

۲۸۵ـ نمبر ۳۰۳۵

۲۸۶ـ ۸، ۲۸۱

۲۸۷ـ ۱، ۳۷۹

۲۸۸ـ ق ۳۱۲، ۱

۲۸۹ـ ۱، ۱، ۲۰۲

۲۹۰ـ ۳، ۱۳۳ـ ۱۳۴

۲۹۱ـ ۱، ۱۵۹

۲۹۲ـ ۱، ۵۵، ۲

۲۹۳ـ ۲، ۳۰

۲۹۴ـ ۲، ۲۰۴

۲۹۵۔ ق ۲، ۹۲، ۲
۲۹۶۔ ۵، ۶۴
۲۹۷۔ جیسا کہ امام مناویؒ نے "فیض القدیر" جلد ا صفحہ ۲۰۹ میں اس کی صراحت کی ہے۔
۲۹۸۔ سورت النساء ۸۲
۲۹۹۔ سورت الانفال ۴۶
۳۰۰۔ الاحکام ۵، ۶۷۔ ۶۸
۳۰۱۔ ۲، ۹۱
۳۰۲۔ ۶، ۸۲
۳۰۳۔ ۱۰، ۱۹۹، ۲
۳۰۴۔ ۱، ۲۸
۳۰۵۔ صفحہ ۴۸
۳۰۶۔ ۷، ۳۱۵، ۲
۳۰۷۔ ۲، ۱، ۱۳۸
۳۰۸۔ ۱، ۲۵
۳۰۹۔ صفحہ ۱۹
۳۱۰۔ ۴، ۱۱، ۲
۳۱۱۔ ۱۳، ۲
۳۱۲۔ ۱۱۶، ۲
۳۱۳۔ ۶، ۳۰۳، ۱
۳۱۴۔ ۸۶، ۱
۳۱۵۔ ۳۱۵، ۱۱، ۲
۳۱۶۔ ۶، ۸۳

۳۱۷۔ سورت النجم ۳۔ ۴
۳۱۸۔ سورت النساء ۸۲
۳۱۹۔ سورت الانفال ۴۶
۳۲۰۔ صفحہ ۸۶
۳۲۱۔ ۵، ۶۴
۳۲۲۔ ۱۸۵، ۲
۳۲۳۔ الکی نسبت ہے' الک مغرب (مراکش) کے پہاڑی علاقہ میں ایک قصبہ کا نام ہے۔
۳۲۴۔ ق ۱۵۸، ۲
۳۲۵۔ ۲، ۲۱۹
۳۲۶۔ صفحہ ۲۱۰
۳۲۷۔ صفحہ ۱۴۴
۳۲۸۔ ۲، ۳۴۷
۳۲۹۔ ق ۱۹۱، ۲
۳۳۰۔ ۷، ۱، ۲۳
۳۳۱۔ ۱، ۳۱۳، ۲
۳۳۲۔ ۳، ۲۷۹
۳۳۳۔ ۶، ۳۱۳، ۲
۳۳۴۔ ۶، ۸۳
۳۳۵۔ ۳، ۱۷۱۔ ۱۷۲
۳۳۶۔ صفحہ ۱۱۶
۳۳۷۔ ۱، ۱۵۹
۳۳۸۔ ۲، ۲۵۵

۳۹۔ ۹/ ۲۷۱
۴۰۔ ۲/ ۲۲۲-۲۲۵
۴۱۔ ۱۰/ ۱۲
۴۲۔ ۷/ ۳۶۵
۴۳۔ ۲/ ۲۷۰
۴۴۔ ۶/ ۳۳۸
۴۵۔ ۷/ ۳۶۵
۴۶۔ ۴/ ۲۱۷-۲۱۸
۴۷۔ ۷/ ۳۶۴-۳۶۵
۴۸۔ ۲/ ۲۰۴
۴۹۔ ۹/ ۲۷۰
۵۰۔ ۱/ ۱۵۲
۵۱۔ ۱۰/ ۳-۴
۵۲۔ ۹/ ۲۷۰
۵۳۔ ۴/ ۲۲۶
۵۴۔ صفحہ ۲۶۸
۵۵۔ ۷/ ۲۶۷
۵۶۔ ۲/ ۳
۵۷۔ ۲/ ۲۷۵
۵۸۔ ۹/ ۲۷۰
۵۹۔ ۶/ ۷۲
۶۰۔ ۲/ ۳۰۳، ۳۱۲
۶۱۔ صفحہ ۱۵
۶۲۔ ۷/ ۳۶۳-۳۶۴
۶۳۔ ۶/ ۷۴-۷۶
۶۴۔ صفحہ ۳۸۵
۶۵۔ ۱/ ۲۷۲
۶۶۔ ق/ ۱۲۵/ ۲
۶۷۔ نمبر ۱۱۳۱
۶۸۔ ۲/ ۴۸۲/ ۲
۶۹۔ ۷/ ۳۶۱
۷۰۔ صفحہ ۱۹۸
۷۱۔ صفحہ ۲۰۴
۷۲۔ ۲/ ۳۵۱
۷۳۔ صفحہ ۸۴
۷۴۔ ق ۳۷/ ۲
۷۵۔ نمبر ۱۳۵
۷۶۔ صفحہ ۲۰۰
۷۷۔ فاضل مترجم مولانا محمد صادق خلیل نے اس کتاب کا اردو ترجمہ کیا ہے
۷۸۔ ۱/ ۲۶۵
۷۹۔ صفحہ ۲۰۴
۸۰۔ ۱/ ۲۲۳
۸۱۔ ۱/ ۲۲۲-۲۵۴
۸۲۔ صفحہ ۷۴
۸۳۔ ۲/ ۷۵
۸۴۔ نمبر ۱۵

۳۸۵ـ ۱/۱۱۷
۳۸۶ـ ۴/۱۲۹
۳۸۷ـ ۱/۱۹۵
۳۸۸ـ ۶/۱۱۵/۲
۳۸۹ـ ۱/۱/۲۶۵
۳۹۰ـ ۲/۱۳۰
۳۹۱ـ ۲/۴۸ نمبر ۱۲
۳۹۲ـ ۲/۷۱
۳۹۳ـ ۲/۴
۳۹۴ـ ۲/۳۳۶
۳۹۵ـ ۱/۷۰
۳۹۶ـ صفحہ ۹
۳۹۷ـ ۱۶۴/۲
۳۹۸ـ صفحہ ۴ـ۵
۳۹۹ـ صفحہ ۵
۴۰۰ـ صفحہ ۲۰، ۲۹
۴۰۱ـ ۲/۴۹۵
۴۰۲ـ ۴/۴۳۱
۴۰۳ـ ۱/۱۵۵
۴۰۴ـ ۳/۳/۲/۴/۹/۱، ۵/۲
۲/۲
۴۰۵ـ ۱/۶۲
۴۰۶ـ صفحہ ۱۹۵
۴۰۷ـ ۲/۲۷۳
۴۰۸ـ ۷/۳۸۵
۴۰۹ـ مسلم، احمد
۴۱۰ـ نمبر ۱۶۸
۴۱۱ـ ۱/۴۵۸
۴۱۲ـ صفحہ ۴۵
۴۱۳ـ ۲/۲۵۹
۴۱۴ـ ۱/۲/۱۴
۴۱۵ـ صفحہ ۲۶۲
۴۱۶ـ صفحہ ۶۸
۴۱۷ـ صفحہ ۲۲۱
۴۱۸ـ جلد ۲ نمبر ۱۲، مخطوطہ ظاہریہ سے منقول
۴۱۹ـ ۲/۲۰۷ـ۲۰۸
۴۲۰ـ ۲/۵۱۵
۴۲۱ـ ۴/۵۵۷
۴۲۲ـ ۹۹/۱۰۰
۴۲۳ـ ۱۳۹، ۳۰۰
۴۲۴ـ ۴/۱۱۷
۴۲۵ـ ۱/۴۳۱ـ۴۳۴
۴۲۶ـ ۱/۴۳۵
۴۲۷ـ ۱/۱۳۵
۴۲۸ـ صفحہ ۱۱۵، ۱۲۵
۴۲۹ـ ۲/۱۴۱ من الحاوی
۴۳۰ـ ۲/۱۶۶ـ۱۶۷

۳۱ ـہ ۱۲/۳۳۳
۳۲ ـہ ۱۴/۳۱
۳۳ ـہ ۳/۶۳
۳۴ ـہ ۳/۳۵۶
۳۵ ـہ الرد علی الحبشی صفحہ ۱۲
۳۶ ـہ صفحہ ۱۲
۳۷ ـہ صفحہ ۴
۳۸ ـہ ۱/۳۳۵
۳۹ ـہ ۳/۲۵۵
۴۰ ـہ ۱/۵۴۷
۴۱ ـہ ۲/۲۵۳
۴۲ ـہ ق ۱۱۲/۱
۴۳ ـہ ۷/۴۰۳
۴۴ ـہ صفحہ ۱۴-۱۵
۴۵ ـہ ۱/۳۳۵
۴۶ ـہ ۴/۲۷۷-۲۷۸
۴۷ ـہ ۱۳۰/۱
۴۸ ـہ ۹/۱۷/۲
۴۹ ـہ ۱/۵۴۷-۵۴۸
۵۰ ـہ ۴/۲۷۴
۵۱ ـہ ۷۳/۲۵۵/۱
۵۲ ـہ ۱/۵۴۷
۵۳ ـہ صفحہ ۱۸-۱۹
۵۴ ـہ ۸/۸۳/۸۴
۵۵ ـہ ۴-۲۷۳
۵۶ ـہ ۱/۲۳
۵۷ ـہ ۶/۳۲۵، ۳۳۰
۵۸ ـہ الرد علی التعقب الحثیث صفحہ ۴۴-۴۷
۵۹ ـہ ۲/۸۹/۲
۶۰ ـہ صفحہ ۴۴-۴۵
۶۱ ـہ ۱/۲۶
۶۲ ـہ صفحہ ۲۱
۶۳ ـہ صفحہ ۵
۶۴ ـہ بخاری ۶/۶۴ مسلم ۳/۱۴۴ اور لفظ مسلم کے ہیں، نسائی فی الکبریٰ ق ۲۰/۱
۶۵ ـہ ۵۱۸-۵۱۹
۶۶ ـہ ۴/۲۶۳-۲۶۴
۶۷ ـہ ۵/۲۷۷
۶۸ ـہ ۴/۵۰۲
۶۹ ـہ صفحہ ۴۵
۷۰ ـہ ۱/۴۳۷
۷۱ ـہ ق ۲۴۹/۲
۷۲ ـہ ۲/۵۱۷
۷۳ ـہ ۲/۴۶۱
۷۴ ـہ احمد فی المسند ۱/۱۰-۱۱ میں بھی اس کی مثل حدیث ہے

۷۵۔ک ۱۰/۱۴۷

۷۶۔ک ۴/۳۹۵/۴۱۳،۴۱۷

۷۷۔ک صفحہ ۷

۷۸۔ک ۱/۵۰

۷۹۔ک ق ۲۶/ ۱۔۲۸/ ۲

۸۰۔ک ۱/۱/۲۵۹

۸۱۔ک ۲/ ۱۸۴

۸۲۔ک ۲/۳۲۷

۸۳۔ک ۳/ ۱۹۳

۸۴۔ک ۲/۲۰۱

۸۵۔ک ۳/ ۱۴۔۱۵

۸۶۔ک بخاری، مسلم

۸۷۔ک سورت العلق: ۹۔۱۰

۸۸۔ک سورت النور: ۶۳

۸۹۔ک ۱/۱۲۶

۹۰۔ک ۱/۲۱۷ سیاق اسی کا ہے

۹۱۔ک ۱/۲۰۱

۹۲۔ک ۳/ ۶۰

۹۳۔ک ۵/ ۲۷۲

۹۴۔ک ۲/ ۵۰

۹۵۔ک ۲/۲۲۹

۹۶۔ک ۲/ ۱۳

۹۷۔ک ۲/۲۹۱

۹۸۔ک ۲/ ۹۰

۴۹۹۔ک ۳/ ۲۸۰

۵۰۰۔ ۶/۱۳۶

۵۰۱۔ ۴/۱۲۱

۵۰۲۔ ۲۳۵/ ۱۔۲

۵۰۳۔ ۲/ ۵۳۔۵۴

۵۰۴۔ ۱۶/ ۱۔۲

۵۰۵۔ صفحہ ۳۲۔۳۳

۵۰۶۔ ۲/ ۲۶۳

۵۰۷۔ ۲/۱۰۱

۵۰۸۔ ۵/ ۱۲۱۔۱۲۲

۵۰۹۔ ۱۴۔۲۹۵۔۲۹۶

۵۱۰۔ ۴۔۲۲۲

۵۱۱۔ ق ۸۶/ ۱ مکتبہ شیخ الاسلام مدینہ منورہ میں مخطوطہ موجود ہے

۵۱۲۔ ۱/ ۱۴۷۔۱۴۸

۵۱۳۔ ۲/۹/ ۱

۵۱۴۔ ۲/ ۲۶۴

۵۱۵۔ ۲/ ۲۶۴

۵۱۶۔ ۱/۲۸

۵۱۷۔ ۷/ ۲۶۷

۵۱۸۔ ۲/۱۸۱

۵۱۹۔ ۳/ ۱۷/ ۲

۵۲۰۔ ۴/ ۱۷۷

۵۲۱۔ نمبر ۲۶۲۸

۵۲۲۔ ۳۱۶۳

۵۲۳۔ ۲، ۳۹

۵۲۴۔ ۲، ۳۹۴

۵۲۵۔ ۲، ۵۰۔۵۱

۵۲۶۔ ق ۱۲۶، ۲

۵۲۷۔ ۱، ۲۰۲، ۱

۵۲۸۔ ۱، ۱۹۶

۵۲۹۔ ۱، ۳۸

۵۳۰۔ حدیث نمبر ۲۲ ملاحظہ فرمائیں

۵۳۱۔ تنقیح میں اسی طرح ہے "ثقات" کے الفاظ نسخہ ظاہریہ میں نہیں ہے

۵۳۲۔ مسلم وغیرہ

۵۳۳۔ ۴، ۳۳۴

۵۳۴۔ ۴، ۱۳۔۱۷۰

۵۳۵۔ نمبر ۶۰۵، ۸۱۰

۵۳۶۔ ۳، ۱۷۸۔۱۷۹

۵۳۷۔ ۶، ۳۱۹

۵۳۸۔ ۳، ۱، ۹۲

۵۳۹۔ ۱، ۱، ۳۸

۵۴۰۔ ۱۰، ۲۰۰

۵۴۱۔ ۴، ۵

۵۴۲۔ ۶۷، ۱

۵۴۳۔ ۴، ۴۔۵

۵۴۴۔ ۵، ۲۶۰

۵۴۵۔ ۱۰، ۱۱۔۱۲

۵۴۶۔ ۴، ۴۴

۵۴۷۔ ۴، ۱۳۵۔۱۷۱

۵۴۸۔ ۲، ۱۳۰، ۱

۵۴۹۔ ۱، ۳۵۷

۵۵۰۔ ق ۱۲، ۱

ارشاد نبوی ﷺ

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي

تم اسی طرح نماز ادا کرو جیسے تم مجھے نماز ادا کرتے ہوئے دیکھ رہے ہو (الحدیث)

نمازِ نبوی ﷺ

احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں

نادر علمی اضافوں اور تخریج و تحقیق کے ساتھ

تالیف

علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ

ترجمہ و تہذیب

مولانا محمد صادق خلیل حفظہ اللہ

ناشر

مکتبہ محمدیہ چک 109/7.R چیچہ وطنی ضلع ساہیوال